

سعید الحق

فی تخریج

جاء الحق

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تخریج وشرح

علامہ مولانا سعید اللہ خان قادری

مکتبہ غوثیہ

34926110-34910584

محمد رسول اللہ

فہرس

سعید الحق فی تخریج جاء الحق (حصہ دوم)

عوام اہل سنت و خواص اہل سنت کے لئے بہترین تحفہ

دعا بعد نماز جنازہ کا تحقیقی ثبوت

(بہترین تحقیق کے ساتھ)

مدلل فقہ حنفی اور احادیث و آثار صحابہ (حنفیوں کے لئے نایاب تحفہ) مکمل ۱۰ جلدیں

(بہترین تحقیق اور اعتراضات کے مسکت جوابات کے ساتھ)

غیب کی خبریں دینے والا نبی

(بہترین تحقیق اور اعتراضات کے مسکت جوابات کے ساتھ)

مصنف علامہ سعید اللہ خان قادری

عوام اہل سنت و خواص اہل سنت کے لئے بہترین تحفہ

دیدار الٰہی

(بہترین تحقیق کے ساتھ)

اقامت میں حی الفلاح پر کھڑے ہونے کا شرعی حکم

(بہترین تحقیق اور اعتراضات کے مسکت جوابات کے ساتھ)

نام اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سن کر انگوٹھے چومنے کا مدلل ثبوت

(بہترین تحقیق اور اعتراضات کے مسکت جوابات کے ساتھ)

مصنف علامہ سعید اللہ خان قادری

سعید الحق فی تخریج جاء الحق

حصہ دوم

کرے مصطفیٰ کی اہانتیں، کھلے بندوں اس پہ یہ جرأتیں
کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی، ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ)

خدا خود میر مجلس بود اندلا مکان خسرو
محمد ﷺ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ



الحمدلله وكفى والصلوة والسلام على سيد الانبياء محمد ن المصطفى وعلى اله واصحابه اولى الصدق والصفا۔

جاننا چاہیئے کہ موجودہ درو بہت فتنہ وفساد کا زمانہ ہے۔ کفر والحاد بے دینی کی ہوس ربا آندھیاں چل رہی ہیں بد مذہبی لادینی نئی نئی صورتوں میں نمودار ہو رہی ہے۔ مسلمان کو ایمان سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے وہ ہی اس وقت ایمان سنبھال سکتا ہے جو کسی مقبول بارہ گاہ بندے کے دامن سے وابستہ ہے۔ ان فتنوں میں سے ایک خطرناک فتنہ غیر مقلدیت کا ہے جو اتباع سنت کے پردہ میں نمودار ہوا ہے یہ لوگ اہل حدیث کے نام سے مشہور ہیں۔ اپنے سوا سب کو مشرک سمجھتے ہیں۔ تقلید شخصی کو شرک کہتے ہیں۔

افسوس ہے کہ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ حدیث کیا ہے اور سنت کیا ہے۔ بلکہ جنھیں عربی عبارت پڑھنا نہیں آتی وہ آمین بالجہر ورفع یدین کی چار حدیثیں یاد کر کے اپنے آپ کو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ فقیر نے اپنی کتاب جاء الحق جلد اول میں مسئلہ تقلید اور ضمیمہ جاء الحق میں بیس رکعت تراویح اور تین طلاق پر معرکتہ الآرا بحث کی جاء الحق حصہ اول میں وعدہ کیا گیا تھا کہ ہم اس کا حصہ دوم بھی تحریر کریں گے۔ بہت عرصہ تک یہ وعدہ پورا کرنے کا موقعہ نہ ملا۔ پھر بعض احباب کا اصرار ہوا کہ دوسرے حصہ میں غیر مقلدوں وہابیوں کی پرزور تردید کی جاوے اور احناف کے دلائل غیر مقلدوں کے دندان شکن جواب دیئے جاویں۔ مگر اس حکم کی تعمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی۔ نیز ہم نے ان مسائل پر اپنے "فتاویٰ نعیمیہ" اور حاشیہ بخاری نعیم الباری عربی میں مفصل گفتگو کی خیال تھا کہ اب علیحدہ کتاب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ مگر بزرگوں کا اصرار ہوا کہ ان مسائل پر مستقل کتاب اردو زبان میں لکھی جاوے۔ توکلا علی اللہ ادھر توجہ کی اس حصہ کا طریقہ وہ ہی ہوگا۔ جو جاء الحق حصہ اول کا ہے۔ کہ ہر مسئلہ علیحدہ علیحدہ باب میں بیان ہوگا۔ اور ہر باب میں دو فصلیں ہوں گی۔ پہلی فصل میں حنفیوں کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے سوالات وجوابات غیر مقلدوں کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مخالف ہر حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں اور کسی نے کسی نامعقول حوالہ کی آڑ لیتے ہیں۔ حالانکہ محدثین کے نزدیک جرح مبہم معتبر نہیں نیز اگر جرح وتعدیل میں مقابلہ ہو تو تعدیل مقدم ہے۔ نیز کسی استاد کے ضعیف ہونے سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ نیز بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔ یہ تمام بحثیں ان شاء اللہ مقدمہ میں کی جائیں گی۔ مگر انہیں ان سے کیا غرض۔ انہیں صرف ضعیف کا سبق یاد ہے ان کے اس ضعیف ضعیف کے رٹ لگانے نے آج مسلمانوں میں منکرین حدیث پیدا کر دیئے۔ جو کہنے لگے کہ کسی حدیث کا اعتبار نہیں۔ سب ضعیف ہی ہیں۔ صرف قرآن کو مانو۔

نیز مقام تعجب ہے کہ غیر مقلد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی تقلید کو شرک کہتے ہیں مگر ابن جوزی وغیرہ ناقدین حدیث کے ایسے مقلد ہیں کہ جس حدیث کو وہ ضعیف کہہ دیں۔ اسے بغیر سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں چونکہ اس وقت یہ فتنہ بڑھ رہا ہے اس لئے فقیر نے ان کے جواب میں قلم اٹھایا۔ قلم تو اٹھا دیا۔ مگر مجھے اپنی بضاعتی وکم علمی کا اعتراف واقرار ہے۔ اپنے رب کریم کے کرم اور اس کے حبیب رؤف ورحیم ﷺ کے فضل پر بھروسہ ہے۔ رب تعالیٰ اس رسالہ کو قبول فرمادے۔ میرے لئے اسے کفارہ سیئات وصدقہ جاریہ بنائے اس کا نام جاء الحق حصہ

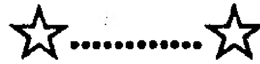
دوم رکھتا ہوں۔ جوکوئی اس سے فائدہ اٹھائے۔ وہ مجھ فقیر بے نوا کے حسن خاتمہ کی دعا کرے اللہ اسے جزائے خیر دے۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی

خطیب جامع مسجد غوثیہ چوک پاکستان گجرات

یکم ماہ رمضان ۱۳۷۶ھ دوم اپریل ۵۷۔ دوشنبہ مبارکہ



مقدمہ

اصل کتاب کے مطالعہ سے پہلے حسب ذیل قواعد اچھی طرح مطالعہ فرما کر یاد فرمالیں۔ یہ قواعد بہت ہی کارآمد ہیں۔

قاعدہ نمبر 1:۔ اسناد کے لحاظ سے حدیث کی بہت قسمیں ہیں مگر ہم صرف تین قسموں کا ذکر کرتے ہیں

حدیث صحیح۔ حدیث حسن۔ حدیث ضعیف۔

صحیح:۔ وہ حدیث ہے۔ جس میں چار خوبیاں ہوں۔

﴿1﴾......اس کی اسناد متصل ہو کہ حضور ﷺ سے لے کر مولف کتاب تک کوئی راوی کسی جگہ چھوٹا نہ ہو۔

﴿2﴾......اس کے سارے راوی اول درجہ کے متقی پرہیزگار ہوں۔ کوئی فاسق یا مستور الحال نہ ہو۔

﴿3﴾......تمام راوی نہایت قوی الحافظہ ہوں کہ کسی کا حافظہ بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے کمزور نہ ہو

﴿4﴾......وہ حدیث شاذ یعنی احادیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔

حسن:۔ وہ حدیث ہے جس کے کسی راوی میں یہ صفات اعلیٰ درجہ کے نہ ہوں۔ یعنی کسی کا تقویٰ یا قوت حافظہ اعلیٰ درجہ کا نہ ہو۔

ضعیف:۔ وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متقی پرہیزگار یا قوی الحافظہ نہ ہوں۔ یعنی جو صفات حدیث صحیح میں معتبر تھیں ان میں سے کوئی ایک صفت نہ ہو۔

قاعدہ نمبر ۲:۔ پہلی دو قسمیں یعنی صحیح اور حسن احکام اور فضائل سب میں معتبر ہیں۔ لیکن حدیث ضعیف صرف فضائل میں معتبر ہے۔ احکام میں معتبر نہیں یعنی اس سے حلال وحرام ثابت نہ ہوں گے ہاں اعمال یا کسی شخص کی عظمت وفضیلت ثابت ہوسکتی ہے۔

نتیجہ:۔ ضعیف حدیث جھوٹی یا غلط یا گڑھی ہوئی حدیث کو نہیں کہتے۔ جیسا کہ غیر مقلدوں نے عوام کو ذہن نشین کرادیا ہے کہ لوگوں نے اسے گھا جانے والا ہوا سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ محدثین نے محض احتیاط کی بنا پر اس حدیث کا درجہ پہلی دو سے کچھ کم رکھا ہے۔

قاعدہ نمبر ۳:۔ اگر حدیث ضعیف کسی وجہ حسن بن جاوے تو وہ بھی مطلقاً معتبر ہے۔ اس سے احکام وفضائل سب کچھ ثابت ہوسکتے ہیں۔

قاعدہ نمبر ٤:۔ حسب ذیل چیزوں سے حدیث ضعیف حسن بن جاتی ہے۔ دو یا زیادہ سندوں سے روایت ہوجانا اگرچہ وہ سب اسنادیں ضعیف ہوں۔ یعنی اگر ایک حدیث چند ضعیف روایتوں سے مروی ہوجاوے تو اب وہ ضعیف نہ رہی حسن بن گئی۔

(مرقات۔ موضوعات کبیر۔ شامی۔ مقدمہ مشکوٰۃ شریف مولانا عبدالحق۔ رسالہ اصول حدیث للجرجانی اول ترمذی شریف وغیرہ)

علماء کاملین کے عمل سے ضعیف حدیث حسن بن جاتی ہے۔ یعنی اگر حدیث ضعیف پر علماء دین عمل شروع کردیں تو وہ ضعیف نہ رہے گی حسن ہوجاوے گی اس ہی لئے امام ترمذی فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث غريب ضعيف والعمل عليه عند اهل العلم۔

ترجمہ: یہ حدیث ہے تو غریب یا ضعیف مگر اہل علم کا اس پر عمل ہے۔

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حدیث ہے تو ضعیف ناقابل عمل مگر علماء امت نے بیوقوفی سے عمل کرلیا اور سب گمراہ ہوگئے۔ بلکہ مطلب یہ ہی ہے کہ حدیث روایۃً کے لحاظ سے ضعیف تھی۔ مگر علماء امت کے عمل سے قوی ہوگئی۔

علماء کے تجربہ اور اولیاء کے کشف سے ضعیف حدیث قوی ہوجاتی ہے شیخ محی الدین بن عربی ایک حدیث سنی تھی کہ جو ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھے۔ اس کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ایک دفعہ ایک جوان نے کہا کہ میں اپنی مری ہوئی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ شیخ نے

ستر ہزار بار کلمہ پڑھا ہوا تھا۔ اپنے دل میں اس کی ماں کو بخش دیا دیکھا کہ جوان ہنس پڑا اور بولا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت اس ولی کے کشف سے معلوم کی (صحیح البہاری)۔ (مرقاۃ ج ۳ ص ۲۲۲ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ) تحذیر الناس مصنفہ محمد قاسم میں یہ ہی واقعہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا نقل فرمایا۔

قاعدہ نمبر ۵:۔ اسناد کے ضعف سے متن حدیث کا ضعف لازم نہیں۔ لہذا یہ ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث ایک اسناد میں ضعیف ہو دوسری اسناد میں حسن ہو تیسری میں صحیح اسی لئے امام ترمذی ایک حدیث کے متعلق فرمادیتے ہیں۔

هذا الحديث حسن صحيح غريب۔

ترجمہ: یہ حدیث حسن بھی ہے صحیح بھی ہے غریب بھی۔

(سنن الترمذی ج ۳ ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۱۴۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ترمذی کے اس قول کا مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ حدیث چند سندوں سے مروی ہے ایک اسناد سے حسن ہے دوسری سے صحیح تیسری سے غریب۔

قاعدہ نمبر ۶:۔ بعد کا ضعف اگلے محدث یا مجتہد کے لئے معتبر نہیں۔ لہذا اگر ایک حدیث امام بخاری یا ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک راوی ضعیف شامل ہو گیا تو ہوسکتا ہے کہ وہ ہی حدیث امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سند صحیح سے ملی ہو۔ آپ کے زمانہ تک وہ ضعیف راوی اس کی اسناد میں شامل نہ ہوا۔ لہذا کسی وہابی کو یہ ثابت کرنا آسان نہیں کہ یہ حدیث امام اعظم کو ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ:۔ ایک دفعہ ایک وہابی غیر مقلد سے قراۃ خلف الامام پر ہماری معمولی گفتگو ہوئی ہم نے یہ حدیث پیش کی۔

قراة الامام له قراءة۔

ترجمہ: امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وہابی جی بولے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہے۔ جو ضعیف ہے ہم نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ تڑپ کر بولے ۲۳۵ھ میں ہم نے کہا جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا تھا تب جابر اپنے باپ کی پشت میں بھی نہ آئے تھے۔ کیونکہ امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہے اور وفات ۱۵۰ھ میں لہذا اس وقت یہ حدیث بالکل صحیح تھی۔ بعد کے محدثین کو ضعیف ہو کر ملی وہابی صاحب سے اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بغیر جواب دیئے فوت ہو گئے۔

لہذا حنفی علماء کو خیال رکھنا چاہیئے کہ وہابی کو ضعیف ضعیف کہنے سے روکیں۔ وجہ ضعیف پوچھیں پھر یہ تحقیق کریں کہ ضعف امام اعظم سے پہلے کا ہے یا بعد کا انشاء اللہ وہابی جی پانی مانگ جائیں گے اور ضعیف ضعیف کا سبق بھول جائیں گے۔ کیونکہ امام اعظم کا زمانہ حضور ﷺ سے بہت قریب ہے۔ اس وقت حدیثیں بہت کم ضعیف تھیں۔ امام صاحب تابعی ہیں۔

قاعدہ نمبر ۷:۔ جرح مبہم قابل قبول نہیں یعنی کسی ناقد حدیث خصوصاً ابن جوزی وغیرہ کا یہ کہہ دینا کہ فلاں حدیث یا راوی ضعیف ہے غیر معتبر ہے۔ جب تک یہ نہ بتائے کہ کیوں ضعیف ہے۔ اور اس راوی میں کیا ضعف ہے۔ کیونکہ وجہ ضعف میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ ایک چیز کو بعض عیب سمجھتے ہیں۔ بعض نہیں۔ دیکھو تدلیس۔ ارسال۔ گھوڑے دوڑانا۔ مذاق۔ نوعمری۔ فقہ میں مشغولیت کو بعض لوگوں نے راوی کا عیب جانا ہے۔ مگر حنفیوں کے نزدیک ان میں سے کچھ بھی عیب نہیں۔ (نور الانوار بحث طعن علی الحدیث)

حاشیہ......☆

امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

واما الجرح فانه لا يقبل الا مفسرا مبين السبب...... فلا بد من بيان سببه لينظر فيما هو جرح ام لا۔

ترجمہ: کوئی جرح اس وقت تک مقبول نہیں جب تک اس کا سبب بیان نہ کیا جائے کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے جو موجب جرح نہیں کرتی۔

(مقدمۃ ابن الصلاح ص ۱۴۰ النوع ۲۳ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور)

امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

وقد ذكر ان الشافعي انما اوجب الكشف عن ذلك لانه بلغه ان انساناً جرح رجلا فسئل عما جرحه به فقال رايته يبول قائما فقيل له و ما في ذلك ما يوجب جرحه؟ فقال لانه يقع الرشيش عليه وعلى ثوبه ثم يصلي فقيل له رايته يصلي كذلك؟ فقال لا فهذا ونحوه جرح بالتاويل والجهل والعالم لا يجرح احدا بهذا وامثاله۔

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسباب جرح کو بیان کرنا ضروری ہے اس لئے کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی۔ مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا ہے اب اس کے کپڑے ناپاک ہوئے ہوں گے اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہوگی تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے اسے ان کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟ اس نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا اس طرح کی جرح فن مصطلح الحدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کوئی عالم کسی کو اسی طرح کی جرح سے مجروح قرار نہیں دیتا۔

(الکفایۃ فی علم الروایۃ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام عبد العظیم بن عبد القوی المنذری متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں۔

لا يقبل الجرح الا مفسرا۔

(رسالۃ فی الجرح والتعدیل ص ۴۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الاقصی الکویت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

(ولا يقبل الجرح الا مبين السبب) لانه يحصل بامر واحد ولا يشق ذكره ولان الناس مختلفون في اسباب الجرح فيطلق احدهم الجرح بناء على ما اعتقده جرحا وليس بجرح في نفس الامر فلا بد من بيان سببه لينظر هل هو قادح ام لا؟ قال ابن الصلاح وهذا ظاهر مقرر في الفقه واصوله وذكر الخطيب انه مذهب الائمة من حفاظ الحديث كالشيخين وغيرهما ولذالك احتج البخاري بجماعة سبق من غيره الجرح لهم كعكرمة وعمرو بن مرزوق واحتج مسلم بسويد بن سعيد وجماعة اشتهر الطعن فيهم۔

ترجمہ: جرح وہ قبول کی جاتی ہے جس کا سبب بیان کیا جائے اس لئے کہ جرح کسی ایک بات کی وجہ سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا ذکر کرنا مشکل نہیں ہوتا اور اس لئے بھی کہ اسباب جرح میں علماء مختلف ہیں بعض علماء اپنے اعتقاد کے مطابق جرح کا اطلاق کرتے ہیں حالانکہ وہ فی الحقیقت جرح نہیں ہوتی لہذا جرح کا سبب بیان کرنا ضروری ہے تاکہ دیکھا جا سکے کہ جرح قابل قدح ہے بھی یا نہیں؟

قاعدہ نمبر۸:۔ اگر جرح وتعدیل میں تعارض ہو تو تعدیل قبول ہے نہ کہ جرح یعنی ایک راوی کو محدث نے ضعیف کہا کسی نے اسے قوی فرمایا۔ بعض تواریخ سے اس کا فسق ثابت ہوا بعض نے فرمایا کہ وہ متقی صالح تھا تو اسے متقی مانا جاوے گا۔ اوراس کی روایت ضعیف نہ ہوگی۔ کیونکہ مومن میں تقویٰ اصل ہے۔

قاعدہ نمبر۹:۔ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا ضعف ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی محدث کسی حدیث کے متعلق یہ فرمادیں کہ یہ صحیح نہیں اس کے معنی یہ نہیں کہ ضعیف ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ حدیث حسن ہو۔ صحیح وضعیف کے درمیان بہت درجے ہیں۔

قاعدہ نمبر۱۰:۔ صحیح حدیث کا دارومدار مسلم بخاری یا صحاح ستہ پر نہیں کو صحیح کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری حدیثیں صحیح ہیں ان کے سوا دوسری کتب کی ساری حدیثیں ضعیف بلکہ صرف مطلب یہ ہے کہ ان میں صحیح حدیثیں زیادہ ہیں۔ ہمارا ایمان حضور محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہے۔ نہ کہ محض بخاری ومسلم وغیرہ پر حضور کی حدیث جہاں سے ملے ہمارے سرآنکھوں پر ہے بخاری میں ہو نہ ہو تعجب ہے غیر مقلدوں پر کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک قرار دیتے ہیں۔ مگر مسلم بخاری پر ایسا ایمان رکھتے ہیں اوران کی ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔

قاعدہ نمبر۱۱:۔ کسی عالم فقیہ کا کسی حدیث کو بغیر اعتراض قبول کرلینا اس حدیث کے قوی ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کوئی فقیہ عالم مجتہد ضعیف حدیث کو قبول فرمادے تو اس سے وہ ضعیف حدیث قوی ہوجاوے گی۔ ولی الدین محمد ابن عبداللہ خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ خطبہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔

وانی اذا اسندت الحدیث الیھم کانی اسندت الی النبی ﷺ۔

ترجمہ: میں نے جب حدیث کو ان محدثین کی طرف منسوب کردیا تو گویا حضور ﷺ کی طرف ہی منسوب کردیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان قواعد سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ان میں کوئی ضعیف نہیں ہوسکتی کہ ان پر امت کا عمل ہے۔ ان کو علماء فقہاء نے قبول فرمالیا ہے ان میں سے ہر حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے۔ فقیر حقیر ان شاءاللہ ہر مسئلہ پر اتنی حدیثیں پیش کرے گا۔ جن سے کوئی حدیث ضعیف نہ کہی جاسکے کیوں کہ اسنادوں کی کثرت ضعیف کو حسن بنادیتی ہے۔ احمد یار خاں۔

قاعدہ نمبر۱۲:۔ اگر حدیث وقرآن میں تعارض نظر آئے تو حدیث کے معنی ایسے کرنے چاہئیں جس سے دونوں میں موافقت ہوجاوے تعارض جاتا رہے ایسے ہی اگر حدیثیں آپس میں مخالف معلوم ہوں تو ان کے ایسے معنے کرنے لازم ہیں کہ مخالف نہ رہے اور سب پر عمل ہوجاوے اس کی مثال یہ ہے رب فرماتا ہے۔

فاقرء وما تیسر من القرآن۔

ترجمہ: جس قدر قرآن مجید آسان ہو نماز میں پڑھ لو۔

(سورہ المزمل آیت نمبر۲۰)

حاشیہ......☆

امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ قاعدہ بالکل واضح ہے اور فقہ واصول فقہ میں مقرر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسی جماعت سے احتجاج کیا جن کے حق میں اوروں سے جرح ثابت تھی جیسے عکرمہ عمرو بن مرزوق اور امام مسلم نے سوید بن سعید اور ایک جماعت سے احتجاج کیا جن میں طعن مشہور تھا۔

(تدریب الراوی ج۱ ص۲۶۱ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لاصلوۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب۔

ترجمہ: جوسورہ فاتحہ نہ پڑھ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری ج ا ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۷۲۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

یہ حدیث اس آیت کی مخالف معلوم ہوتی ہے لہذا حدیث کے معنی یہ کرو کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ مطلقاً قرات نماز میں فرض ہے اور سورہ فاتحہ پڑھنا واجب تعارض اٹھ گیا اور قرآن و حدیث دونوں پر عمل ہو گیا۔ نیز رب فرماتا ہے۔

و اذا قرایٔ القرآن فاستمعوا له و انصتوا۔

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔

(سورہ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴)

لیکن حدیث شریف میں ہے۔

لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔

ترجمہ: جوسورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری ج ا ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۷۲۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

یہ حدیث اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے قرآن مطلقاً خاموشی کا حکم دیتا ہے اور حدیث شریف مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیتی ہے۔ لہذا یہ مانو کہ قرآن کا حکم مطلق ہے اور حدیث شریف کا حکم اکیلے نمازی یا امام کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے امام کا پڑھ لینا کافی ہے کہ یہ اس کی حکمی قرات ہے۔ غرضیکہ یہ قاعدہ نہایت اہم ہے اور اگر کوئی حدیث آیت قرآنی کے یا اپنی سے اوپر والی حدیث کے ایسے مخالف ملے کہ کسی طرح مطابقت ہو ہی نہ سکے تو پھر قرآن کریم یا اس سے اوپر والی حدیث کو ترجیح ہوگی اور یہ حدیث قابل عمل نہ ہوگی۔ یہ حدیث منسوخ مانی جاوے گی۔ یا حضور کی خصوصیت میں سے شمار ہوگی۔ اس کی بہت مثالیں ہیں۔

قاعدہ نمبر ۱۳:۔ حدیث کا ضعیف ہو جانا غیر مقلدوں کے لئے قیامت ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب کا دارومدار ان روایتوں پر ہی ہے۔ روایت ضعیف ہوئی تو ان کا مسئلہ بھی فنا ہو۔ مگر حنفیوں کے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ حنفیوں کے دلائل یہ روایتیں نہیں ان کی دلیل صرف قول امام ہے۔ قول امام کی تائید یہ روایتیں ہیں۔ ہاں امام کی دلیل قرآن و حدیث ہیں۔ مگر امام صاحب کو جب حدیثیں ملیں تو صحیح تھیں کہ ان کی اسنادیں یہ نہ تھیں جو مسلم بخاری کی ہیں اگر پولیس ملزم کو جیل میں دیدے تو پولیس کی دلیل حاکم کا فیصلہ ہے نہ کہ تعزیرات ہند کے دفعات ہاں حاکم کی دلیل یہ دفعات ہیں یہ بات یاد رکھو۔ تقلید اللہ کی رحمت ہے غیر مقلدین رب کا عذاب۔



پہلا باب

کانوں تک ہاتھ اٹھانا

نماز میں تکبیر تحریمہ کے وقت مردوں کو کانوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ مگر وہابی غیر مقلد عورتوں کی طرح کندھوں تک انگوٹھے چھوکر ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے حنفیوں کے دلائل۔ دوسری فصل میں غیر مقلدوں کے اعتراضات و جوابات۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

پہلی فصل

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ہیں جن میں سے ہم چند پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳:۔ بخاری۔ مسلم۔ طحاوی نے مالک ابن حویرث سے روایت کی۔

کان النبی ﷺ اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی اذنیه وفی لفظ حتی یحاذی بهما فروع اذنیه۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کانوں تک اٹھاتے دیگر الفاظ یہ ہیں کہ کانوں کی لو تک اٹھاتے۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۲۹۳ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت وفی نسخہ ج ۱ص ۱۶۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ص ۲۷۹ رقم الحدیث ۸۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۱۲ رقم الحدیث ۲۴۲۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱ص ۴۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۴:۔ ابوداؤد شریف میں حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رایت رسول الله ﷺ اذ افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لایعود۔

ترجمہ: میں نے حضور کو دیکھا کہ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کان کے قریب تک اٹھاتے۔ پھر رفع یدین نہ فرماتے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الدارقطنی ج ۱ص ۲۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حدیث نمبر ۵:۔ مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه رای النبی ﷺ رفع یدیه حین دخل فی الصلوة کبر قال احد الرواة حیال اذنیه ثم التحف بثوبه۔

ترجمہ: انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ حضور جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے۔ ایک راوی نے فرمایا کہ اپنے کانوں کے مقابل پھر کپڑے میں ہاتھ چھپالیتے۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۳۰۱ رقم الحدیث ۴۰۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت وفی نسخہ ج ۱ص ۱۷۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث نمبر ۶ تا ۸:۔ بخاری۔ ابوداؤد۔ نسائی نے حضرت ابوقلابہ سے روایت کی۔

ان مالك ابن حویرث رای النبی ﷺ یرفع یدیه اذا کبروا اذا رفع راسه من الرکوع حتی یبلغ فروع اذنیه۔

ترجمہ: مالک ابن حویرث نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہاتھ شریف اٹھاتے تھے جب تکبیر تحریمہ فرماتے اور جب رکوع سے سر شریف اٹھاتے یہاں تک کہ ہاتھ کانوں کی لو تک پہنچ جاتے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی باب رفع الیدین حیال الاذنین ج ۲ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۸۸۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

حدیث نمبر ۹تا۱۲:۔ امام احمد۔اسحاق ابن راھویہ۔دار قطنی۔طحاوی نے براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

کان رسول اللہ ﷺ اذا صلی رفع یدیہ حتی تکون ابھا ماہ حذاء اذنیہ۔

ترجمہ: جب نبی ﷺ نماز پڑھتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو جاتے۔

(مسند احمد ج ۴ص ۳۰۲ مطبوعہ موسسہ قرطبہ مصر)،(سنن الدارقطنی ج ۱ص ۲۹۳ رقم الحدیث ۱۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)،(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۳تا۱۵:۔ حاکم نے مستدرک میں دار قطنی اور بیہقی نے نہایت صحیح اسناد سے جو بشرط مسلم و بخاری ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

رایت رسول اللہ ﷺ کبر حتی حاذی بابھامیہ اذنیہ۔

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے تکبیر کہی اور اپنے انگوٹھے اپنے کانوں کے مقابل کر دیئے۔

(مستدرک للحاکم ج ۱ص ۳۲۶ مطبوعہ مصر)،(سنن الدارقطنی ج ۱ص ۳۰۰ رقم الحدیث ۱۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)،(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۹۹ رقم الحدیث ۲۴۶۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۶تا۱۷:۔ عبد الرزاق اور طحاوی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

کان النبی ﷺ اذا کبر لافتتاح الصلوۃ رفع یدیہ حتی یکون ابھاماہ قریباً من شمحۃ اذنیہ۔

ترجمہ: جب نبی ﷺ نماز شروع فرمانے کے لئے تکبیر فرماتے تو یہاں تک ہاتھ شریف اٹھاتے کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی گدیہ کے مقابل ہو جاتے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۲ص ۷۰ رقم الحدیث ۲۵۳۰ مطبوعہ کتب الاسلامی بیروت)،(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۸:۔ ابو داؤد نے حضرت وائل ابن حجر سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ رفع یدیہ حتی کانت بحیال منکبیہ وحاذی بابھامیہ اذنیہ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ ہاتھ شریف تو کندھوں کے اور انگوٹھے کانوں کے مقابل ہو گئے۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ص ۱۹۲ رقم الحدیث ۷۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(مسند احمد ج ۴ص ۳۱۶۔۳۱۷ مطبوعہ موسسہ قرطبہ مصر)،(سنن النسائی باب رفع الیدین حیال الاذنین ج ۲ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۸۷۹ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱ص ۴۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۹:۔ دار قطنی نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ رای النبی ﷺ حین افتح رفع یدیہ حتی حاذی بھما اذنیہ ثم لم یعد الی شئی من ذلک حتی فرغ من صلوتہ۔

ترجمہ: انہوں نے حضور کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے یہاں تک کہ انہیں کانوں کے مقابل فرما دیا۔پھر نماز سے فراغت تک ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ص ۲۹۳ رقم الحدیث ۲۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۰:۔ طحاوی شریف نے ابو حمید ساعدی سے روایت کی۔

انہ کان یقول لاصحاب رسول اللہ ﷺ انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ ﷺ کان اذا قام الی الصلوۃ کبر و رفع یدیہ حذاء وجھہ۔

ترجمہ: وہ حضور ﷺ کے صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں آپ جب کھڑے ہوتے نماز میں تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ مبارک چہرے شریف کے مقابل تک اٹھاتے۔

(شرح معانی الآثار باب رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ الی این یبلغ بھا ج ۱ص ۱۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کانوں تک ہاتھ اٹھانے کی اور بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں۔صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتا ہوں۔اگر زیادہ مطلوب ہوں تو کتب احادیث خصوصاً صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرو کہ اس جیسی کتاب حنفی مذہب کی تائید میں احادیث کی جامع آج تک نہ دیکھی گئی۔

عقلی دلائل:۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھائے جائیں کیونکہ نمازی نماز شروع کرتے وقت عبادت میں مشغول ہوتا ہے۔اور دنیاوی جھگڑوں سے بیزار و بے تعلق ہوتا ہے کھانا پینا بولنا ادھر ادھر دیکھنا سب کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔گویا دنیا سے نکل کر عالم بالا کی سیر کرتا ہے۔اور عرف میں جب کسی چیز سے توبہ یا بیزاری کراتے ہیں تو کانوں پر ہاتھ رکھ کر دنیا سے بیزار ہوتا ہے۔ایسے موقعہ پر کندھے پکڑنا بالکل ہی خلاف عقل ہے۔جیسے سجدے میں مسلمان زبان سے تو رب تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا اقرار کرتا ہے اور سر زمین پر رکھ کر اپنے عجز و نیاز کا اظہار ایسے ہی شروع نماز کے وقت ایک جز کا اقرار زبان سے ہے۔دوسری جز کا اظہار عمل ہے۔

حاشیہ......☆

امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ روایت کرتے ہیں۔

عن حميد بن هلال قال حدثني من سمع الاعرابي قال رايت النبي ﷺ يصلي قال فرفع راسه من الركوع ورفع كفيه حتى حاذتا اوبلغتا فروع اذنيه۔ رواه احمد۔

ترجمہ: حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے اس شخص نے حدیث بیان کی جس نے ایک اعرابی سے سنا انہوں نے کہا میں نے حضور ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا آپ نے رکوع سے سر اٹھایا اور کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب رفع الیدین فی الصلاۃ ج ۲ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ روایت کرتے ہیں۔

عن الحكم بن عمير قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا اذا قمتم الى الصلوة فارفعوا ايديكم ولاتخالفوا آذانكم...... رواه الطبراني في الكبير وفيه يحيى بن يعلى الاسلمي وهو ضعيف۔

ترجمہ: حضرت حکم بن عمیر بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں یہ تعلیم دیتے تھے کہ جب تم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ۔اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب رفع الیدین فی الصلاۃ ج ۲ ص ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن ادريس عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة فقلت لانظرن الى صلاة النبي ﷺ قال فكبر ورفع يديه حتى رايت ابهاميه قريبا من اليسرى۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا اور میں نے سوچا کہ میں نبی ﷺ کی نماز کو دیکھوں گا آپ نے اللہ اکبر کہا اور ہاتھ اٹھائے میں نے دیکھا آپ کے انگوٹھے کانوں کے قریب تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۲۴۱۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا جرير عن مغيرة عن ابراهيم قال لايجاوز اذنيه بيديه في الافتتاح۔

ترجمہ: ابراہیم کہتے ہیں کہ تکبیر افتتاح میں کانوں تک ہی ہاتھ اٹھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۲۴۱۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراض وجواب میں

غیر مقلدین کے پاس اس مسئلہ پر دو اعتراض ہیں جو ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔

اعتراض ...... مسلم و بخاری نے حضرت ابوحمید ساعدی سے ایک طویل حدیث نقل کی جس میں الفاظ یہ ہیں۔

اذا کبر جعل یدیہ حذاء منکبیہ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب تکبیر فرماتے تو اپنے ہاتھ مبارک کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

انہی مسلم و بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ نقل کئے۔

ان رسول اللہ ﷺ کان یرفع یدیہ حذو منکبیہ۔

حاشیہ......☆

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عبدالرزاق عن داؤد بن ابراھیم قال رایت وھب بن منبہ اذا کبر فی الصلوۃ رفع یدیہ حتی تکونا حذو اذنیہ۔

ترجمہ: داؤد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ جب نماز میں اللہ اکبر کہتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۶۹ رقم الحدیث ۲۵۲۴ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن اسرائیل عن جابر عن ابی جعفر قال یجاوز اذنیہ بیدیہ فی الافتتاح۔

ترجمہ: ابوجعفر کہتے ہیں کہ رفع یدین کے وقت ہاتھوں کو کانوں سے متجاوز نہ کیا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۲۴۱۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا اسحاق بن منصور وعبیداللہ عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن ابی میسرۃ قال کان اصحابنا اذا افتتحوا الصلوۃ رفعوا ایدیھم الی آذانھم۔

ترجمہ: ابومیسرہ کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب جب رفع یدین کرتے تو کانوں تک ہاتھ اٹھاتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۱ رقم الحدیث ۲۴۱۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابیہ عن ابی حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم انہ قال اذا کبر الرجل فی افتتاح الصلوۃ رفع یدیہ ولم یجاوز بھما اذنیہ۔

ترجمہ: امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب نمازی اللہ اکبر کہہ کہ نماز کو شروع کرے تو کانوں تک ہاتھ اٹھائے۔

(کتاب الآثار ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۰۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: نبی ﷺ اپنے ہاتھ مبارک اپنے کندھوں کے مقابل کرتے تھے۔

(صحیح البخاری باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی مع الافتتاح سواء ج ۱ ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی وفی نسخہ ج ۱ ۷۵ ۲ رقم الحدیث ۷۰۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

یہ حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے معلوم ہوا کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور کانوں تک ہاتھ اٹھانا خلاف سنت۔

جواب:۔ یہ احادیث حنفیوں کے بالکل خلاف نہیں کیونکہ کانوں سے انگوٹھے لگنے میں ہاتھ کندھوں تک ہو جاویں گے۔ اور دونوں حدیثوں پرعمل ہو جاوے گا۔ لیکن کندھوں تک انگوٹھے لگانے میں ان احادیث پرعمل نہ ہو سکے گا۔ جن میں کانوں تک کا ذکر ہے۔ حنفی مذہب دونوں قسم کی حدیثوں پرعمل کرتا ہے۔ وہابی مذہب ایک قسم کی حدیثیں چھوڑ دیتا ہے۔ لہذا حنفی جامع ہیں۔

بلکہ حدیث نمبر ۱۸ میں اس کی تصریح گزر گئی۔ کہ حضور انور ﷺ ہاتھ مبارک ایسے اٹھاتے تھے کہ ہاتھ تو کاندھوں تک ہوتے تھے اور انگوٹھے کانوں تک لہذا نہ احادیث متعارض ہیں نہ ان دونوں حدیثوں کا جمع کرنا مشکل صرف تمہاری سمجھ میں پھیر ہے۔

سارے غیر مقلدوں کو عام اعلان ہے کہ کوئی مرفوع حدیث ایسی دکھاؤ جس میں یہ ہو کہ حضور ﷺ اپنے انگوٹھے کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ جہاں کاندھوں کا ذکر ہے وہاں ہاتھ ارشاد ہوا اور جہاں کانوں کا ذکر ہے وہاں انگوٹھا فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کاندھوں تک ہاتھ اسی طرح اٹھتے تھے کہ انگوٹھے کانوں تک پہنچ جاتے تھے۔

اعتراض ...... کانوں کی جتنی احادیث آپ نے پیش کیں۔ وہ سب ضعیف ہیں۔ لہذا قابل عمل نہیں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ وہابی غیر مقلد اپنی عادت سے مجبور ہیں کہ اپنے مخالف حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کہہ دیتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ ہم نے اسی سلسلہ میں مسلم و بخاری کی احادیث بھی پیش کی ہیں۔ جن پر تمہارا پختہ ایمان ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ ضعیف حدیث جب کئی اسنادوں سے منقول ہو تو قوی اور حسن بن جاتی ہے۔ کمزور تنکے مل کر مضبوط رسی بن جاتے ہیں۔ تو کمزور اسنادیں متن حدیث کو قوی کیسے نہ کریں گی۔ دیکھو اسی کتاب کا مقدمہ۔

(۴) چوتھے یہ کہ ان احادیث پر امت کے علماء اولیاء صالحین نے عمل کیا ہے۔ امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

(۵) پانچویں یہ کہ اگر یہ احادیث ضعیف بھی ہوں تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسی ہستی کا اسے قبول کرنا ہی قوی بنا دے گا۔ کیونکہ عالم صالح کا قبول کر لینا ضعیف حدیث کو قوی کر دیتا ہے۔

(۶) چھٹے یہ کہ آپ کا ان احادیث کو ضعیف کہہ دینا جرح مجہول ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں وجہ ضعف نہ بتائی گئی کہ کیوں ضعیف ہے۔

(۷) ساتویں یہ کہ اگر محدثین کو یہ احادیث ضعیف ہو کر ملیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس کا اثر نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے وقت میں ضعیف راوی اسنادوں میں شامل ہی نہیں ہوئے تھے۔ بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں وہابیوں کے اس مایہ ناز اعتراض کے ٹکڑے اڑ گئے۔ الحمد للہ رب العالمین۔



دوسرا باب

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے

غیر مقلدین وہابی نماز میں سینے پر یعنی ناف کے اوپر ہاتھ باندھتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل۔ دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل

نماز میں مرد کو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں ہم صرف چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

حدیث نمبر (۱):۔

عن وائل ابن حجر قال راء یت رسول اللہ ﷺ وضع یمینه علی شماله تحت السرة۔ رواہ ابن ابی شیبة بسند صحیح ورجاله ثقات۔

ترجمہ: حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ناف کے نیچے یہ حدیث ابن ابی شیبہ نے صحیح اسناد سے نقل کی۔ اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر (۲):۔ ابن شاہین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ثلث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور ووضع الکف علی الکف تحت السرة۔

ترجمہ: تین چیزیں نبوت کی عادات سے ہیں۔ افطار میں جلدی کرنا۔ سحری دیر کرنا۔ نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا۔

(الجوہر النقی عن انس ج ۲ ص ۳۲ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حدیث نمبر (۳):۔ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال ابو وائل اخذ الکف علی الکف فی الصلوة تحت السرة۔

ترجمہ: ابووائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا چاہئیے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث نمبر (٤ تا ٥):۔ دارقطنی اور عبداللہ ابن احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان من السنة فی الصلوة وضع الکف وفی روایة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ پر ہاتھ رکھنا اور ایک روایت میں ہے داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ناف کے نیچے سنت ہے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۱ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر (٦ تا ٩):۔ ابوداؤد شریف نسخہ ابن اعرابی۔ احمد۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان قال السنة وضع الکف علی الکف تحت السرة۔

ترجمہ: ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا سنت ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۱ص ۱۱۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الدارقطنی ج ۱ص ۲۸۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۶۸ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر (۱۰):۔ رزین نے حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان علیاً قال السنة وضع الکف فی الصلوة ویضعهما تحت السرة۔

ترجمہ: نماز میں ہاتھ باندھنا سنت ہے۔اور دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۳۱ رقم الحدیث ۲۱۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر (۱۱):۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار شریف میں امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

انه کان یضع یده الیمنی علی یده الیسری تحت السرة۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری ج ۲ص ۳۸۵ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر (۱۲):۔ امام ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال یضع یمینه علی شماله تحت السرة۔

ترجمہ: آپ اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر (۱۳):۔ ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه قال من اخلاق النبوة وضع الیمین علی الشمال تحت السرة۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھنا نبوت کے اخلاق میں سے ہے۔

(المحلی لابن حزم ج ۲ص ۳۰)، (خلافیات للبیہقی ص ۳۷ مطبوعہ مکتبہ ظاہریہ دمشق شام)

حدیث نمبر (۱۴):۔ ابوبکر ابن ابی شیبہ نے حجاج ابن حسان سے روایت کی۔

قال سمعت ابا مجلز وسالته قلته کیف یضع قال یضع باطن کف یمینه علی ظاهر کف شماله ویجعلهما اسفل من السرة۔ اسناد جید ورواته کلهم ثقات۔

ترجمہ: میں نے ابومجلز سے پوچھا کہ نماز میں ہاتھ کیسے رکھے آپ نے فرمایا کہ اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے ناف کے نیچے۔اس کی اسناد بہت قوی ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۳۹۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

اس کے متعلق اور بہت حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں۔صرف چودہ پر قناعت کرتا ہوں۔اس کی تحقیق دیکھو۔صحیح البہاری اور فتح القدیر میں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھے۔کیونکہ غلام آقا کے سامنے ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں۔اس میں انتہائی ادب ہے۔نماز میں چونکہ بندہ رب کی بارگاہ میں حاضری دیتا ہے۔لہذا ادب سے کھڑا ہونا چاہیے۔غیر مقلد جب نماز میں کھڑے ہوتے

ہیں تو پتہ نہیں لگتا کہ مسجد میں کھڑے ہیں یا اکھاڑے میں۔ نیاز مندی کے لئے کھڑے ہیں یا کشتی لڑنے خم ٹھونک کر۔

اللہ کے بندو جب رکوع میں ادب کا اظہار سجدہ میں ادب۔ التحیات میں ادب اور نیاز مندی کا لحاظ ہے تو قیام میں اکڑ کر خم ٹھونک کر بے ادبی سے پہلوانوں کی طرح کیوں کھڑے ہوتے ہو۔ یہاں بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر غلاموں کی طرح کھڑے ہو۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے غیر مقلدوں کے پاس ایک مرفوع صحیح حدیث مسلم بخاری کی نہیں۔ جس میں مردوں کو سینے پر ہاتھ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو۔

دوسری فصل......اس پر اعتراضات و جوابات میں

اعتراض نمبر ۱:۔ ابوداؤد شریف میں ابن جریر ضبی نے اپنے والد سے روایت کی۔

قال راء يت عليا يمسك شماله بيمينه على الرسغ فوق السرة۔

ترجمہ: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے کلائی پر پکڑا ناف کے اوپر۔

(سنن ابوداؤد ج اص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آپ نے ابوداؤد شریف کی یہ حدیث پوری نہیں لکھی۔ اس کے بعد مفصل یہ ہے۔ (نسخہ ابن اعرابی)۔

قال ابو داؤد روی عنہ سعید ابن جبیر فوق السرۃ وقال ابو جلاد تحت السرۃ وروی عن ابی ہریرۃ ولیس بالقوی۔

ترجمہ: ابوداؤد نے فرمایا کہ سعید ابن جبیر سے ناف کے اوپر کی روایت ہے۔ ابوجلاد نے ناف کے نیچے کی روایت کی۔ ابی ہریرہ سے بھی یہ روایت ہے مگر یہ کچھ قوی نہیں۔

(سنن ابوداؤد ج اص ۲۰۱ رقم الحدیث ۷۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نوٹ ضروری:۔ زیر ناف یا ناف کے اوپر ہاتھ باندھنے کی احادیث مروجہ ابوداؤد کی نسخوں میں نہیں ابن اعرابی والے ابوداؤد کے نسخوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے اسی نسخے سے فتح القدیر اور صحیح البہاری نے روایات کیں۔

بہرحال آپ کی پیش کردہ ابوداؤد کی حدیث میں تعارض واقع ہو گیا اور ان تمام متعارضہ روایتوں کو خود ابوداؤد نے ضعیف فرمایا تعجب ہے کہ آپ ابوداؤد کی ضعیف حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جب حدیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زیر ناف والی احادیث قابل عمل ہوں۔ کیونکہ سجدہ۔ رکوع۔ التحیات کی نشست سب میں ادب ملحوظ ہے تو چاہیئے کہ قیام میں بھی ادب ہی کا لحاظ رہے۔ زیر ناف ہاتھ باندھنا ادب ہے سینے پر ہاتھ رکھنا بے ادبی گویا کسی کو کشتی کی دعوت دینا ہے رب کو زور نہ دکھاؤ وہاں زاری کرو۔

اعتراض نمبر ۲:۔ آپ کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں اور ضعیف سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔

جواب:۔ ضعیف ضعیف کی رٹ لگانا آپ بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے سات جواب ہم باب اول کی دوسری فصل میں دے چکے ہیں۔ کہ جو روایت چند اسنادوں سے مروی ہو جاوے وہ ضعیف نہیں رہتی۔ ہم نے دس اسنادیں پیش کی ہیں۔ نیز امت کے عمل سے ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ نیز امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر امام کے قبول فرما لینے سے ان کا ضعف جاتا رہا۔ نیز ان میں اگر ضعف ہے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد پیدا ہوا بعد کا ضعف امام اعظم رضی اللہ عنہ کو مضر کیوں ہوگا۔ وغیرہ۔

لطیفہ:۔ ہم نے چھ رمضان المبارک دوشنبہ کو حافظ الٰہی بخش صاحب ساکنہ جال پور گجرات کو فخر اہل حدیث مولانا حافظ عنایت اللہ

صاحب مقیم گجرات کی خدمت عریضہ دے کر بھیجا۔ جس میں ان سے درخواست کی کہ براہ مہربانی سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث مع حوالہ تحریر فرما کر ارسال فرمائیے۔ ہمارا خیال تھا کہ چونکہ حافظ مولانا عنایت اللہ صاحب اہل حدیث کے چوٹی کے مایہ ناز عالم ہیں وہ ضرور مسلم و بخاری یا صحاح ستہ سے اس کے متعلق بے شمار احادیث نقل فرما کر بھیجیں گے۔ جو آج تک ہم نے دیکھی بھی نہ ہوں گی۔ مگر مولانا موصوف کی طرف سے جو جواب آیا وہ سنیے اور سر دھنیے۔ ایک انچ پرچہ پر ایک سطر لکھی تھی۔ جس میں یہ تھا۔

بلوغ المرام صفحہ ۲۱۔

عن وائل ابن حجر انه قال صليت مع النبی ﷺ فوضع يده اليمنی علی يده اليسری علی صدره۔

ترجمہ: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا داہنا ہاتھ مبارک بائیں ہاتھ مبارک پر اپنے سینہ پر رکھا۔☆

اور مولانا موصوف نے زبانی یہ ارشاد کہلا کر بھیجا کہ تفسیر قادری اردو میں بھی لکھا ہے کہ **فصل لربك وانحر** (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۸ آیت نمبر ۲) کے معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیں اور نحر یعنی سینے پر نماز میں ہاتھ رکھیں۔

یہ جواب سن دیکھ کر اور سن کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ہمیں صرف یہ افسوس ہے کہ یہ اکابر جو ہم سے ہر مسئلہ میں مسلم بخاری کی حدیث کی مطالبہ فرماتے ہیں اور صحاح ستہ سے باہر نہیں نکلنے دیتے اور جب اپنی باری آتی ہے تو ایسی روایت پر قناعت فرماتے ہیں جس کا سر نہ پاؤں نہ کوئی اس کی سند نہ کسی مستند کتاب کا حوالہ حافظ الٰہی بخش نے ہمیں بتایا کہ بلوغ المرام کوئی تیس چالیس ورق کا رسالہ ہے۔ جس میں سے یہ حدیث مولوی صاحب نے نقل فرمادی۔ اگر کسی مسئلہ پر ہم ایسے رسالہ سے کوئی حدیث نقل کرتے تو قیامت آجاتی بخاری مسلم کا مطالبہ ہوتا۔

اول تو پتہ نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ضعیف ہے یا کیسی ہے۔ اگر مان لو کہ حدیث صحیح ہے تو حدیث میں یہ بھی ذکر نہیں کہ حضور نے نماز میں سینے پر ہاتھ رکھا بلکہ فوضع کی ت عاطفہ تعقیبیہ سے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کسی حاجت سے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھے رب فرماتا ہے۔

فاذا طعمتم فانتشروا۔

ترجمہ: جب تم کھانا کھاؤ تو چلے جاؤ۔

(پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۵۳)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانے کے دوران میں روٹی ہاتھ میں لے چلے جاؤ۔ اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہ ہوگی۔ پھر اس حدیث میں اس کا طریقہ مذکور نہ ہوا کہ آیا عورتوں کی طرح سینے پر ہاتھ رکھے یا پہلوانوں کی طرح لہذا حدیث مجمل ہے۔ قابل عمل نہیں۔

حاشیہ......☆

☆ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں مؤمل بن اسماعیل ہے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

رواه الجماعة عن الثوری لم يذكر واحد منهم علی صدره غير مومل بن اسماعيل۔

ترجمہ: یعنی ایک جماعت نے امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت کو بیان کیا ہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی "علی صدرہ" کے لفظ سوائے مومل بن اسماعیل کے ذکر نہیں کیے۔

آیت کریمہ کے متعلق صرف یہ گزارش ہے کہ ذکر کے یا چھوتے معنی نہ کسی مرفوع صحیح حدیث میں آئے نہ جمہور مفسرین نے بیان فرمائے۔ سب یہ ہی معنی کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو اور حوالہ کیسی بڑی معتبر تفسیر کا دیا۔ تفسیر قادری اردو جل جلالہ، اگر بفرض محال مان لو تو تمام اہل حدیث حضرات کو چاہئے کہ اب سے نماز میں بجائے سینے کے گلے پر ہاتھ رکھا کریں کیونکہ نحر گلے کے آخری حصے کو کہتے ہیں۔ جو سینے سے متصل اوپر کی جانب سے قربانی کو نحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح کے وقت جانور کا گلا چیرا جاتا ہے۔ نہ کہ سینہ۔ لہذا اب ان بزرگوں کو ترقی کر کے سینے سے اوپر گلا پکڑنا چاہئے۔

بہر حال ہم کو مولانا موصوف کے اس جواب پر سخت افسوس ہوا۔ اور ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان بزرگوں کے پاس سینے پر ہاتھ رکھنے کی کوئی حدیث مسلم بخاری یا صحاح ستہ کی موجود نہیں ان بچاروں کو صحاح ستہ کی حدیث صحیحہ کیا ملتی۔ اس کے بارے میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف یہ فرمایا۔

و رای بعضهم ان یضعهما فوق السرة ورای بعضهم ان یضعهما تحت السرة و کل ذالك واسع عندهم۔

ترجمہ: بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھے بعض کی رائے یہ ہے کہ ناف کے نیچے رکھے ان میں سے ہر ایک جائز ہے ان کے نزدیک۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۲ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کو سینے پر ہاتھ باندھنے کی کوئی حدیث ملتی تو ضرور نقل فرماتے۔ صرف علماء کی رائے کا ذکر نہ فرماتے۔

حاشیہ......☆

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

مومل بن اسماعیل صدوق وقال البخاری منکر الحدیث۔

ترجمہ: مومل بن اسماعیل سچا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ منکر الحدیث ہے۔

(معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم ص ۱۸۰ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

غیر مقلد عبد الرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں۔

قلت سلمنا ان مومل بن اسماعیل ضعیف وروایۃ البیهقی هذه ضعیفة۔

ترجمہ: یعنی میں کہتا ہوں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مومل بن اسماعیل ضعیف ہے اور امام بیہقی کی یہ روایت جس میں یہ راوی ہے ضعیف ہے۔

(ابکار المنن ص ۱۰۹ الجامعہ سلفیہ لائلپور)

امام حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقال ابو حاتم صدوق شدید فی السنة کثیر الخطاء وقال البخاری منکر الحدیث۔

(تہذیب الکمال ج ۲۹ ص ۱۷۸ برقم ۶۳۱۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۳۹ برقم ۶۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)



تیسرا باب

نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھنا

سنت یہ ہے کہ نماز سورہ فاتحہ کے اول بسم اللہ شریف آہستہ پڑھے۔ الحمد للہ سے قراۃ شروع کرے۔ مگر غیر مقلد وہابی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں۔ جو بالکل خلاف سنت ہے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھنے کے متعلق بہت احادیث شریفہ ہیں جن میں سے یہاں چند پیش کی جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳:۔ مسلم و بخاری و امام احمد نے حضرت انس سے روایت کی۔

قال صليت خلف رسول الله ﷺ وخلف ابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم يقراء بسم الله الرحمن الرحيم۔

ترجمہ: میں نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں سے کسی کو نہ سنا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۱۷۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۲۴۹ رقم الحدیث ۴۹۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد ج ۳ص ۱۷۶ رقم الحدیث ۱۲۸۳۳ مطبوعہ موسسہ قرطبہ مصر)

حدیث نمبر ٤:۔ مسلم شریف نے حضرت انس سے روایت کی۔

وعن انس ان النبى ﷺ وابا بكر وعمر كانوا يفتحون الصلوة بالحمدلله رب العلمين۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے قراۃ شروع فرماتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ۱ص ۱۰۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مسند احمد ج ۳ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۱۲۱۵۶ مطبوعہ موسسہ قرطبہ مصر)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۵ تا ۷:۔ نسائی۔ ابن حبان۔ طحاوی شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت خلف النبى ﷺ وابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع احداً منهم يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم۔

ترجمہ: میں نے نبی ﷺ ابوبکر و عمر و عثمان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ ان حضرات میں سے کسی کو بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے نہ سنا۔ رضی اللہ عنہم۔

(سنن نسائی ج ۲ص ۱۳۵ رقم الحدیث ۹۰۷ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ص ۳۱۵ رقم الحدیث ۹۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۵ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۱۷۹۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۲۴۹ رقم الحدیث ۴۹۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۸ تا ۱۱:۔ طبرانی نے معجم کبیر میں ابونعیم نے حلیہ میں ابن خذیمہ اور طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبى ﷺ وابابكر وعمر وعثمان كانوا يستفتحون القراء ة بالحمدلله رب العالمين۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۵۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف عبد الرزاق باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج ۲ص ۸۸ رقم الحدیث ۲۵۹۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۴:۔ ابوداؤد۔ دارمی۔ طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبى ﷺ وابابكر وعمر و عثمان كانوا يستفتحون القراء ة بالحمدلله رب العالمين۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ اور ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ رب العالمین سے قراۃ شروع فرماتے تھے۔

(سنن ابوداؤد باب من لم یر الجہر ببسم اللہ الرحمن الرحیم ج ۱ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۷۸۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدارمی ج ۱ ص ۳۱۱ رقم الحدیث ۱۲۴۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۵:۔ مسلم شریف نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ وابابکر وعمر وعثمان کانوا یستفتحون القراء ۃ بالحمدللہ رب العالمین لایذکرون بسم اللہ الرحمن الرحیم فی اول القراء ۃ ولا فی اخرھا۔

ترجمہ: یقیناً نبی ﷺ و ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم الحمد للہ سے قراۃ شروع فرماتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ قراۃ کے شروع میں ذکر کرتے تھے نہ قراۃ کے آخر میں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۵۰ رقم الحدیث ۲۲۴۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۶:۔ ابن ابی شیبہ نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن ابن مسعود انہ کان یخفی بسم اللہ الرحمن الرحیم والاستعاذۃ وربنا لک الحمد۔

ترجمہ: عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اعوذ باللہ اور ربنا لک الحمد آہستہ پڑھا کرتے تھے۔

(جامع الرضوی المعروف بصحیح البہاری ج ۲ ص ۷۸ ۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۷:۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال اربع یخفیھن الامام بسم اللہ الرحمن الرحیم وسبحانک اللھم والتعوذ وامین۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو امام آہستہ پڑھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سبحانک اللھم۔ اعوذ باللہ۔ اور آمین۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷ رقم الحدیث ۲۵۹۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (کنز العمال ج ۸ ص ۲۷۴ رقم الحدیث ۲۲۸۹۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث نمبر ۱۸ تا ۱۹:۔ مسلم ابوداؤد شریف نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ ﷺ یستفتح الصلوۃ بالتکبیر والقراۃ بالحمدللہ رب العالمین۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز تکبیر سے شروع فرماتے تھے۔ اور قراۃ الحمد للہ سے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج ۲ ص ۸۹ رقم الحدیث ۲۶۰۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حدیث نمبر ۲۰:۔ عبدالرزاق نے ابوفاختہ سے روایت کی۔

ان علیاً کان لایجھر بسم اللہ الرحمن الرحیم و کان یجھر بالحمدللہ رب العالمین۔

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ بسم اللہ اونچی آواز سے نہ پڑھتے تھے الحمد للہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج ۲ ص ۸۸ رقم الحدیث ۲۶۰۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

اس کے متعلق اور بہت سی احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر ہم یہاں صرف بیس حدیثوں پر کفایت کرتے ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھی جاوے۔ کیونکہ سورتوں کے اول میں جو بسم اللہ لکھی ہوئی ہے وہ ان سورتوں کا جز نہیں۔ فقط سورتوں میں فصل کرنے کے لئے لکھی گئی۔ اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ جو اچھا کام بسم اللہ سے شروع نہ ہو تو ناقص ہے تو جیسے برکت کے لئے نمازی قراۃ سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں۔ مگر آہستہ کیونکہ اعوذ سورۃ کا جز نہیں۔ ایسے ہی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھے۔ مگر آہستہ کیونکہ یہ بھی ہر سورۃ کا جز نہیں۔ ہاں سورہ نمل شریف میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ جز ہے۔ امام وہاں بلند آواز سے پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں کی آیت ہے۔ غرضیکہ امام صرف قرآن کریم کو آواز سے پڑھے جو بسم اللہ سورۃ کے اول میں ہے۔ وہ سورۃ کا جز

نہیں۔لہذا آہستہ پڑھنی چاہئیے۔

دوسری فصل ......اس پر اعتراضات وجوابات

اعتراض نمبر۱:۔ چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورۃ کا جز ہے۔اگر جز نہ ہوتی تو قرآن میں لکھی نہ جاتی۔قرآن کریم میں صرف آیات قرآنیہ لکھی گئیں۔غیر قرآن نہ لکھا گیا۔لہذا جیسے اور آیتیں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں۔ویسے ہی بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھنی چاہئیے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ بسم اللہ ہر سورۃ کا جز نہیں کیونکہ ہر سورۃ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی۔چنانچہ شروع بخاری شریف باب کیف کان بدء الوحی میں سب سے پہلی وحی کے متعلق روایت کی ہے۔کہ جبریل آمین نے حضور کی خدمت میں عرض کیا اقراء پڑھو حضور ﷺ نے فرمایا۔ما انا بقاری میں پڑھنے والا نہیں پھر عرض کیا اقراء حضور ﷺ نے پھر وہ ہی جواب دیا۔آخر میں عرض کیا۔اقراء باسم ربک الذی خلق الخ غرضیکہ پہلی وحی یہ ہے۔جس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ شریف نازل نہیں ہوئی دوسرے یہ کہ اگر بسم اللہ ہر سورۃ کا جز وہوتی تو سورۃ کے اوپر علیحدہ کر کے لیے حروف سے نہ لکھی جاتی بلکہ جیسے اور آیتیں ملی ہوئی لکھی گئی ہیں۔ایسے ہی بسم اللہ تمام آیتوں کے ساتھ لکھی جاتی۔دیکھو سورۃ نمل شریف میں بسم اللہ سورۃ کا جز ہے تو وہاں علیحدہ امتیازی شکل میں نہ لکھی گئی بلکہ تمام آیات کے ساتھ تحریر ہوئی۔معلوم ہوا کہ سورتوں کے اول میں بسم اللہ کا امتیازی شکل میں علیحدہ لکھنا فاصلہ کے لئے ہے۔

اعتراض نمبر۲:۔ طحاوی شریف میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ کان یصلی فی بیتها فیقرأ بسم الله الرحمن الرحیم الحمدلله۔

ترجمہ: نبی ﷺ میرے گھر میں نماز پڑھتے تھے۔تو پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ۔

(شرح معانی الآثار ج۱ص۱۹۹مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نماز میں بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے۔ورنہ ام سلمہ کیسے سن لیتیں۔

جواب:۔ اس حدیث میں آواز کا ذکر نہیں۔صرف بسم اللہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھے۔مگر آہستہ پڑھے ظاہر یہ ہی ہے کہ حضور ﷺ اس موقع پر آہستہ ہی پڑھتے تھے۔یہ نماز جو حضور ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پڑھتے تھے۔فرض نماز نہ تھی۔نفل تھی۔فرض تو مسجد میں جماعت سے پڑھتے تھے نفل میں قراۃ قرآن آہستہ ہوتی ہے۔لہذا یہاں بسم اللہ بھی آہستہ تھی اور الحمد للہ بھی آہستہ۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس موقعہ پر حضور ﷺ کے قریب ہوتی تھیں۔اس لئے حضور ﷺ کی آہستہ آواز شریف سن لیتی تھیں آہستہ قراۃ میں بھی اتنی آواز چاہئیے کہ برابر والا سن لے ورنہ وہ قراۃ نہ ہوگی تفکر ہوگا لہذا اس حدیث سے آپ کا مدعی ہونا ثابت نہیں۔

اعتراض نمبر۳:۔ ترمذی شریف میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: حضور ﷺ اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔

(سنن الترمذی ج۲ص۱۴مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ افسوس ہے کہ آپ نے ترمذی کا یہ مقام آگے نہ دیکھا فرماتے ہیں۔

من الحدیث لیس اسنادہ بذاك۔

ترجمہ: یہ ایسی حدیث ہے جس کی اسناد کچھ بھی نہیں۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

افسوس ہے کہ ہماری پیش کردہ حدیثوں کو بلاوجہ ضعیف کر کے رد کرتے ہو اور خود ایسی حدیث پیش کر رہے ہو۔ جس کا سر انہ پتہ دوسرے یہ کہ اگر اس حدیث کو صحیح مان بھی لو تو بھی اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ صرف یہ کہ نماز بسم اللہ سے شروع فرماتے تھے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنی چاہئیے۔ مگر آہستہ تیسرے یہ کہ ہوسکتا ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہوں کیونکہ صلوٰۃ فرمایانہ کہ قراۃ۔

اعتراض نمبر ٤:۔ طحاوی شریف نے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابزی سے روایت کی۔

صلیت خلف عمر فجهر ببسم الله الرحمن الرحیم و كان یجهر ابی ببسم الله الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی آپ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھی میرے والد بھی بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسم اللہ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمام ان مشہور احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلے فصل میں ذکر کر چکے ہیں۔ جن میں بخاری مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں۔ جن سے بہت قوت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت خلفاء راشدین الحمد للہ سے قراۃ شروع کرتے تھے۔ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ لہذا یہ حدیث شاذ ہے اور احادیث مشہورہ کے مقابل حدیث شاذ قابل عمل نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے اندر سبحان پڑھنے کے بعد الحمد سے پہلے بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتے تھے اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز ختم فرما کر دعا سے پہلے برکت کے لئے بسم اللہ شریف پڑھتے تھے۔ پھر دعا فرماتے تھے اس صورت میں یہ حدیث ہماری پیش کردہ احادیث کے خلاف نہیں جہاں تک ہوسکے احادیث میں مطابقت کرنی چاہئیے۔ تیسرے یہ کہ سورۃ سے پہلے بسم اللہ کا اونچی آواز سے پڑھنا اس لئے ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے اور سورۃ کا جز ہونا قطعی یقینی حدیث سے ہوسکتا ہے نہ کہ حدیث واحد سے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث خبر واحد ہے جو یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں افسوس یہ ہے کہ ہم آہستہ بسم اللہ کے لئے بخاری و مسلم کی روایات پیش کریں۔ اور آپ اس کے مقابل طحاوی شریف کی آڑ لیں۔ حالانکہ طحاوی شریف پر آپ کا اعتماد نہیں۔

☆............☆

چوتھا باب

امام کے پیچھے مقتدی قراءت نہ کرے

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن شریف پڑھنا سخت منع ہے مگر غیر مقلد وہابی مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض جانتے ہیں۔اس ممانعت پر قرآن کریم احادیث شریفہ۔اقوال صحابہ کبار عقلی دلائل بے شمار ہیں۔لہذا ہم اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں۔پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت اور دوسری فصل میں اسی پر سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل

امام کے پیچھے مقتدی کو قرآن کی تلاوت کرنا منع ہے۔خاموش رہنا ضروری ہے دلائل ملاحظہ ہوں قرآن شریف فرماتا ہے۔

واذا قری ء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون۔

ترجمہ: اور جب قرآن شریف پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ رحم کئے جاؤ۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴)

خیال رہے کہ شروع میں اسلام میں نماز میں دنیاوی بات چیت بھی جائز تھی اور مقتدی قرات بھی کرتے تھے۔بات چیت تو اس آیت سے منسوخ ہوئی۔

وقوموا لله قنتین۔

ترجمہ: اور کھڑے ہو اللہ کے لئے اطاعت کرتے ہوئے (خاموش)

(پارہ ۲ سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۳۸)

چنانچہ مسلم نے باب **تحریم الکلام فی الصلوۃ** اور بخاری نے باب **مانیھی من الکلام فی الصلوۃ** میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کنا نتکلم فی الصلوۃ یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوۃ حتی نزلت وقوموا لله قنتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام۔ (لفظ للمسلم)

ترجمہ: ہم لوگ نماز میں باتیں کرلیا کرتے تھے ہرایک اپنے ساتھی سے نماز کی حالت میں گفتگو کر لیتا تھا۔یہاں تک کہ یہ آیت اتری وقوموا للہ الخ۔پس ہم کو حکم دیا گیا خاموش رہنے کا اور کلام سے منع فرما دیا گیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر نماز میں کلام تو منع ہو گیا۔مگر تلاوت قرآن مقتدی کرتے تھے۔جب یہ آیت اتری تو مقتدی کو تلاوت بھی ممنوع ہوگئی۔

و اذا قری القرآن فاستمعوا الخ۔

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جاوے تو غور سے سنو اور چپ رہو۔

(سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴)

چنانچہ تفسیر مدارک شریف میں اسی آیت **واذا قری ء** کی تفسیر میں ہے۔

وجمهور الصحابة علی انه فی استماع الموتم۔

ترجمہ: عام صحابہ کرام کا فرمان یہ ہے کہ یہ آیت مقتدی کے قراۃ امام سننے کے متعلق ہے۔
(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۴۵۸ مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنۃ پشاور)

تفسیر خازن میں اسی آیت واذا قری ء کی تفسیر میں ایک روایت یہ نقل فرمائی۔

وعن ابن مسعود انه سمع ناسا يقرء ون مع الامام فلما انصرف قال اما ان لكم ان تفقهوا واذا قرى ء القرآن۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بعض لوگوں کو امام کے ساتھ قرآن پڑھتے سنا۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ابھی تک یہ وقت نہ آیا کہ تم اس آیت کو سمجھو اذا قری ء القرآن الخ۔
(تفسیر خازن ج ۲ ص مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس شریف میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔

واذا قرى ء القرآن فى الصلوة المكتوبة فاستمعوا له الى قراء ته وانصتو القراء ته۔

ترجمہ: جب فرض نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کی قرات کو کان لگا کر سنو اور قرآن پڑھے جاتے وقت خاموش رہو۔
(تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس ص ۱۸۷ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اول اسلام میں امام کے پیچھے مقتدی قرات کرتے تھے اس آیت مذکورہ کے نزول کے بعد امام کے پیچھے قراۃ منسوخ ہوگئی اب احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱:۔ مسلم شریف باب سجود التلاوۃ میں عطاء ابن یسار سے مروی ہے۔

انه سال زيد بن ثابت رضى الله عنه عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام فى شئى۔

ترجمہ: انہوں نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی سے امام کے ساتھ قراۃ کرنے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ امام کے ساتھ بالکل قراۃ جائز نہیں۔
(صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ باب سجود التلاوۃ ج ۱ ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۵۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک السجود فی النجم ج ۲ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۹۶۰ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبری للنسائی ج ۱ ص ۳۳۱ رقم الحدیث ۱۰۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند ابوعوانہ ج ۱ ص ۵۲۲ رقم الحدیث ۱۹۵۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۲۷۳۸ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۲:۔ مسلم شریف باب التشہد میں ہے۔

فقال له ابو بكر فحديث ابى هريرة فقال هو صحيح يعنى واذا قرى ء فانصتوا۔

ترجمہ: ابوبکر نے سلمان سے پوچھا کہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث کیسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ بالکل صحیح ہے یعنی یہ حدیث کہ جب امام قرات کرے تو تم خاموش رہو بالکل صحیح ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب التشہد فی الصلاۃ ج ۱ ص ۳۰۴ رقم الحدیث ۴۰۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۲۷۰۹ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۳:۔ ترمذی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

من صلى ركعة لم يقرء فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام هذا حديث حسن صحيح۔

ترجمہ: جو کوئی نماز پڑھے اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس نے نماز ہی نہ پڑھی مگر یہ کہ امام کے پیچھے ہو (یعنی تب نہ پڑھے) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقراءۃ ج ۱ ص ۳۴۶۔۳۴۷ رقم الحدیث ۳۱۲۔۱۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی القرآن ج ۱ ص ۸۴ رقم الحدیث ۱۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۲۷۴۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۱۷ رقم الحدیث ۳۶۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۷۲۵ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر٤:۔ نسائی شریف میں حضرت ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا......۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو۔

(سنن نسائی باب تاویل قول عزوجل واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون ج ۲ ص ۱۴۱ رقم الحدیث ۹۲۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

ہم حدیث نمبر۲ میں مسلم شریف کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث صحیح ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب التشھد فی الصلاۃ ج ۱ ص ۳۰۴ رقم الحدیث ۴۰۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۲۷۰۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر۵:۔ طحاوی شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔

ترجمہ: جس کا کوئی امام ہو تو امام کی تلاوت اس کی تلاوت ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر٦تا۱۰:۔ امام محمد نے موطا شریف میں امام ابوحنیفہ عن موسیٰ ابن ابی عائشہ عن عبداللہ ابن شداد عن جابر ابن عبداللہ سے روایت کی ہے۔

ان النبی ﷺ قال من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ قال محمد ابن منیع وابن الھمام ھذا الاسناد صحیح علی شرط الشیخین۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کا امام ہو تو امام کی تلاوت اوس کی تلاوت ہے محمد ابن منیع اور امام ابن ہمام نے فرمایا کہ یہ اسناد صحیح ہے۔ اور مسلم اور بخاری کی شرط پر ہے۔

(مؤطاء امام محمد باب القراءۃ فی الصلاۃ خلف الامام ص ۹۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (جامع المسانید لابی حنیفۃ للخوارزمی ج ۱ ص ۲۳۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۳۲۰ رقم الحدیث ۱۰۵۰ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (طبرانی الاوسط ج ۸ ص ۴۳ رقم الحدیث ۷۹۰۳ مطبوعہ مکتبۃ المعارف الریاض)

یہ حدیث امام احمد۔ ابن ماجہ۔ دار قطنی۔ بیہقی نے بھی روایت کی۔ (صحیح البہاری)

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۹ رقم الحدیث ۱۴۶۸۴ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۲۵ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۸۵۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۲۷۲۵ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر۱۱:۔ طحاوی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صلی رسول اللہ ﷺ ثم اقبل بوجھہ فقال اتقرء ون الامام یقرء فسکتوا فسالھم ثلثاً فقالوا انا لنفعل قال فلا تفعلوا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور ﷺ نے نماز پڑھائی پھر صحابہ پر متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کہ کیا امام کی قراۃ کی حالت میں تم تلاوت کرتے ہو۔ صحابہ خاموش رہے حضور ﷺ نے تین بار یہ سوال فرمایا تو صحابہ نے عرض کیا ہاں فرمایا آئندہ ایسا نہ کرنا۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر۱۲:۔ طحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

من قرء خلف الامام فلیس علی فطرۃ۔

ترجمہ: جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ دین فطرت پر نہیں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۲۸۰۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۳۷۸۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر۱۳:۔ دارقطنی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ قال قال رجل للنبی ﷺ اقرء خلف الامام او انصت قال بل انصت فانہ یکفیک۔

ترجمہ: ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میں امام کے پیچھے تلاوت کروں یا خاموش رہوں فرمایا خاموش رہو۔امام تیرے لئے کافی ہے۔

(سنن دارقطنی ج۱ص۳۳۰مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حدیث نمبر۱۴:۔ دارقطنی نے حضرت شعبی سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال لاقراءۃ خلف الامام۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت جائز نہیں۔

(سنن دارقطنی ج۱ص۳۳۰مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

حدیث نمبر۱۵:۔ بیہقی نے قراۃ کی بحث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال کل صلوۃ لم یقرء فیہا بام الکتاب فہی خداج الا صلوۃ خلف الامام۔

ترجمہ: انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نماز میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی جاوے وہ ناقص ہے ماسوائے اس نماز کے جوامام کے پیچھے ہو۔

(کتاب القراءۃ للبیہقی ص۱۳۵مطبوعہ دہلی)

حدیث نمبر۱۶:۔ امام محمد موطاء میں عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال لیت فی فم الذی یقرء خلف الامام حجر۔

ترجمہ: جوامام کے پیچھے تلاوت کرے کاش اس کے منہ میں پتھر ہو۔

(مؤطاءامام محمد باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام ص۱۰۲مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(مصنف عبدالرزاق ج۲ص۱۳۸رقم الحدیث ۲۸۰۶مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حدیث نمبر۱۸تا۲۴:۔ امام طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود۔زید ابن ثابت۔عبداللہ ابن عمر۔عبداللہ ابن عباس۔جابر ابن عبداللہ۔حضرت علقمہ۔حضرت علی مرتضیٰ۔حضرت عمروغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مکمل اسنادوں سے روایات پیش کیں کہ یہ تمام حضرات امام کے پیچھے قرات کے سخت خلاف تھے ان میں سے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ جوامام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں آگ ہو۔کوئی فرماتے ہیں اس کے منہ میں پتھر ہوکوئی فرماتے ہیں وہ فطرت کے خلاف ہے اگر ہم اس رسالہ کے بڑھ جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ تمام روایات یہاں نقل کرتے ان کے علاوہ قراۃ خلف الامام کے خلاف بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں سے ہم نے صرف ۲۴ پر کفایت کی اگر کسی کو ان کے مطالعہ کا شوق ہو تو طحاوی شریف۔موطاءامام محمد۔صحیح البہاری۔ہمارا حاشیہ بخاری نعیم الباری وغیرہ کتب کا مطالعہ کرے۔

حاشیہ......☆

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم ﷺ کے مرض وفات میں پڑھائی ہوئی نماز کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے وہاں سے قراءت شروع کی جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔

حاشیہ......☆

امام محمد بن یزید ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

واخذ رسول اللہ ﷺ من القراءۃ من حیث کان بلغ ابوبکر۔

ترجمہ: وہیں سے آپ ﷺ نے قراءت شروع کی جہاں تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قراءت فر چکے تھے۔

(سنن ابن ماجہ ج۱ص۳۹۱رقم الحدیث۱۲۳۵مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

فقراء من المکان الذی بلغ ابوبکر من السورۃ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے سورت کے اس مقام سے قراءۃ شروع کی جہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔

(مسند احمد ج۱ص۲۰۹رقم الحدیث۱۷۸۵مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

فاستفتح النبی ﷺ من حیث انتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ من القرآن۔

ترجمہ: اور حضور ﷺ نے قرآن کے اس حصہ سے قراءت شروع کی جس تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قراءت کر چکے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج۳ص۸۱رقم الحدیث۴۸۵۷مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

یہ حدیث مبارکہ بالکل صحیح ہے اس کے تمام راوی ثقہ ہے۔اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ حضور ﷺ کی پوری سورہ فاتحہ رہ گئی تھی یا اس سے اکثر حصہ رہ گیا تھا اس لیے حضور ﷺ شدید بیمار تھے۔حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز شروع فرما چکے تھے جہاں سے ابوبکر رضی اللہ عنہ قراءت چھوڑی تھی وہیں سے حضور ﷺ نے قراءت کی ابتدا کی تھی۔اس سے معلوم ہوا کہ پوری سورہ فاتحہ کسی نے نہیں پڑھی۔اگر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ فرض ہوتا تو حضور ﷺ کی یہ نماز نہ ہوتی آپ ﷺ اسے باطل قرار دے کر اس کا اعادہ فرماتے۔

امام علی بن عمر دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ باب قائم کرتے ہیں۔

باب من ادرک الامام قبل اقامۃ صلبہ فقد ادرک الصلاۃ۔

......عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک رکعۃ من الصلوۃ فقد ادرکھا قبل ان یقیم الامام صلبہ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص نے امام کو پشت سیدھی کرنے سے پہلے رکوع میں پالیا اس نے رکعت کو پالیا۔

(سنن الدارقطنی ج۱ص۳۴۶مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی بکرۃ انہ دخل المسجد والنبی ﷺ راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال النبی ﷺ زادک اللہ حرصا ولا تعد۔

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو حضور ﷺ رکوع میں چلے گئے تھے چنانچہ صف میں ملنے سے

حاشیہ......☆

پہلے ہی وہ رکوع میں چلے گئے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ صف میں مل گئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نیکی پر حریص کرے پھر ایسا نہ کرنا۔
(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۲۴۱۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح البخاری کتاب صفۃ الصلاۃ باب جہر الماموم بالتامین ج ۱ ص ۲۷۱ رقم الحدیث ۷۵۰ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

عن بن عمر انه كان يقول من ادرك الامام راكعا فركع قبل ان يرفع الامام راسه فقد ادرك تلك الركعة۔
(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۲۴۱۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہو گیا اس کے رکوع میں شریک ہونے سے پہلے امام فاتحہ پڑھ چکا ہوگا کیونکہ امام فاتحہ پڑھ کر ہی رکوع میں جاتا ہے۔ لیکن باوجودیکہ اس نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی یہ رکعت ہوگئی۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تھی اور رکوع میں شامل ہو گئے لیکن حضور ﷺ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تمہاری نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ تم نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ ورنہ اس شخص کی یہ رکعت نہ ہوتی۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة فقال هل قرأ معي احد منكم آنفا؟ فقال رجل نعم يارسول الله! قال اني اقول مالي انازع القرآن قال فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه رسول الله ﷺ من الصلوات بالقراءة حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ۔ قال وفي الباب عن بن مسعود وعمران بن حصين وجابر بن عبدالله قال ابو عيسى هذا حديث حسن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک جہری نماز سے فارغ ہو کر فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اب میرے ساتھ قرات کی تھی؟ ایک شخص نے عرض کیا جی ہاں! یارسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا میں بھی کہہ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑا کیا جارہا ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جہری نمازوں میں قراءت سے رک گئے تھے۔
(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقراءۃ ج ۲ ص ۱۱۸۔۱۱۹ رقم الحدیث ۳۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب من کرہ القراءۃ بفاتحۃ الکتاب اذا جہر الامام ج ۱ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۸۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الافتتاح باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر بہ ج ۲ ص ۱۰۳ رقم الحدیث ۹۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب اذا قراء الامام فانصتوا ج ۱ ص ۲۷۶ رقم الحدیث ۸۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (موطاء امام مالک کتاب الصلاۃ باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما الجہر فیہ ج ۱ ص ۸۶ رقم الحدیث ۱۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عمران بن حصين رضي الله عنه قال صلى النبي ﷺ الظهر فقرأ رجل خلفه (سبح اسم ربك الاعلى) فلما صلى قال من قرأ (سبح اسم ربك الاعلى) قال رجل انا قال قد علمت ان بعضكم قد خالجنيها۔

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز ظہر ادا فرمائی ایک شخص نے آپ ﷺ کے پیچھے (سبح اسم ربك الاعلى) پڑھا۔ جب آپ ﷺ نماز ادا فرما چکے تو آپ ﷺ نے دریافت کیا اس سورہ کو کس شخص نے پڑھا ایک

حاشیہ......☆

شخص نے عرض کیا میں نے! آپ ﷺ نے فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کوئی شخص مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہا ہے۔

(سنن النسائی کتاب الافتتاح باب ترک القراءۃ خلف الامام فیما جہر بہ ج ۲ ص ۱۰۱ رقم الحدیث ۹۱۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت) (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۳۷۷۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۲۸۰۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام محمد بن یزید ابوعبداللہ ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قرأ الامام فانصتوا فاذا کان عند القعدۃ فلیکن اول ذکر احدکم التشہد۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو اور جب وہ قعدہ میں ہو تو تم پہلے التحیات پڑھا کرو۔

(سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا باب اذا قرأ الامام فانصتوا ج ۱ ص ۲۷۶ رقم الحدیث ۸۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

عن نافع رضی اللہ عنہ ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ۔ قال وکان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما لا یقرأ خلف الامام۔

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب مقتدی کی قراءت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا مقتدی بھی امام کے پیچھے قراءت کرے گا تو انہوں نے فرمایا جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے امام کی قراءت کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو خود قراءت کرے۔ نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی امام کے پیچھے قراءت نہیں کرتے تھے۔

(مؤطا امام مالک کتاب النداء بالصلاۃ باب القراءۃ خلف الامام فیما لا یجھر فیہ بالقراءۃ ج ۱ ص ۸۶ رقم الحدیث ۱۹۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی موسی رضی اللہ عنہ قال علمنا رسول اللہ ﷺ قال اذا قمتم الی الصلاۃ فلیؤمکم احدکم واذا قرأ الامام فانصتوا۔

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ہمیں تعلیم دیتے ہوئے فرمایا جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو کوئی ایک تمہارا امام بن جائے۔ اور جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہا کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن القراءۃ خلف الامام قال واخبرنی اشیاخنا ان علیاً رضی اللہ عنہ قال من قرأ خلف الامام فلا صلاۃ لہ۔ قال واخبرنی موسی بن عقبۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ وابابکر وعمر وعثمان کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام۔

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ امام کی اقتداء میں قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے اور ہمارے مشائخ نے مجھے بتایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص کی نماز ہی نہیں جو امام کی اقتداء میں قراءت کرے اور

حاشیہ......☆

موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا ہے کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹ رقم الحدیث ۲۸۱۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابوبکر قال حدثنا ابن عیینة عن الزهری عن ابی اکیمة قال سمعت ابا هریرة یقول صلی رسول الله ﷺ صلاة یظن انها الصبح فلما قضاها قال قرأ منکم احد قال رجل انا قال انی اقول مالی انازع فی القرآن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھائی ان کا گمان تھا کہ وہ صبح کی نماز تھی آپ نے فرمایا پڑھانے کے بعد فرمایا کیا تم میں سے کسی نے قرآن پڑھا ہے؟ ایک شخص نے کہا جی! میں نے پڑھا ہے آپ نے فرمایا میں (دل میں) کہہ رہا تھا کیا ہوا جو قرآن مجھ سے کھینچ رہا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۳۷۷۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۲۸۹۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں۔

وعن عبدالله بن مسعود قال کانوا یقرؤون خلف النبی ﷺ فقال خلطتم علی القرآن۔ رواه احمد ابویعلی والبزار ورجال احمد رجال الصحیح۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۱۱۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۳۷۷۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۹ رقم الحدیث ۲۸۰۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن قتادة عن قیس عن ابی نجاد عن سعد قال وددت ان الذی یقراء خلف الامام فی فیه جمرة۔

ترجمہ: ابونجاد نے حضرت سعد سے روایت کیا کہ میری خواہش ہے کہ جو امام کے پیچھے قرآن پڑھے اس کے منہ میں انگارے ہوں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۳۷۸۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا یزید بن هارون عن اشعث عن مالك بن عمارة قال سالت لا ادری کم رجل من اصحاب عبدالله کلهم یقولون لا یقرا خلف امام منهم عمرو بن میمون۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام اصحاب امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۱ رقم الحدیث ۳۷۹۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا الثقفی عن محمد قال لا اعلم القراء ة خلف الامام من السنة۔

ترجمہ: امام محمد بن سیرین فرماتے ہیں میرے علم کے مطابق امام کے پیچھے قرآن پڑھنا سنت نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۱ رقم الحدیث ۳۷۹۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

عقل بھی چاہتی ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے تلاوت نہ کرے چند وجوہ سے۔(۱) نماز میں جیسے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ایسے ہی سورۃ ملانی بھی ضروری ہے مسلم شریف میں ہے۔

لاصلوۃ لمن لم یقرء بام القرآن فصاعداً۔

ترجمہ: اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ اور کچھ اور نہ پڑھے۔

(سنن نسائی باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلاۃ ج ۲ ص ۱۳۷ رقم الحدیث ۹۱۱ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

غیر مقلدین بھی مانتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے سورۃ نہ پڑھے تو چاہیئے کہ سورہ فاتحہ بھی نہ پڑھے کہ جیسے سورۃ میں امام کی قرات کافی ہے۔ایسے ہی سورہ فاتحہ میں بھی کافی ہے۔

(۲) جو کوئی رکوع میں امام کے ساتھ مل جاوے اسے رکعت مل جاتی ہے۔اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنی لازم ہوتی تو اسے رکعت نہ ملنی چاہیئے تھی۔دیکھو اگر یہ شخص تکبیر تحریمہ نہ کہے یا تکبیر تحریمہ کے ساتھ ایک تسبیح کے بقدر قیام نہ کرے بلکہ سیدھا رکوع میں چلا جاوے تو اسے رکعت نہ ملے گی کیونکہ تکبیر تحریمہ اور قیام مقتدی پر فرض ہے تو ایسے ہی اگر اس پر سورۃ فاتحہ فرض ہوتی تو اس کے بغیر رکعت نہ ملتی۔معلوم ہوا کہ امام کی قراۃ اس کے لئے کافی ہے۔جب اس مقتدی کے لئے قراۃ ساقط ہوگئی تو چاہیئے کہ دوسرے مقتدیوں سے بھی ساقط ہو۔

(۳) اگر مقتدی پر قراۃ فاتحہ بھی ہو اور آمین بھی تو بتاؤ کہ اگر امام مقتدی سے پہلے سورہ فاتحہ سے فارغ ہو جاوے تو یہ مقتدی جو ابھی فاتحہ کے بیچ میں ہے آمین کہے یا نہ کہے تو اپنی فاتحہ ختم کر کے بھی آمین کہنے یا نہ کہے جو بھی جواب دو حدیث دکھا کر دو۔نہ دو آمین جائز ہیں۔نہ فاتحہ کے بیچ میں آمین درست ہے۔

(۴) اگر مقتدی فاتحہ کے بیچ میں ہو اور امام رکوع میں چلا جاوے تو بتاؤ یہ مقتدی آدھی فاتحہ چھوڑ دے یا رکوع چھوڑ دے۔جو بھی جواب دو حدیث دکھاؤ اپنی عقل و قیاس سے جواب نہ دینا۔مشرق و مغرب کے علماء اہلحدیث کو اعلان عام ہے کہ ان سوالات نمبر ۲۔۳۔۴ کے جوابات تمام حضرات مل کر مشورہ کر کے دیں۔مگر شرط یہ ہے کہ حدیث صریح سے دیں محض اپنی رائے شریف سے نہ دیں۔انشاء اللہ نہ دے سکینگے تو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور احناف کی طرح حکم قرآن و حدیث پر عمل کریں کہ امام کے پیچھے قرات نہ کیا کریں۔

(۵) شاہی دربار میں جب کوئی وفد جاتا ہے تو دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں۔مگر عرض و معروض سب نہ کریں گے جو نمائندہ ہو گیا وہ ہی کرے گا۔ایسے ہی باجماعت نمازی رب کی بارگاہ میں وفد کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں تو تکبیر۔تسبیح۔تشہد وغیرہ سب پڑھیں کہ یہ اس دربار کا سلامی مجرا ہے سب ادا کریں۔مگر تلاوت قرآن جو عرض و معروض ہے۔صرف قوم کا نمائندہ کرے یعنی امام۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر سوالات و جوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلدین اب تک جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں، ہم بفضلہٖ تعالیٰ ہر ایک نقل کر کے سب کے جوابات علیحدہ علیحدہ دیتے ہیں اور جس سلیقے سے ان کے سوالات ہم نقل کر رہے ہیں۔انشاء اللہ اس طریقہ سے وہ بھی نہ کر سکیں گے۔رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

اعتراض نمبر ۱:۔ آیۃ کریمہ واذا قرئ القرآن (سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۰۴) میں قرآن سے مراد جمعہ کا خطبہ ہے۔نہ کہ مقتدی کی نماز جیسا کہ بعض مفسرین نے اسی آیت کے ماتحت فرمایا۔لہذا خطبہ جمعہ کے وقت خاموشی ضروری ہے مگر مقتدی کا سورۃ فاتحہ پڑھنا منع نہیں۔

جواب:۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکیہ ہے۔ سورہ اعراف کی آیت ہے اور جمع کی نماز و خطبہ مدینہ منورہ میں بعد ہجرت شروع ہوئے پھر اس آیت میں خطبہ مراد کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر بفرض محال مان لو تب بھی چونکہ آیت میں خطبہ کی قید نہیں صرف قراۃ قرآن کا ذکر ہے لہذا یہ حکم سب کو شامل ہے۔ کیونکہ آیت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا۔ تیسرے یہ کہ جب خطبہ میں لوگوں کو بولنا حرام ہے حالانکہ سارا خطبہ قرآن نہیں بلکہ اس میں ایک دو آیات قرآن کی پڑھی جاتی ہیں۔ تو امام کے پیچھے جبکہ سارا قرآن ہی بڑھا جارہا ہے۔ خاموشی کیوں ضروری نہ ہوگی۔ تعجب ہے کہ آپ خطبہ جمع میں تو خاموشی ضروری کہتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے نہیں۔

اعتراض نمبر ۱:۔ آیت کریمہ واذا قری میں مشرکین مکہ سے خطاب ہے جو حضور ﷺ کی تلاوت کے وقت شور مچاتے تھے اور آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت دنیاوی باتیں کر کے شور نہ کیا کرو لہذا سورہ فاتحہ پڑھنا اس میں داخل نہیں۔

جواب:۔ یہ بھی غلط ہے۔ آیت میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار پر کوئی عبادت واجب نہیں۔ جب تک ایمان نہ لائیں۔ قرآن سننا بھی عبادت ہے۔ یہاں پر بغیر ایمان لائے کیسے واجب ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کے آخر میں ہے۔ لعلکم ترحمون (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۲۰۴) تا کہ تم پر رحمت کی جاوے۔ قرآن سننے سے رحمت صرف مسلمانوں پر آتی ہے۔ کافر ایمان کے بغیر کوئی بھی نیکی کرے۔ رحمت کا مستحق نہیں رب فرماتا ہے۔

منهم من يستمع اليك وجعلنا على قلوبهم اكنة۔

ترجمہ: یعنی بعض کفار آپ کی طرف کان لگاتے ہیں ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے۔

(پارہ ۷ سورہ ۶ آیت نمبر ۲۵)

دیکھو کفار کا کان لگانا مفید نہ ہوا۔ اور فرماتا ہے۔

وقدمنا الى ما عملوا من عمل فجعلنه هباء منثوراً۔

ترجمہ: اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے۔ ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک غبار کے ریزوں کی طرح بنا دیا۔

(پارہ ۱۹ سورہ ۲۵ آیت نمبر ۲۳)

اگر کافر سارا قرآن حفظ ہی کرے اور روزانہ تلاوت بھی کیا کرے۔ تب بھی ثواب کا مستحق نہیں بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر ایمان کوئی عبادت قبول نہیں دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ وانصتوا خاموش رہو۔ خاموشی کے معنی یہ ہیں کہ نہ بات کرو نہ کچھ پڑھو اگر سورہ فاتحہ پڑھتے رہے تو خاموشی کہاں ہوئی غرضیکہ یہ آیت نہ تو کفار کے حق میں نازل ہوئی نہ خطبہ جمعہ کے لئے نمازیوں کو امام کے پیچھے قراۃ سے روکنے کے لئے نازل ہوئی چنانچہ بیہقی شریف میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔

قال كان رسول الله ﷺ يقرء فى الصلوة فسمع قراءة فتى من الانصار فنزل واذا قرى ء القرآن۔ (بہاری)

ترجمہ: حضور ﷺ نماز میں قراۃ فرما رہے تھے کہ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرات سنی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی واذا قری۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۲۷۰۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اسناد کے ساتھ معاویہ ابن قرہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مغفل صحابی رسول سے اس آیت کے نزول کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

قال انما نزلت هذه الآية واذا قرى القرآن الخ فى القراءة خلف الامام اذا قرء الامام فاستمع له وانصت۔ (بہاری)

ترجمہ: یہ آیت واذاقری الخ امام کے پیچھے قراۃ کرنے کے متعلق نازل ہوئی لہذا جب امام قرات کرے تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

(الدر المنثور فی تفسیر الماثور ج ۳ ص ۶۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اعتراض نمبر ۳:۔ اگر تلاوت قرآن کے وقت سب کو خاموش رہنے کا حکم ہو تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جو تمام ملک میں سنی جاتی ہے۔ تو سب کو کاروبار کلام سلام حرام ہو جاوے گا۔ امام تراویح پڑھا رہا ہے ایک آدمی آیا جس نے ابھی فرض نہیں پڑھے وہ اوس ہی مسجد میں فرض عشاء پڑھتا ہے۔ جہاں قراۃ کی آواز آرہی ہے۔ یہ بھی حرام ہوگا۔ غرضیکہ یہ معنی امت کے لئے سخت تکلیف کا باعث ہیں (موجودہ وہابی)۔

جواب:۔ ساری امت کا اجماع ہے کہ تلاوت قرآن سننا فرض کفایہ ہے نہ کہ فرض عین اگر قاری کی قرات ایک مسلمان بھی سن رہا ہے تو کافی ہے جیسے نماز جنازہ کہ اگرچہ سب پر فرض ہے مگر ایک کے ادا کرنے سے سب بری الذمہ ہو گئے امام کے پیچھے سب مقتدی ایک شخص کے حکم میں ہیں۔ جیسے نماز جنازہ کی جماعت لہذا مقتدیوں میں سے تو کوئی کلام سلام۔ تلاوت نہیں کر سکتا۔ غیر مقتدی کے لئے ان مقتدیوں کا سن لینا کافی ہے۔ ہاں اگر سب لوگ کاروبار میں لگے ہوں کوئی نہ سن رہا ہو تو بلند آواز سے تلاوت منع ہے ایسے ہی ایک مجلس میں چند لوگوں کا بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا منع ہے یا تو ایک تلاوت کرے باقی سنیں یا سب خاموشی سے پڑھیں۔ اس کی تحقیق شامی وغیرہ کتب فقہ میں دیکھو۔ لہذا نہ کوئی آفت ہے نہ مصیبت۔

اعتراض نمبر ۴:۔ اس سے لازم آتا ہے کہ مکتب میں چند بچے ایک ساتھ قرآن شریف بلند آواز سے یاد نہیں کر سکتے پھر بھی مصیبت ہی رہی۔

جواب:۔ وہاں تعلیم قرآن ہے۔ تلاوت قرآن نہیں۔ تلاوت کا سننا فرض ہے نہ کہ تعلیم قرآن کا اس لئے رب نے **اذا قری** فرمایا **اذا تعلم** نہ فرمایا دیکھو رب فرماتا ہے۔

فاذا قراءت القرآن فاستعذ باللہ۔

ترجمہ: جب تم قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔

(پارہ ۱۴ سورہ ۱۶ آیت نمبر ۹۸)

تلاوت قرآن پر اعوذ پڑھنا چاہیے۔ مگر جب شاگرد استاد کو قرآن سنائے تو اعوذ نہ پڑھے کہ یہ تلاوت قرآن نہیں تعلیم قرآن ہے (شامی وغیرہ) ایسے ہی قرآن کریم خلاف ترتیب چھاپنا منع ہے۔ ترتیل وترتیب چاہیے۔ مگر بچوں کی تعلیم کے لئے آخری پارہ الٹا چھاپتے بھی ہیں اور انہیں الٹا پڑھاتے بھی ہیں تعلیم وقراۃ کے احکام میں فرق ہوتا ہے قرآن نے بھی تلاوت و تعلیم میں فرق کیا رب فرماتا ہے۔

یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

(سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴)

وہ نبی مسلمانوں پر آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں۔ اور انہیں قرآن وحکمت سکھاتے ہیں۔ اگر تلاوت اور تعلیم میں فرق نہیں تو یہاں ان دونوں کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا۔

اعتراض نمبر ۵:۔ آپ کی پیش کردہ حدیث **قراءۃ الامام لہ قراءۃ** اور حدیث **واذا قراء فانصتوا** میں لفظ قراء ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا تو ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو یا پڑھے قرآن یا کچھ اور تو چاہیے کہ امام کے پیچھے سبحان۔ التحیات۔ درود وغیرہ کچھ نہ پڑھا جاوے کیونکہ امام جو پڑھ رہا ہے (موجود عقلمند وہابی)۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر ایسے ہی لفظوں کے معنوی معنی کئے گئے تو آپ کو مصیبت پڑ جاوے گی۔آپ اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔حدیث کے معنی ہیں۔بات چیت یا قصہ کہانی۔رب فرماتا ہے۔

فبای حدیث بعدہ یومنون۔

ترجمہ: اس کے بعد اب کس بات پر ایمان لاؤ گے۔

(پارہ۲۹ سورہ۷۷ آیت نمبر۵۰)

اور فرماتا ہے:

فجعلنھم احادیث۔

ترجمہ: ہم نے ان قوموں کو قصے کہانیاں بنادیا۔

تو اہل حدیث کے معنی یا تو ہوئے باتیں بنانے والا بکی یا قصے کہانیاں ناول پڑھنے سنانے والا جناب یہاں حدیث کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔فرمان رسول اللہ ﷺ۔وحی کے لغوی معنی ہیں۔اشارہ اسلام کے معنی ہیں فرماں برداری کلمے کے معنی ہیں لفظ ان تمام معنی ہیں یہ الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں۔کہو اب کہاں جاؤ گے سارا اسلام ہی ختم اور قرآن مراد ہوتی ہے ہم کہتے ہیں نماز کے چھ رکن ہیں۔تکبیر تحریمہ۔قیام۔قراۃ۔رکوع۔سجدہ۔التحیات میں بیٹھنا تو یہاں قیام کے معنی ناچنے کے لئے کھڑا ہونا۔اور قراۃ کے معنی ناول پڑھنا نہیں ذرا سمجھ سے بات کیا کرو کیا اتنی سمجھ پر حدیث رسول سمجھنے کا دعویٰ ہے۔

گر ہمیں مکتب ہمیں ملا
کار طفلاں تمام خواہد شد

اعتراض نمبر۶:۔ مسلم و بخاری شریف میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لاصلوۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب۔

ترجمہ: اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔

(صحیح البخاری ج۱ص۲۶۳ رقم الحدیث ۷۲۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے کہ اس کے بغیر نماز بالکل صحیح نہیں ہوتی۔جیسے قیام و رکوع وغیرہ دوسرے یہ کہ سب پر فرض ہے۔نمازی اکیلا ہو۔یا امام یا مقتدی حدیث میں کوئی قید نہیں۔

جواب:۔ اس کے تین جواب ہیں۔دو الزامی ایک تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ حدیث امام مسلم نے اس طرح نقل فرمائی۔

لا صلوۃ لمن لم یقرء بام القرآن فصاعدا۔

ترجمہ: اوس کی نماز نہیں ہوتی۔جو سورہ فاتحہ اور کچھ زیادہ نہ پڑھے۔

اور موطاء امام مالک میں یہ ہی حدیث اس طرح ہے۔

لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب والسورۃ۔

ترجمہ: نماز نہیں ہوتی مگر سورہ فاتحہ سے اور ایک اور سورۃ سے۔

آپ کو چاہئیے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ بھی فرض جانو اور سورۃ ملانا بھی کیا۔بعض حدیثوں پر ایمان ہے بعض کا انکار ہے۔

دوسرا جواب الزامی یہ ہے۔تمہاری پیش کردہ حدیث قرآن کے بھی خلاف ہے اور ان حدیثوں کے بھی جو ہم نے پہلی فصل میں پیش

کیں بلکہ تمہارے بھی مخالف ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے۔

فاقرء وا ما تیسر من القرآن۔

ترجمہ: جس قدر قرآن آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

(پارہ ۲۹ سورہ ۷۳ آیت نمبر ۲۰)

پھر سورہ فاتحہ پڑھنا کیسے فرض ہو سکتا ہے۔نیز فرماتا ہے۔

واذا قری ء القرآن فاستمعوا له وانصتوا الایة۔

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو۔اور خاموش رہو۔

(پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۲۰۴)

پھر مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس حکم ربانی کی مخالفت کیسے کرے ہم بہت احادیث بیان کر چکے ہیں۔جن میں ارشاد ہوا کہ امام کی قراۃ مقتدی کی قرات ہے۔جب امام قراۃ کرے تو تم چپ رہو وغیرہ۔

تم بھی کہتے ہو کہ جو رکوع میں امام کے ساتھ مل گیا اسے رکعت مل گئی اگر مقتدی پر سورۃ فاتحہ فرض تھی تو اس کے بغیر رکعت کیسے مل گئی۔ اس پر وضو وطہارت تکبیر تحریمہ۔قیام فرض رہا کہ اگر ان میں سے کچھ بھی چھوڑ کر رکوع میں شامل ہو جاوے تو نماز نہ پائے گا۔سورۃ فاتحہ کیسے معاف ہوگئی وہ فرض تھی۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس حدیث کے ایسے معنی کرنے چاہئیں جس سے قرآن وحدیث میں مخالفت نہ رہے احادیث آپس میں ٹکرا نہ جائیں کوئی اعتراض بھی نہ پڑے وہ یہ کہ لاصلوۃ میں لانفی جنس ہے جس کا اسم تو ہے۔صلوۃ جز پوشیدہ ہے یعنی "کامل" مطلب یہ ہوا کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کامل نہیں ہوتی مطلق قراۃ بحکم قرآن فرض ہے اور سورۃ فاتحہ بحکم حدیث واجب جیسے۔

لاصلوۃ الا بحضور القلب۔

ترجمہ: نماز نہیں ہوتی مگر حضور قلب سے جو مسجد کے قریب رہتا اوس کی نماز نہیں ہوتی مگر مسجد میں۔

ان دونوں حدیثوں میں لاصلوۃ سے کمال نماز کی نفی ہے نہ کہ اصل نماز کی ایسے ہی یہاں پھر لم یقرا قراۃ حکمی وحقیقی دونوں کو شامل ہے کہ امام اور اکیلے نماز پر حقیقۃً فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور مقتدی پر حکما کہ امام کا پڑھنا اوس کا پڑھنا ہے۔ہماری پیش کردہ احادیث اس حدیث کی تفسیریں ہیں۔یا یہ حدیث عام ہے۔اور ہماری پیش کردہ احادیث اس کی تخصیص کرتی ہیں جنہوں نے مقتدی کو اس حکم سے خاص کر دیا۔

اعتراض نمبر ۷:۔ ترمذی شریف میں حضرت عبادہ ابن صامت سے ایک حدیث مروی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قال انی اراکم تقرء ون وراء امامکم قال قلنا بلی قال لا تقرء و الا بام القرآن۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ میرے خیال میں تم اپنے امام کے پیچھے قراۃ کرتے ہو ہم نے عرض کیا ہاں فرمایا۔سورۃ فاتحہ کے سواء کچھ نہ پڑھا کرو۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۶۔۱۱۷ رقم الحدیث ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث میں صراحۃً ارشاد ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے اور دوسری سورت نہ پڑھے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابوداؤد۔نسائی۔بیہقی میں بھی ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں جناب جب مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے تو اس مقتدی کو یہ رکعت بغیر سورہ پڑھے کیسے مل گئی۔اس کا جواب سوچو جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہوگا۔

دوسرے یہ کہ صرف عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مرفوع نقل ہے۔ جس میں حضور ﷺ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا حکم دیا لیکن اس کے خلاف حضرت جابر علقمہ۔ عبداللہ ابن مسعود۔ زید ابن ثابت۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر حضرت علی و عمر سے بکثرت روایات منقول ہیں۔ جن میں سے کچھ روائتیں ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے اور طحاوی شریف صحیح البہاری شریف میں بہت زیادہ منقول ہیں تو حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت حدیث واحد ہے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وہ روایات حدیث مشاہیر ہیں لہذا انہیں ترجیح ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث عبادہ قرآن کے خلاف ہے قرآن نے تلاوت قرآن کے وقت خاموشی کا حکم دیا۔ ہماری پیش کردہ احادیث کی چونکہ قرآن تائید کر رہا ہے۔ لہذا انہیں ترجیح ہے۔ چوتھے یہ کہ تمہاری پیش کردہ حدیث میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے اور ان احادیث میں جو ہم نے پیش کیں۔ اس کی ممانعت ہے نصوص میں مقابلہ ہو تو ممانعت کی نص کو ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرشتوں کو اس کا حکم دیا گیا۔ بلکہ شیطان اس غیر اللہ کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے مردود کر دیا گیا۔ مگر دوسری نصوص میں اس سجدے کی ممانعت کی گئی۔ اب اس ممانعت پر ہی عمل ہے۔

پانچویں یہ کہ عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نہ تو بخاری نے نقل کی نہ مسلم نے ممانعت کی۔ حدیث مسلم شریف میں موجود۔ نیز امام ترمذی نے اسے نقل کر کے اسے صحیح نہ فرمایا۔ بلکہ حسن کہا اور فرمایا کہ زیادہ صحیح کچھ اور ہے۔ حوالہ ملاحظہ ہو۔ ترمذی میں اسی تمہاری حدیث کے ساتھ ہے۔

قال ابوعیسی حدیث عبادة حدیث حسن و روی هذا الحدیث الزهری عن محمود ابن الربیع عن عبادة ابن الصامت قال لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب وهذا اصح۔

ترجمہ: ابوعیسیٰ کہتے ہیں کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حسن ہے (صحیح نہیں) یہ ہی حدیث زہری نے محمود ابن ربیع سے انہوں نے عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی یہ ہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۶۔۱۱۷ رقم الحدیث ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پتہ لگا کہ زیادہ صحیح وہ الفاظ ہیں۔ جن میں مقتدی کے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں ایک ایسی حدیث پیش کر رہے ہیں۔ جو قرآن کے خلاف مشہور حدیثوں کے بھی خلاف اور امام ترمذی کے نزدیک صحیح بھی نہیں۔ بلکہ حسن ہے۔ اور اس کے خلاف زیادہ صحیح ہے۔ جو الزام حنفیوں پر دیا کرتے ہو۔ وہ خود بھی کر رہے ہو۔

اعتراض نمبر ۸:۔ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا عمل یہ ہی ہے کہ وہ امام کے پیچھے قرات کرتے تھے امام ترمذی اس حدیث عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

والعمل علی هذا الحدیث فی القراء خلف الامام عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین۔

ترجمہ: امام کے پیچھے قرات کرنے کے متعلق اکثر صحابہ و تابعین کا اس حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ پر عمل ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۶۔۱۱۷ رقم الحدیث ۳۱۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جب اکثر صحابہ کا عمل اس پر ہے تو فاتحہ ضرور پڑھنی چاہئیے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ امام ترمذی کا یہاں اکثر فرمانا اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔اس کے معنی یہ نہیں کہ زیادہ صحابہ تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے اور کم صحابہ نہ پڑھتے تھے بلکہ اکثر بمعنی چند اور متعدد ہے۔قرآن کریم فرماتا ہے۔

وکثیر من الناس وکثیر حق علیه العذاب۔

ترجمہ: اور بہت آدمی اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا۔

(پارہ ۱۷ سورہ حج آیت نمبر ۱۸)

حق یہ ہے کہ زیادہ صحابہ قراۃ خلف الامام کے سخت خلاف ہیں۔حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔اس کی نماز نہیں ہوتی (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳۱ رقم الحدیث ۳۷۸۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے۔(ابن حبان) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں بدبو بھر جاوے (ابن حبان) حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے قراۃ کرے اس کے منہ میں خاک (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے وہ فطرت پر نہیں (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔(العلل المتناهیۃ للجوزی ج ۱ ص ۴۲۹ رقم الحدیث ۷۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔جو امام کے پیچھے تلاوت کرے۔کاش اس کے منہ میں پتھر (مؤطاء امام محمد باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۲۸۰۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت نہ کرتے تھے۔اور سختی سے منع بھی فرماتے تھے۔کہتے تھے کہ امام کی قرات کافی ہے (مؤطاء امام محمد باب القراءۃ فی الصلوۃ خلف الامام ص ۱۰۱۔۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (یہ تمام روایات طحاوی شریف اور صحیح البہاری میں موجود ہیں یہ تو بطور نمونہ عرض کیا گیا۔ورنہ اسی صحابہ سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے قرات سے سخت منع فرماتے تھے۔دیکھو شامی۔فتح القدیر وغیرہ اگر بعض روایات میں آجاوے کہ ان میں سے بعض حضرات فاتحہ پڑھتے تھے تو یا تو ان کا پہلا فعل ہوگا جو بعد کو منسوخ ہو گیا۔یا وہ روایات قابل ترک ہوں گی کیونکہ قرآن کے خلاف ہیں۔

اعتراض نمبر ۹:۔ یہ تمام روایات ضعیف ہیں (وہی پرانا سبق)۔

جواب:۔ جی ہاں۔اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔آپ کو ان کے ضعف کا الہام ہوا ہوگا۔ہم ضعیف کے متعلق اس سے پہلے بہت کچھ عرض کر چکے ہیں کہ جرح مبہم معتبر نہیں۔نیز امام صاحب نے جب یہ احادیث لیں۔اس وقت کوئی ضعیف نہ تھی بعد میں ضعف آیا۔بعد کا ضعف امام صاحب کو مضر نہیں نیز چند ضعیف اسنادیں مل کر حدیث کو حسن بنا دیتی ہیں وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۱۰:۔ اگر امام آہستہ تلاوت کر رہا ہو۔جیسے ظہر وعصر میں یا مقتدی بہت دور ہو کہ وہاں تک امام کی تلاوت کی آواز نہ پہنچتی ہو تو چاہئیے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لے۔کیونکہ اب فاتحہ پڑھنا قرآن سننے میں خارج نہیں۔

جواب:۔ یہ اعتراض جب درست ہوتا۔ جبکہ خاموشی قرآن سننے کے لئے ہوتی حالانکہ خاموشی کا علیحدہ حکم ہے اور سننے کا علیحدہ حکم رب فرماتا ہے فاستمعوا له وانصتوا یہ ایسا ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ اقیموا الصلوة وآتوا الزكوة (پارہ اسورہ ۲ آیت نمبر ۴۳) جیسے زکوۃ کی فرضیت نماز کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ نماز سے علیحدہ مستقل فرض ہے ایسے ہی خاموشی مستقل ضروری چیز ہے۔ خفیہ نمازوں میں خاموشی ہے سننا نہیں۔ جہری نمازوں میں خاموشی بھی ہے اور سننا بھی۔

اعتراض نمبر ۱۱:۔ جب مقتدی نماز کے سارے ارکان ادا کرتا ہے۔ جیسے تکبیر تحریمہ قیام رکوع وغیرہ تو تلاوت بھی نماز کا ایک رکن ہے۔ وہ بھی ادا کرے یہ کیا کہ سب ارکان ادا کرے ایک چھوڑ دے۔

جواب:۔ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جماعت کی نماز میں مسلمان وفد بن کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ جن کا نمائندہ امام ہوتا ہے۔ آداب شاہی۔ قیام۔ رکوع۔ سجدہ اور تحیۃ وثنا سب عرض کریں گے مگر عرض معروض یعنی تلاوت قرآن صرف ان کا نمائندہ ان سب کی طرف سے کرے گا۔ مقتدی پر اسی لئے تلاوت فرض نہیں۔ بلکہ منع ہے۔ اس پر ادب سے خاموش رہنا بحکم قرآن کریم فرض ہے۔

اعتراض نمبر ۱۲:۔ رکوع میں ملنے والے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسا کہ مسافر پر چار رکعت والی نماز میں دو رکعت معاف ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

جواب:۔ الحمدللہ آپ قریباً حنفی ہوگئے بس یہی ہم کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا معاف ہے۔ جیسے مسافر پر دو رکعتیں فرض کی معاف ہیں۔ کیونکہ امام کی قراۃ اس کی قراۃ ہے آپ نے مان لیا کو لا صلوۃ لمن لم یقراء والی حدیث اپنے ظاہری عموم پر نہیں۔ بعض نمازی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ بس ہم یہ ہی سننا چاہتے تھے۔ آپ کے نزدیک خاص مقتدی مستثنیٰ ہیں۔ ہمارے نزدیک عام مقتدی۔ حدیث میں استثناء ماننے میں ہم اور آپ برابر ہوئے۔ صرف مقدار استثناء میں تھوڑی بحث رہ گئی۔ انشاء اللہ وہ بھی آپ مان جائیں گے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ شریعت میں نماز بعض صورتوں میں آدمی رہ جاتی ہے۔ جیسے سفر اور کبھی بالکل معاف نہیں ہوتے۔ جیسے دائمی جنون اور عورت کی پلیدگی کی حالت۔ لیکن نماز کی شرائط وارکان کسی صورت میں معاف نہیں ہوتے۔ البتہ بعض مجبوریوں میں ان کا بدل کر دیا جاتا ہے۔ بالکل معاف کبھی نہیں ہوتی وضو کا بدل تیمم اور قیام کا بدل قعود کر دیا گیا۔ مگر بغیر وضو کسی مجبوری سے بھی جائز نہ ہوئی۔ اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہوتا تو اس کے چھوٹ جانے سے رکعت نہ ملتی۔ معلوم ہوا کہ اس کے لئے امام کی قراۃ بدل ہے۔ بس یہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا اس مسئلہ کو سفر کی نماز پر قیاس کرنا بالکل بے عقلی ہے دیکھو اگر نماز میں کوئی شخص رکوع میں شامل ہو تو واجب ہے کہ رکوع میں ہی عید کی تکبیریں کہے نماز جنازہ میں جو کوئی آخری تکبیر میں ملے تو اس پر واجب ہے کہ پہلی تکبیریں کہہ لے جب رکوع میں شامل ہونے والے پر تکبیرات عیدین معاف نہ ہوئیں اور آخر میں شامل ہونے والے پر نماز جنازہ کی تکبیریں معاف نہیں ہوتیں۔ تو اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنی فرض تھی تو رکوع میں شامل ہونے پر کیوں معافی ہوگئی۔

اعتراض نمبر ۱۳:۔ رکوع پانے والے پر اس رکعت کا قیام معاف ہوگیا۔ جو فرض تھا۔ تو اگر سورہ فاتحہ معاف ہو جاوے تو کیا حرج ہے۔

جواب:۔ یہ غلط ہے اس پر قیام معاف نہیں ہوا ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر دوسری تکبیر کہہ کر رکوع کرے ورنہ نماز نہ ملے گی۔

اعتراض نمبر ۱۴:۔ آیت کریمہ واذا قرئ القرآن ناسخ مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور سورہ فاتحہ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تو سورہ فاتحہ پڑھنا اس آیت سے کیسے منسوخ ہوسکتا ہے۔ کیا مقدم آیت مؤخر آیت کی ناسخ ہوسکتی ہے۔ (بعض نئے وہابی)۔

جواب:۔ یہ محض آپ کی رائے ہے آپ نے کوئی حوالہ نہ دیا۔ جب سورہ فاتحہ مکی ہے۔ اور نماز بھی مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی۔ تو کیا وجہ ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ معظمہ میں فرض نہ ہو۔ کیا فرضیت طہارت و وضو بھی مدنی ہے۔

پانچواں باب

آمین آہستہ کہنی چاہئیے

احناف کے نزدیک ہر نمازی خواہ امام ہو یا مقتدی یا اکیلا اور نماز جہری ہو یا سری آمین آہستہ کہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک جہری نماز میں امام و مقتدی بلند آواز سے چیخ کر آمین کہیں۔ اس لئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں ہمارے دلائل، دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

آمین آہستہ کہنا حکم خدا اور رسول کے موافق ہے۔ چیخ کر آمین کہنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث وسنت کے بھی مخالف۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ادعوا ربکم تضرعاً و خفیة۔

ترجمہ: اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور آہستہ۔

(سورہ الاعراف آیت نمبر ۵۵)

آمین بھی دعا ہے۔ لہذا یہ بھی آہستہ کہنی چاہیے۔ رب فرماتا ہے۔

و اذا سألك عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوة الداع اذا دعان۔

ترجمہ اے محبوب جب لوگ آپ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں بہت نزدیک ہوں مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۸۶)

معلوم ہوا کہ چیخ کر دعا اس سے کی جاوے جو ہم سے دور ہو۔ رب تو ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے پھر آمین میں چیخ کر کہنا عبث بلکہ خلاف تعلیم قرآنی ہے۔ اس لئے کہ آمین دعا ہے۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸:۔ بخاری۔ مسلم۔ احمد۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول اللہ ﷺ اذا امن الامام فامنوا فانه وافق تامینه تامین الملئكة غفرله ما تقدم من ذنبه۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری کتاب صفة الصلاة باب جهر الماموم بالتامین ج ۱ ص ۲۷۱ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب الصلاة باب التسمیع والتحمید والتامین ج ۱ ص ۳۰۷ رقم الحدیث ۴۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الصلاة باب التامین وراء الامام ج ۱ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۹۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب الافتتاح باب جهر الامام بآمین و باب الامر بالتامین خلف الامام ج ۲ ص ۱۰۵ رقم الحدیث ۹۲۷۔ ۹۲۹ مطبوعہ)، (صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۰۶ رقم الحدیث ۱۸۰۴ مطبوعہ موسسة الرسالة بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۴۰ رقم الحدیث ۷۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الصلاة عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی فضل التامین رقم الحدیث ۲۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۹ رقم الحدیث ۹۹۲۳ مطبوعہ موسسة قرطبہ مصر)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۵۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکة المکرمة)، (موطاء امام مالک باب ماجاء فی التامین خلف الامام ج ۱ ص ۸۷ رقم الحدیث ۱۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۳ ص ۳۷ رقم الحدیث ۱۵۸۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (الام للشافعی باب التامین من قراءة القرآن ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ کی معافی اس نمازی کے لئے ہے۔جس کی آمین فرشتوں کی آمین کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ فرشتے آہستہ آمین کہتے ہیں۔ہم نے ان کی آمین آج تک نہ سنی تو چاہئیے کہ ہماری آمین بھی آہستہ ہو تا کہ فرشتوں کی موافقت ہو اور گناہ کی معافی ہو۔جو وہابی چیخ کر آمین کہتے ہیں۔وہ جیسے مسجد میں آتے ہیں۔ویسے ہی جاتے ہیں ان کے گناہ کی معافی نہیں ہوتی۔کیونکہ وہ فرشتوں کی آمین کی مخالفت کرتے ہیں۔

حدیث نمبر۹ تا ۱۳:۔ بخاری۔شافعی۔مالک۔ابوداؤد۔نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول اللہ ﷺ اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم و لا الضالین فقولوا آمین فانہ من وافق قولہ الملئکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ۔

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب امام کہے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین تو تم کہو۔آمین کیونکہ جس کا یہ آمین کہنا فرشتوں کی آمین کہنے کے مطابق ہوگا۔اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(صحیح البخاری کتاب صفۃ الصلاۃ باب جھر الماموم بالتامین ج ۱ ص ۲۷۰ رقم الحدیث ۷۴۷ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)،(سنن النسائی کتاب الافتتاح باب جھر الامام بآمین ج ۲ ص ۱۰۵ رقم الحدیث ۹۲۷ مطبوعہ)،(مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۴ رقم الحدیث ۱۲۴۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)،(صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۰۶ رقم الحدیث ۱۸۰۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)،(موطاء امام مالک باب ماجاء فی التامین خلف الامام ج ۱ ص ۸۷ رقم الحدیث ۱۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(الام للشافعی باب التامین من قراءۃ القرآن ج ۱ ص ۱۰۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقتدی کہ پیچھے سورۃ فاتحہ ہرگز نہ پڑھے اگر مقتدی پڑھتا تو حضور ﷺ فرماتے کہ جب تم ولا الضالین کہو تو تم آمین کہو۔معلوم ہوا کہ تم صرف آمین کہو گے۔ولا الضالین کہنا امام کا کام ہے۔رب فرماتا ہے۔

اذا جآء کم المومنات فامتحنوھن۔

ترجمہ: جب تمہارے پاس عورتیں آئیں تو ان کا امتحان لو۔

(پارہ ۲۸ سورہ ۶۰ آیت نمبر ۱۰)

دیکھو امتحان لینا صرف مومنوں کا کام ہے نہ کہ مومنہ عورتوں کا کسی حدیث میں نہیں آیا کہ **اذا قلتم و لا الضالین فقولوا آمین** جب تم **و لا الضالین** کہو تو آمین کہہ لو۔معلوم ہوا کہ مقتدی ولا الضالین کہے گا ہی نہیں۔دوسرے یہ کہ یہاں فرشتوں کی آمین کی موافقت سے مراد وقت میں موافقت نہیں بلکہ طریقہ ادا میں موافقت ہے۔فرشتوں کی آمین کا وقت تو وہ ہی ہے۔جب امام سورہ فاتحہ ختم کرتا ہے۔کیونکہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے ساتھ ہی نمازوں میں شریک ہوتے ہیں اور اسی وقت آمین کہتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱٤ تا ۱۸:۔ امام احمد۔ابوداؤد طیالسی۔ابو یعلی موصلی۔طبرانی۔دارقطنی اور حاکم نے مستدرک میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی حاکم نے فرمایا کہ اس کی اسناد نہایت صحیح ہے۔

عن وائل ابن حجر انہ صلی مع النبی ﷺ فلما غیر المغضوب علیھم و لا الضالین قال آمین واخفی بھا صوتہ۔

ترجمہ: حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔جب حضور ﷺ ولا الضالین پر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا آمین۔اور آمین میں آہستہ آواز رکھی۔

(مستدرک للحاکم ج ۲ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۲۹۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(مسند احمد ج ۴ ص ۳۱۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)،(مسند ابوداؤد الطیالسی ج ۱ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۱۰۲۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)،(طبرانی کبیر ج ۲۲ ص ۹ رقم الحدیث ۳۸)،(سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۵۷ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا سنت رسول ہے۔بلند آواز سے کہنا بالکل خلاف سنت ہے۔

حدیث نمبر ۱۹ تا ۲۱:۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال سمعت رسول الله ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولاالضالين فقال آمين و خفض به صوته۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو فرمایا آمین۔ اور آواز مبارک آہستہ رکھی۔

(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ماجاء فی التامین ج ۲ ص ۲۸ رقم الحدیث ۲۴۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۲۲ تا ۲۳:۔ طبرانی تہذیب الآثار میں اور طحاوی نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال لم يكن عمرو وعلي رضي الله عنهما يجهر ان بسم الله الرحمن الرحيم ولا بامين۔

ترجمہ: حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما نہ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھتے تھے نہ آمین۔

(جامع الرضوی بصحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۱ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

معلوم ہوا کہ آہستہ آمین کہنی سنت صحابہ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۲۴:۔ عینی شرح ہدایہ نے حضرت ابوعمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن عمر ابن الخطاب رضي الله عنه قال يحفي الامام اربعاً التعوذ وبسم الله وآمين وربنا لك الحمد۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ اعوذ باللہ۔ بسم اللہ۔ آمین اور ربنا لک الحمد۔

(عینی شراح ہدایہ ج ۱ ص ۶۲۰)

حدیث نمبر ۲۵:۔ بیہقی نے حضرت ابووائل سے روایت کی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

عن عبدالله قال يخفي الامام اربعاً بسم الله واللهم ربنا لك الحمد والتعوذ والتشهد۔

ترجمہ: امام چار چیزیں آہستہ کہے۔ بسم اللہ۔ ربنا لک الحمد۔ اعوذ اور التحیات۔

(طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۲ رقم الحدیث ۹۳۰۴ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

حدیث نمبر ۲۶:۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال اربع يخفيهن الامام التعوذ وبسم الله وسبحانك اللهم وآمين رواه محمد في الاثار وعبدالرزاق في مصنفه۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ و بسم اللہ۔ سبحانک اللہم اور آمین۔ یہ حدیث امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں اور عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں بیان کی۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۸۷ رقم الحدیث ۲۵۹۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

عقل بھی چاہتی ہے کہ آمین آہستہ کہی جاوے۔ کیونکہ آمین قرآن کی آیت یا کلمہ قرآن نہیں اسی لئے نہ جبریل امین اسے لائے۔ نہ قرآن کریم میں لکھی گئی۔ بلکہ دعا اور ذکر اللہ ہے تو جیسے کہ ثناء التحیات درود ابراہیمی۔ دعا ماثورہ وغیرہ آہستہ پڑھی جاتی ہیں۔ ایسے ہی آمین بھی آہستہ ہونی چاہئیے یہ کیا کہ تمام ذکر آہستہ ہوئے آمین پر تمام لوگ چیخ پڑے یہ چیخنا قرآن کے بھی خلاف ہے۔ احادیث صحیحہ کے بھی صحابہ کرام کے عمل کے بھی اور عقل سلیم کے بھی رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا بھی فرض ہوا اور اسے آمین کہنے کا بھی حکم ہو تو مقتدی سورہ فاتحہ کے درمیان میں ہو اور امام ولا الضالین کہہ دے اب اگر یہ مقتدی آمین نہ کہے تو اس سنت کے خلاف ہو اور اگر آمین کہے اور چیخے تو آمین درمیان میں آوے گی۔ قرآن میں غیر قرآن آوے گا۔ اور درمیان سورہ فاتحہ میں شور مچے گا۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک ہم نے غیر مقلدین کے جس قدر اعتراضات سنے ہیں۔ تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱ ......:۔ آمین دعا نہیں ہے۔لہذا اگر یہ بلند آواز سے کہے جاوے تو کیا حرج ہے۔رب تعالیٰ نے دعا آہستہ مانگنے کا حکم دیا ہے نہ کہ دیگر اذکار کا۔

جواب:۔ آمین دعا ہے۔اس کا دعا ہونا قرآن شریف سے ثابت ہے۔دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔

ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم۔

ترجمہ: اے رب ہمارے ان کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

(پارہ ۱۱ سورہ ۱۰ آیت نمبر ۸۸)

رب نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما۔

ترجمہ: رب نے فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کی گئی تو ثابت قدم رہو۔

(سورہ یونس آیت نمبر ۸۹)

فرمایئے دعا تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے مانگی تھی۔مگر رب نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔یعنی تمہاری اور حضرت ہارون علیہ السلام کی۔حضرت ہارون علیہ السلام نے دعا کب مانگی تھی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا پر آمین کہنا تھا۔رب نے آمین کو دعا فرمایا۔معلوم ہوا کہ آمین دعا ہے۔اور دعا آہستہ ہونی چاہیے۔یہ مسائل قرآنیہ میں سے ہے۔

اعتراض نمبر ۲ ......:۔ترمذی شریف میں حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال سمعت النبی ﷺ قرء غیر المغضوب علیھم ولا الضالین وقال آمین و مدبھا صوتہ۔

ترجمہ: میں نے نبی ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ نے غیر المغضوب علیھم والضالین پڑھا اور آمین فرمایا اپنی آواز کو اس پر بلند کیا۔

(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی التامین ج ۲ ص ۲۷ رقم الحدیث ۲۴۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ آمین بلند آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب:۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔اس میں مدارشاد ہو مد سے بنا۔اس کے معنے بلند کرنا نہیں۔بلکہ آواز کھینچنا ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے آمین بروزن کریم قصر سے نہ فرمائی۔بلکہ بروزن قالین الف اور میم خوب کھینچ پڑھی۔لہذا اس میں آپ کی کوئی دلیل نہیں۔ترجمہ کی غلطی ہے۔خیال رہے کہ مد کا مقابل قصر ہے۔خفاء کا مقابل ہے جہر۔رفع کا مقابل خفض۔اگر یہاں جہر ہوتا تو دلیل صحیح ہوتی۔جہر کسی روایت میں نہیں۔رب فرماتا ہے۔

انہ یعلم الجھر وما یخفی۔

ترجمہ: بے شک رب تعالیٰ جانتا ہے بلند اور پست آواز کو۔

(پارہ ۳۰ سورہ ۸۷ آیت نمبر ۷)

دیکھو رب نے یہاں خفاء کا مقابل جہر فرمایا نہ کہ مد۔

اعتراض نمبر ۳ ......:۔ابوداؤد شریف میں حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قرء ولا الضالین قال امین ورفع بھما صوتہ۔

ترجمہ: نبی ﷺ جب فرماتے ولا الضالین تو فرماتے تھے آمین اور اس میں آواز شریف بلند فرماتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۹۳۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہاں رفع فرمایا جس کے معنی ہیں اونچا کیا۔ بلند کیا معلوم ہوا کہ آمین اونچی آواز سے کہنا سنت ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اصل روایت میں مد ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں وارد ہوا۔ جس کے معنے کھینچنے کے ہیں۔ نہ کہ بلند کرنا۔ یہاں اسناد کے کسی راوی نے روایت بالمعنی کی مد کو رفع سے تعبیر فرمایا اور مراد وہی کھینچنا ہے نہ کہ بلند کرنا روایت بالمعنی کا عام دستور تھا۔ دوسرے یہ کہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایتوں میں نماز کا ذکر نہیں۔ صرف حضور ﷺ کی قراءت کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ نماز کے علاوہ خارجی قراۃ کا ذکر فرمایا ہو۔ مگر جو روایات ہم نے پیش کی ہیں۔ ان میں نماز کا صراحۃً ذکر ہے۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں اور یہ احادیث ہمارے خلاف نہیں۔ تیسرے یہ کہ آمین بالجہر اور آمین خفی کی احادیث میں تعارض ہے۔ مگر جہر والی روایتیں قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ لہذا چھوڑنے کے لائق ہیں اور آہستہ کی روایتیں قرآن کے مطابق ہیں۔ لہذا واجب العمل ہیں۔ چوتھے یہ کہ آہستہ آمین کی حدیثیں قابل عمل ہیں۔ اس کے خلاف قابل ترک۔ قرآنی آیتوں اور قیاس شرعی کا ذکر ہم پہلی فصل میں کر چکے ہیں۔ پانچویں یہ کہ آمین جہری والی حدیثیں قرآن شریف سے اور ان احادیث سے جو ہم پیش کر چکے ہیں۔ منسوخ ہیں۔ اسی لئے صحابہ کرام ہمیشہ آہستہ آمین کہتے تھے اور اسی کا حکم دیتے تھے۔ اور زور سے آمین کہنے سے منع کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلی فصل میں ذکر کیا گیا اگر جہر کی حدیثیں منسوخ نہیں تھیں۔ تو صحابہ نے عمل کیوں چھوڑ دیا۔

اعتراض نمبر ٤......: ۔ ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ اذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعھا اھل الصف الاول فیرتج بھا المسجد۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فرماتے تو آمین فرماتے۔ یہاں تک کہ پہلی صف والے سن لیتے تو مسجد گونج جاتی تھی۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۸ رقم الحدیث ۸۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ گونج بغیر شور نہیں پیدا ہوتی۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے حدیث پوری پیش نہیں کی۔ اول عبارت چھوڑ دی۔ وہ یہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابی ھریرۃ قال ترک الناس التامین وکان رسول اللہ ﷺ الخ۔

ترجمہ: لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دی۔ حالانکہ حضور ﷺ الخ۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۸ رقم الحدیث ۸۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس جملہ سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام نے بلند آواز سے آمین چھوڑ دی تھی۔ جس پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ شکایت فرما رہے ہیں اور صحابہ کا کسی حدیث پر عمل چھوڑ دینا اس حدیث کے نسخ کی دلیل ہے۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ تمہاری۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تو عقل اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اور جو حدیث عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ وہ قابل عمل نہیں خصوصاً جبکہ تمام احادیث مشہورہ اور آیات قرآنیہ کے بھی خلاف ہو۔

کیونکہ اس حدیث میں مسجد گونج جانے کا ذکر ہے۔ حالانکہ گنبد والی مسجد گونج پیدا ہوتی ہے۔ نہ کہ چھپر والی مسجد میں حضور انور ﷺ کی مسجد شریف آپ کے زمانہ میں معمولی چھپر والی تھی۔ وہاں گونج پیدا ہو ہی کیسے سکتی تھی۔ آج کوئی غیر مقلد صاحب کسی چھپر وا۔ لہٰذا

میں شور مچا کر گونج پیدا کر کے دکھادیں انشاءاللہ چیختے چیختے مرجاویں گے مگر گونج نہ پیدا ہوگی۔اس اعتراض کے باقی وہ جواب ہیں۔جو اعتراض نمبر۳ کے ماتحت عرض کیے گئے۔تیسرے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔رب فرماتا ہے **لاترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی** (پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت نمبر۲) اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اگر صحابہ نے اگلی اونچی آمین کہی کے مسجد گونج گئی تو ان کی سب کی آواز سے اونچی ہوگئی۔قرآن کریم کی صریح مخالفت ہوئی جو حدیث مخالف قرآن ہو قابل عمل نہیں۔

اعتراض نمبر ۵ ......: ۔بخاری شریف میں ہے۔

فقال عطاء امین دعاء امن ابن الزبیر ومن وراء حتی ان المسجد لجة۔

ترجمہ: حضرت عطا فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور حضرت ابن زبیر اور ان کے پیچھے والوں نے آمین کہی۔یہاں تک کہ مسجد میں گونج پیدا ہوگئی۔

(صحیح البخاری ج ۱ص ۱۰۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ آمین اتنی چیخ کر کہنا چاہیئے کہ مسجد گونج جاوے۔

جواب: ۔اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ اس کا پہلا جملہ ہمارے مطابق ہے۔کہ آمین دعا ہے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ دعا آہستہ مانگو دیکھو فصل اول۔دوسرے یہ کہ اس حدیث میں نماز کا ذکر نہیں نہ معلوم خارج نماز یہ تلاوت ہوئی یا نماز میں ظاہر یہ ہے کہ خارج نماز ہوگی۔تاکہ ان احادیث کے خلاف نہ ہو جو ہم نے پیش کیں۔تیسرے یہ کہ حدیث عقل ومشاہدے کے خلاف ہے۔کیونکہ پکی اور چھپر والی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہوسکتی۔لہذا واجب التاویل ہے۔جناب اگر قرآن کہ آیۃ بھی عقل شرعی اور مشاہدے کے خلاف ہو تو وہاں تاویل واجب ہوتی ہے۔ورنہ کفر لازم آجاتا ہے۔آیات صفات کو متشابہ مان کر صرف ایمان لاتے ہیں اس کے ظاہری معنی نہیں کرتے کیونکہ ظاہری معنی عقل شرعی کے خلاف ہیں۔جیسے:

یداللہ فوق ایدیھم۔

ترجمہ: ان کے ہاتھوں اللہ کا ہاتھ۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر۱۰)

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

ترجمہ: تم جدھر پھرو گے ادھر ہی اللہ کا منہ ہے۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر۱۱۵)

خدا کے لئے ہاتھ منہ ہونا عقل کے خلاف ہے۔لہذا یہ آیات واجب التاویل ہیں رب فرماتا ہے۔

فوجدھا تغرب فی عین حمئة۔

ترجمہ: ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے دیکھا۔

(پارہ ۱۶ سورہ ۱۸ آیت نمبر۸۶)

سورج کا ڈوبتے وقت آسمان سے اترنا اور کیچڑ میں ڈوبنا خلاف عقل تھا۔لہذا اس کی تاویل کی جاتی ہے۔یہ تاویل ہمارے حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔جناب حدیث پڑھنا اور ہے۔حدیث سمجھنا کچھ اور خلاصہ یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث صحیح مرفوع موجود نہیں جس میں نماز میں آمین بالجہر کی تصریح ہو ایسی صحیح حدیث نہ ملی ہے نہ ملے گی وہابیوں کو چاہیئے کہ ضد چھوڑیں اور صدق دل سے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑیں کہ یہ ہی حضور ﷺ کا راستہ ہے اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری عربی میں ملاحظہ فرماؤ۔

اعتراض نمبر ۶ ......: ۔آہستہ آمین کے متعلق آپ نے جس قدر حدیثیں پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف سے استدلال نہیں کرسکتے (وہی پرانا یاد کیا ہوا سبق) دیکھو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ترمذی والی روایت جو تم نے پیش کی۔اس کے متعلق امام ترمذی فرماتے ہیں۔

حديث سفيان اصح من حديث شعبة في هذا الى ان وقال وخفض بها صوته وانما هو مدبها صوته۔

ترجمہ: آمین کے بارے میں سفیان کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے شعبہ یہاں کہتے ہیں۔خفض یعنی حضور ﷺ نے پست آواز سے کہا حالانکہ یہاں مد ہے یعنی آواز کھینچ کر آمین فرمائی۔

(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء فی التامین ج ۲ ص ۲۸ رقم الحدیث ۲۴۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جواب:۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ مقلد تو ہوئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نہ سہی امام ترمذی کے سہی کہ ہر جرح آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں جناب اس حدیث کے ضعف کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آپ کے خلاف ہے۔اگر آپ کے حق میں ہوتی تو آنکھ بند کر کے مان لیتے آپ کے اس سوال کے چند جواب ہیں۔

ایک یہ کہ ہم نے آہستہ آمین کی چھبیس سندیں پیش کیں کیا سب سندیں ضعیف ہیں اور سب میں شعبہ راوی آرہے ہیں۔اور شعبہ ہر جگہ غلطی کررہے ہوں یہ ناممکن ہے۔دوسرے یہ کہ اگر یہ چھبیس اسنادیں ساری کی ساری ضعیف بھی ہوں۔جب بھی سب مل کر قوی ہوگئیں۔جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔تیسرے یہ کہ یہ شعبہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے بعد اسناد میں شامل ہوئے جن سے یہ حدیث ضعیف ہوئی۔امام صاحب کو یہی حدیث بالکل صحیح ملی تھی۔بعد کا ضعف پہلے والوں کو مضر نہیں۔چوتھے یہ کہ اگر پہلے سے ہی یہ حدیث ضعیف تھی۔جب بھی امام اعظم سراج امت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قبول فرما لینے سے قوی ہوگئی۔جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔پانچویں یہ کہ چونکہ اس حدیث پر عام امت مسلمہ نے عمل کر لیا ہے۔لہٰذا حدیث کا ضعف جاتا رہا اور حدیث قوی ہوگئی۔جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔چھٹے یہ کہ اس حدیث کی قرآن کریم تائید کررہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قرآن کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قرآن کی تائید کی وجہ سے قوی ہوگئی۔جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں ساتویں یہ کہ اس حدیث کی قیاس شرعی تائید کررہا ہے اور بلند آواز کی حدیث قیاس شرعی کے اور عقل شرعی کے خلاف ہے لہٰذا آہستہ آمین کی حدیث قوی ہے اور بلند آواز کی حدیث ناقابل عمل غرضکہ آہستہ آمین کی حدیث بہت قوی ہے۔اس پر عمل چاہئیے۔

اعتراض نمبر ۷ ......: ۔ابوداؤد شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو۔

قال آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول۔

ترجمہ: اس طرح آمین کہتے ہیں کہ صف اول میں جو آپ سے قریب ہوتا وہ سن لیتا۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۹۳۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ پہلی آپ کی روایتوں میں تھا کہ مسجد گونج جاتی تھی اور اس میں یہ آیا کہ صرف پیچھے والے ایک دو آدمی ہی سنتے تھے۔دوسرے یہ کہ اس حدیث کی اسناد میں بشر ابن رافع آرہا ہے۔اسے ترمذی نے کتاب الجنائز میں حافظ ذہبی نے میزان میں سخت ضعیف فرمایا احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ابن معین نے اس کی روایۃ کو موضوع قرار دیا۔امام نسائی نے اسے قوی نہیں مانا (دیکھو آفتاب محمدی لہٰذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے قابل عمل نہیں)۔

چھٹا باب

رفع یدین کرنا منع ہے

احناف اہل سنت کے نزدیک رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت دونوں ہاتھ اٹھانا خلاف سنت اور ممنوع ہے مگر وہابی غیر مقلدان دونوں وقت میں رفع یدین کرتے ہیں۔ اور اس پر بہت زور دیتے ہیں۔

لہذا ہم اس مسئلہ کو بھی دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جواب رب تعالٰی قبول فرماوے۔

پہلی فصل

نماز میں رکوع جاتے آتے رفع یدین کرنا مکروہ اور خلاف سنت ہے جس پر بے شمار احادیث اور قیاس مجتہدین وارد ہیں ہم ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ٤:۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال قال لنا ابن مسعود الا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ ﷺ فصلی ولم یرفع یدیه الا مرة واحدة مع تکبیر الافتتاح وقال الترمذی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبه یقول غیر واحد من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ والتابعین۔

ترجمہ: ایک دفعہ ہم سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے سامنے حضور ﷺ کی نماز نہ پڑھوں پس آپ نے نماز پڑھی۔ اس میں سوا تکبیر تحریمہ کے کبھی ہاتھ نہ اٹھائے۔ امام ترمذی نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے اس رفع یدین نہ کرنے پر بہت سے علماء صحابہ وعلماء تابعین کا عمل ہے۔

(سنن الترمذی کتاب الصلاۃ عن رسول اللہ ﷺ باب ما جاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرۃ ج ۲ ص ۴۰ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۷۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی کتاب الافتتاح باب ترک ذلک ج ۲ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۸۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۶۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۹۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

خیال رہے کہ یہ حدیث چند وجہ سے بہت قوی ہے۔ ایک یہ کہ اس کے راوی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو صحابہ میں بڑے فقیہہ عالم ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ جماعت صحابہ کے سامنے حضور ﷺ کی نماز پیش کرتے ہیں اور کوئی صحابی اس کا انکار نہیں فرماتے۔ معلوم ہوا کہ سب نے اس کی تائید کی۔ اگر رفع یدین سنت ہوتا تو صحابہ اس پر ضرور اعتراض کرتے کیونکہ ان سب نے حضور ﷺ کی نماز دیکھی تھی۔ تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف نہ فرمایا۔ بلکہ حسن فرمایا۔ چوتھے یہ کہ امام ترمذی نے فرمایا کہ بہت علماء صحابہ وتابعین رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان کے عمل سے اس حدیث کی تائید ہوئی۔ پانچویں یہ کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر عظیم الشان مجتہد وقت نے اس کو قبول فرمایا اور اس پر عمل کیا۔ چھٹے یہ کہ عام امت رسول ﷺ کا اس پر عمل ہے۔ ساتویں یہ کہ یہ حدیث قیاس وعقل کے بالکل مطابق ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ عرض کریں گے۔ انشاء اللہ ان وجوہ سے ضعیف حدیث بھی قوی ہو جاتی ہے چہ جائیکہ یہ حدیث تو خود بھی حسن ہے۔

حدیث نمبر ۵:۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کان النبی ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع یدیه ثم لا یرفعها حتی یفرغ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

خیال رہے کہ حدیث براء ابن عازب کو ترمذی نے اس طرح نقل فرمایا کہ فی الباب عن البراء۔

حدیث نمبر ۶:۔ ابوداؤد نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رایت رسول اللہ ﷺ رفع یدیه حین افتتح الصلوة ثم لم یرفعهما حتی انصرف۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نماز سے فارغ ہونے تک نہ اٹھائے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حدیث نمبر ۷:۔ طحاوی شریف نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی ﷺ انه کان یرفع یدیه فی اول تکبیرة ثم لا یعود۔

ترجمہ: وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ پھر کبھی نہ اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۸ تا ۱۴:۔ حاکم و بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ ترفع الایدی فی سبع مواطن عند افتتاح الصلوة و استقبال المیت و الصفا والمروة والموقفین والجمرتین۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں نماز شروع کرتے وقت کعبہ شریف کے سامنے منہ کرتے وقت صفاء مروہ پہاڑ پر اور دو موقف منا و مزدلفہ میں اور دونوں جمروں کے سامنے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۷۰ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۳ص ۲۳۸ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (کتاب الآثار امام ابو یوسف ص ۲۱ رقم الحدیث ۱۰۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہ حدیث ۱۰ بزار (کشف الاستار ج ۱ص ۲۵۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ ۱۱ ابن ابی شیبہ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض) نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیہقی ۱۲ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ۱۳ طبرانی (طبرانی کبیر ج ۱۱ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۰۷۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل) نے اور ۱۴ بخاری نے کتاب المفرد میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کچھ فرق سے بیان کی بعض روایات میں نماز عیدین کا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر ۱۵:۔ امام طحاوی نے حضرت مغیرہ سے روایت کی کہ میں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ شروع نماز میں اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے تو آپ نے جواب دیا۔

ان کان وائل راہ یفعل ذلک فقد راہ عبد اللہ خمسین مرة لا یفعل ذلک۔

ترجمہ: اگر حضرت وائل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ایک بار رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو پچاس دفعہ رفع یدین نہ کرتے دیکھا۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ص ۲۲۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت قوی ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ میں فقیہ عالم ہیں۔ حضور ﷺ کی صحبت میں اکثر رہنے والے نماز میں حضور ﷺ سے قریب تک کھڑے ہونے والے ہیں۔ کیونکہ حضور ﷺ کے قریب وہ کھڑے ہوتے تھے جو عالم و عاقل ہوتے تھے جیسا کہ روایات میں وارد ہے۔

حدیث نمبر ۱٦ تا ۱۷:۔ طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى من الصلوة۔

ترجمہ: کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نماز میں پہلی تکبیر کے سوا کسی وقت ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج اص ۲۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حاشیہ......☆

امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حدثنا الحميدى قال ثنا سفيان ثنا الزهرى قال اخبرنى سالم بن عبدالله عن ابيه قال رايت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه واذا ارادان يركع وبعد ما يرفع راسه من الركوع فلا يرفع رلا بين السجدتين۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے اور جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہ کرتے اور نہ سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے۔

(مسند حمیدی ج ۲ ص ۲۷۷ رقم الحدیث ۶۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

حدثنا وكيع عن ابى بكر بن عبدالله بن قطاف النهشلى عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة ثم لا يعود۔

ترجمہ: عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب سے روایت کرتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ صرف تکبیر تحریمہ میں ہی ہاتھوں کو اٹھاتے تھے پھر دوران نماز میں نہیں اٹھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا يحيى بن سعيد عن اسماعيل قال كان قيس يرفع يديه اول ما يدخل فى الصلوة ثم لا يرفعهما۔

ترجمہ: حضرت اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ امام قیس رحمۃ اللہ علیہ رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا وكيع واسامة عن شعبة عن ابى اسحاق قال كان اصحاب عبدالله واصحاب على لا يرفعون ايديهم الا فى افتتاح الصلوة۔

ترجمہ: امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہوں نے امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد صرف نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ پھر دوبارہ نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج اص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۴۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حاشیہ......☆

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن مبارك عن اشعث عن الشعبی انه كان يرفع يديه فی اول التكبير ثم لا يرفعهما۔

ترجمہ: اشعث فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہ آپ رفع یدین صرف نماز شروع کرتے وقت کرتے تھے پھر دوبارہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا يحيى بن آدم عن حسن بن عياش عن عبدالملك بن ابجر عن الزبير بن عدی عن ابراهيم عن الاسود قال صليت مع عمر فلم يرفع يديه فی شئی من صلاته الا حين افتتح الصلاة قال عبدالملك ورايت الشعبی وابراهيم وابا اسحاق لايرفعون ايديهم الا حين يفتتحون الصلاة۔

ترجمہ: اسود بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کیا اور عبدالملک نے کہا میں نے شعبی ابراہیم اور ابواسحاق کی اقتداء میں نماز پڑھی وہ سب صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا وكيع عن مسعر عن ابی معشر عن ابراهيم عن عبدالله انه كان يرفع يديه فی اول ما يستفتح ثم لا يرفعهما۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۳ رقم الحدیث ۲۴۴۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا وكيع عن شريك عن جابر عن الاسود وعلقمة انهما كانا يرفعان ايديهما اذا افتتحا ثم لا يعودان۔

ترجمہ: اسود اور علقمہ رحمہما اللہ صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے پھر نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۲۴۵۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنی ابن ابی داود قال ثنا احمد بن يونس قال ثنا ابوبكر بن عياش قال ما رايت فقيها قط يفعله يرفع يديه فی غير التكبيرة الاولی۔

ترجمہ: امام احمد بن یونس نے کہا بیان کیا ہم سے ابوبکر بن عیاش نے کہا میں نے کوئی ایسا فقیہ نہیں دیکھا جو کہ رفع یدین کرتا ہو سوائے تکبیر افتتاح۔

امام عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال مالك لااعرف رفع اليدين فی شئی من تكبير الصلاة لا فی خفض ولا فی رفع الا فی افتتاح الصلاة۔

ترجمہ: کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں کسی رفع یدین کو نہیں پہچانتا نماز تکبیر میں نہ جھکتے وقت اور نہ ہی اٹھتے ہوئے سوائے تکبیر افتتاح کے۔

(مدونۃ الکبری ج ا ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

مزید فرماتے ہیں۔

كان رفع اليدين عند مالك ضعيفا الا فی تكبيرة الا حرام۔

ترجمہ: یعنی امام ابن القاسم نے فرمایا کہ تکبیر افتتاح کے بغیر باقی رفع یدین امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک ضعیف ہے۔

(مدونۃ الکبری ج ا ص ۶۸ مطبوعہ مصر)

حدیث نمبر ۱۸:۔ عینی شرح بخاری نے حضرت عبداللہ ابن زبیر سے روایت کی۔

انہ رای رجلاً یرفع یدیہ فی الصلوۃ عند الرکوع وعند رفع راسہ من الرکوع فقال لہ لاتفعل فانہ شئی فعلہ رسول ا ثم ترکہ۔

ترجمہ: کہ آپ نے ایک شخص کو رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو کیونکہ یہ کام ہے جو حضور نے پہلے کیا تھا پھر چھوڑ دیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی مع الافتتاح تحت رقم الحدیث ۷۳۵ ج ۵ ص ۴۰۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے آگے پیچھے رفع یدین منسوخ ہے۔ جن صحابہ سے یا حضور ﷺ سے رفع یدین ثابت ہے وہ پہلا فعل ہے بعد میں منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۱۹۔۲۰:۔ بیہقی وطحاوی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ کان یرفع یدیہ فی التکبیرۃ الاولی من الصلوۃ ثم لا یرفع فی شیئی منھا۔

ترجمہ: کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی حالت میں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۱:۔ طحاوی شریف نے حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال راء یت عمر ابن الخطاب رفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لایعود وقال حدیث صحیح۔

ترجمہ: میں نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر میں ہاتھ اٹھائے پھر نہ اٹھائے امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۲:۔ ابوداؤد شریف نے حضرت سفیان سے روایت کی۔

حدثنا سفیان اسنادہ بھذا۔ قال فرفع یدیہ فی اول مرۃ وقال بعضھم مرۃ واحدۃ۔

ترجمہ: حضرت سفیان اسی اسناد سے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پہلی بات ہی ہاتھ اٹھائے بعض راویوں نے فرمایا کہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھائے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث نمبر ۲۳:۔ دارقطنی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ رای النبی ﷺ حین افتتح الصلوۃ رفع یدیہ حتی حاذی بھما اذنیہ ثم لم یعد الی شئی من ذالک حتی فرغ من صلوتہ۔

ترجمہ: کہ انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا جب کہ حضور ﷺ نے نماز شروع کی تو ہاتھ اتنے اٹھائے کہ کانوں کے مقابل کر دیئے پھر نماز سے فارغ ہونے تک کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۴:۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کی۔

انہ قال لا ترفع الایدی فی شیئی من صلوتک بعد المرۃ الاولی۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ پہلی بار کے سوا نماز میں کبھی ہاتھ نہ اٹھاؤ۔

(جامع الرضوی بصحیح البہاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۲۵:۔ بوداؤد نے براءابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیہ الی قریب من اذنیہ ثم لایعود۔

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تھے تو کانوں کے قریب تک ہاتھ اٹھاتے تھے پھر عود نہ کرتے۔

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

رفع یدین کی ممانعت کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ ہم نے یہاں بطور اختصار صرف پچیس روایتیں پیش کر دیں اگر شوق ہو تو موطا امام محمد۔ طحاوی شریف۔ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

آخر میں ہم حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ مناظرہ پیش کرتے ہیں۔ جو رفع یدین کے متعلق مکہ معظمہ میں امام اوزاعی سے ہوا۔ ناظرین دیکھیں کہ امام اعظم کس پایہ کے محدث ہیں اور کتنی قوی صحیح الاسناد حدیث پیش فرماتے ہیں۔

امام ابومحمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان ابن عیینہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ حضرت امام اعظم اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہما کی مکہ معظمہ کے دار الحناطین میں ملاقات ہوگئی۔ تو ان بزرگوں کی آپس میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ سنیے اور ایمان تازہ کیجئے۔ یہ مناظرہ فتح القدیر اور مرقات شرح مشکوٰۃ وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔

امام اوزاعی:۔ آپ لوگ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

امام ابوحنیفہ:۔ اس لئے کہ رفع یدین ان موقعوں پر حضور سے ثابت نہیں۔

امام اوزاعی: آپ نے یہ کیا فرمایا میں آپ کو رفع یدین کی صحیح حدیث سناتا ہوں۔

حدثنی الزھری عن سالم عن ابیہ عن رسول اللہ ﷺ انہ کان یرفع یدیہ اذا افتتح الصلوٰۃ وعند الرکوع وعند الرفع منہ۔

ترجمہ: مجھے زہری نے حدیث بیان کی انہوں نے سالم سے سالم نے اپنے والد سے انہوں نے نبی ﷺ سے کہ آپ ہاتھ اٹھاتے تھے جب نماز شروع فرماتے اور رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت۔

امام اعظم:۔ میرے پاس اس سے قوی تر حدیث اس کے خلاف موجود ہے۔

امام اوزاعی: اچھا فوراً پیش فرمایئے۔

امام اعظم: لیجئے سنیے۔

حدثنا حماد عن ابراھیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ ابن مسعود ان رسول اللہ ﷺ کان لایرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ثم لایعود لشئی من ذالک۔

ترجمہ: ہم سے حضرت حماد نے حدیث بیان کی انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسود سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا نبی ﷺ صرف شروع نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کسی وقت نہ اٹھاتے تھے۔

امام اوزاعی: آپ کی پیش کردہ حدیث کو میری پیش کردہ حدیث پر کیا فوقیت ہے جس کی وجہ سے آپ نے اسے قبول فرمایا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔

امام اعظم:۔ اس لئے کہ حماد:۔ زہری سے زیادہ عالم فقیہہ ہیں۔ اور ابراہیم نخعی سالم سے بڑھ کر عالم وفقیہہ ہیں۔ علقمہ سالم کے والد عبداللہ ابن عمر سے علم میں کم نہیں اسود بہت ہی بڑے متقی فقیہہ وافضل ہیں۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فقہ میں۔ قراۃ میں حضور ﷺ کی صحبت میں حضور ابن عمر سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کہ بچپن سے حضور کے ساتھ رہے۔

چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم وفضل میں زیادہ ہیں۔ لہذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے۔

امام اوزاعی: خاموش۔

(مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۵۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (جامع الرضوی بصحیح البخاری ج ۲ ص ۳۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

غیر مقلد وہابی صاحبان امام صاحب کی یہ اسناد دیکھیں اور اس میں کوئی نقص نکالیں امام اوزاعی کو بجز خاموشی کے چارہ کار نہ ہوا یہ ہے۔ امام اعظم کی حدیث دانی اور یہ ہے ان کی حدیث کی اسناد۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمانے کی توفیق دے۔ ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ لمبی لمبی اسنادیں اور ان میں ضعیف راویوں کی شرکت حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد کی پیداوار ہیں۔ امام صاحب نے جو حدیث قبول فرمائی وہ نہایت صحیح ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین نہ ہو کیونکہ تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ تکبیر تحریمہ میں رفع یدین ہو۔ اور تمام کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ سجدہ اور قعدہ کی تکبیروں میں رفع یدین نہ ہو۔ رکوع کی تکبیر میں اختلاف ہے دیکھنا چاہئیے کہ رکوع کی تکبیر تحریمہ کی طرح ہے یا سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کی تکبیر۔ تکبیر تحریمہ کی طرح نہیں۔ بلکہ سجدہ اور التحیات کی تکبیروں کی طرح ہے۔ کیونکہ تکبیر تحریمہ فرض ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور رکوع وسجدے کی تکبیریں سنت کہ ان کے بغیر بھی نماز ہو جاوے گی۔ تکبیر تحریمہ نماز میں صرف ایک دفعہ ہوتی ہے رکوع سجدے کی تکبیریں بار بار ہوتی ہیں۔ تکبیر تحریمہ سے اصل نماز شروع ہوتی ہے۔ رکوع سجدے کی تکبیروں سے رکن نماز شروع ہوتا ہے نہ کہ اصل نماز۔ تکبیر تحریمہ نمازی پر دنیاوی کام کھانا پینا وغیرہ حرام کرتی ہے رکوع سجدہ کی تکبیروں کا یہ حال نہیں ان سے پہلے ہی یہ حرمت آچکی ہے تو جو رکوع کی تکبیر سجدہ کی تکبیر کی طرح ہوئی نہ کہ تکبیر تحریمہ کی طرح تو چاہئیے کہ رکوع کی تکبیر کا بھی وہ ہی حال ہو۔ جو سجدہ کی تکبیر کا حال ہے۔ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا۔ لہذا حق یہ ہے کہ رکوع میں رفع یدین ہرگز نہ کرے۔

(از طحاوی۔ شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع حل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خلاصہ:۔ یہ ہے کہ رفع یدین بوقت رکوع حضور ﷺ کی سنت اور حضرات صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے عمل کے خلاف ہے عقل شرعی کے بھی مخالف جن روایات میں رفع یدین آیا ہے وہ تمام منسوخ ہیں۔ جیسا کہ حدیث نمبر ۱۸ میں صراحۃً مذکور ہے یا وہ سب مرجوع اور ناقابل عمل ہیں۔ ورنہ احادیث میں سخت تعارض واقع ہوگا۔

یہ بھی خیال رہے کہ نماز میں سکون واطمینان چاہئیے۔ بلاوجہ حرکت وجنبش مکروہ اور سنت کے خلاف ہے۔ اس ہی لئے نماز میں بلا ضرورت پاؤں ہلانا۔ انگلیوں کو جنبش دینا ممنوع ہے۔

رفع یدین میں بلا ضرورت جنبش ہے۔ تو رفع یدین کی حدیثیں سکون نماز کے خلاف ہیں اور ترک رفع کی حدیثیں سکون نماز کے موافق۔ لہذا عقل کا بھی تقاضا ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیثوں پر عمل ہو۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے اب تک مسئلہ رفع یدین پر جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں۔ہم نہایت متانت سے تفصیل وار مع جوابات عرض کرتے ہیں۔رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱ ......:۔رفع یدین نہ کرنے کے متعلق جس قدر روایات پیش کی گئیں وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیث قابل عمل نہیں ہوتی۔(وہی پرانا سبق)

جواب:۔ جی ہاں۔صرف اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں اگر آپ کے حق میں ہوتیں تو اگرچہ من گھڑت موضوع بھی ہوتیں۔آپ کے سر وآنکھوں پر ہوتیں جناب آپ کی ضعیف ضعیف کی رٹ نے لوگوں کو حدیث کا منکر بنادیا واسطہ رب کا یہ عادت چھوڑو۔ہم ضعیف کے بہت جوابات پچھلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲ ......:۔ابوداؤد کی براء ابن عازب رضی اللہ عنہ والی حدیث کے متعلق خود ابوداؤد نے فرمایا:

هذا الحديث ليس بصحيح۔

ترجمہ: یہ حدیث صحیح نہیں۔

(سنن ابوداؤد ج۱ص۲۰۰رقم الحدیث ۷۵۲مطبوعہ دارالفکر بیروت)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر آپ نے اسے پیش کیوں فرمایا۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضعیف ہو صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن بنفسہ حسن لغیرہ کا درجہ بھی ہے۔ابوداؤد نے صحت کا انکار کیا ہے نہ کہ ضعف کا دعویٰ۔دوسرے یہ کہ ابوداؤد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں جرح مبہم ہے انہوں نے صحیح نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ کون سا راوی ضعیف ہے اور کیوں ضعیف ہے جرح مبہم معتبر نہیں۔ہم ابوداؤد کے مقلد نہیں کہ ان کی ہر جرح آنکھ میچ کر مان لیں۔

اعتراض نمبر ۳ ......:۔ابوداؤد آپ کی پیش کردہ حدیث نمبر ۲۵ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں یزید ابن ابی زیاد ہیں۔جن کو آخر عمر بھول کی بیماری ہوگئی تھی۔انہوں نے بڑھاپے میں فرمایا۔ثم لا یعود ورنہ اصل حدیث میں یہ الفاظ موجود نہیں لیجئے جرح مفصل حاضر ہے۔اب یہ حدیث یقیناً ضعیف ہے۔جو قابل عمل نہیں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یزید ابن ابی زیاد ابوداؤد کی اس روایت میں ہیں مگر امام صاحب ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد میں نہیں تو یہ اسناد ابوداؤد کو ضعیف ہو کر ملی مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو صحیح ہو کر ملی تھی۔ابوداؤد کا ضعف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے مضر کیوں ہوگا۔۲دوسرے یہ کہ رفع یدین نہ کرنے کی حدیث بہت اسنادوں سے مروی ہے سب میں یزید ابن زیاد موجود نہیں۔اگر یہ اسناد ضعیف ہے تو باقی اسنادیں کیوں ضعیف ہوں گی۔تیسرے یہ کہ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرمایا۔اور بہت صحابہ کا اس پر عمل بیان کیا۔آپ کی نظر ابوداؤد کے ضعف کہنے پر تو گئی مگر امام ترمذی کے حسن فرمانے پر نہ گئی اور صحابہ کے عمل پر نہ گئی یہ کیوں چوتھے کہ یہ اگر اس حدیث کی ساری اسنادیں بھی ضعیف ہوں تب بھی سب ضعیف اسنادیں مل کر قوی ہو جائیں گی۔جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں۔پانچویں یہ کہ عام علماء اولیاء جمہور ملت اسلامیہ کا رفع یدین نہ کرنے پر عمل رہا اور ہے اس سے بھی یہ حدیث قوی ہو جاتی

ہے۔ سواء مٹھی بھر وہابیوں کے سب ہی اس پر عامل ہیں تعجب ہے کہ آپ کی ڈیڑھ آدمیوں کی جماعت تو حق پر ہو مگر عام امت رسول اللہ گمراہی پر۔ خیال رہے کہ دنیا میں پچانوے فی صدی مسلمان حنفی المذہب ہیں اور پانچ فی صدی دیگر مذاہب اس اندازہ کی صحت حرمین طیبین جا کر معلوم ہوتی ہے۔ جہاں ہر ملک کے مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ بچارے وہابی تو کسی شمار میں نہیں۔ یہ شاید ہزار میں ایک ہوں گے۔ سرکار فرماتے ہیں۔

ماراہ المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔

ترجمہ: جسے عامۃ المومنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(امام حاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۸۳۔۸۴ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البحر الزخار، معروف بمسند البزار ج ۵ ص ۲۱۲۔۲۱۳ رقم الحدیث ۱۸۱۶ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (مسند احمد ج ۱ ص ۶۳۶ رقم الحدیث ۳۵۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۷۵ رقم الحدیث مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (اعلام الموقعین ابن جوزی ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (مسند الطیالسی ص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (کتاب الآثار امام محمد حاشیۃ ابوالوفاء افغانی ج ۲ ص ۱۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۶۔۱۸۷ رقم الحدیث ۱۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۴۵ رقم الحدیث ۲۲۱۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (المقاصد حسنہ امام سخاوی ص ۴۳۶ رقم الحدیث ۹۵۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اور فرماتے ہیں ﷺ۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النار۔

ترجمہ: میری امت کے بڑے گروہ کی پیروی کرو جو بڑی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ جائے گا۔

(حاکم للمستدرک کتاب العلم ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ما جاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

خیال رہے کہ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ حنفی سب ایک گروہ ہے کہ عقائد سب کے ایک ہیں سب مقلد ہیں۔ غیر مقلد مٹھی بھر جماعت مسلمانوں سے عقائد میں بھی علیحدہ ہیں۔ اعمال میں بھی جداگانہ لہذا حنفیوں کی کوئی حدیث ضعیف ہو سکتی ہی نہیں۔ امت کے عمل سے قوی ہے۔ دیکھو مقدمہ۔

اعتراض نمبر ۴ ......: تمہاری پیش کردہ حدیث نمبر ا جو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی وہ مجمل ہے کیونکہ اس میں نماز کا سارا طریقہ بیان نہ کیا گیا۔ صرف فرمایا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صرف ایک دفعہ ہاتھ اٹھایا آگے کیا کیا یہ مذکور نہیں اور مجمل حدیث نا قابل عمل ہوتی ہے (ڈیرہ غازی خاں کے ایم لائق وہابی)۔

جواب: جناب یہ حدیث مجمل نہیں۔ مطلق نہیں۔ عام نہیں۔ مشترک لفظی۔ یا معنوی نہیں بلکہ حدیث مختصر ہے۔ مختصر پر عمل کو کس نے منع کیا اور مجمل بھی بعد بیان متکلم قابل عمل بلکہ واجب العمل ہو جاتی ہے کیونکہ مجمل بیان متکلم کے بعد محکم ہو جاتی ہے۔

ہمارا اعلان۔ دنیا بھر کے وہابی غیر مقلدوں کو اعلان ہے کہ مطلق۔ عام۔ مشترک معنوی۔ مشترک لفظی میں فرق بتائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کی جامع مانع تعریف کریں۔ کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اصول فقہ، منطق کو ہاتھ نہ لگائیں۔

وہابیو! تم حدیث کے غلط ترجمے کئے جاؤ۔ تمہیں ان علمی چیزوں سے کیا تعلق کسی حنفی عالم سے مجمل کا لفظ سن لیا ہوگا۔ تو دھونس جمانے کے لئے یہاں اعتراض جڑ دیا اور اس میں یہ سنا ہوا لفظ استعمال کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے علوم کے دریا تو مقلدین کے سینوں میں بہائے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵ ......: ابوداؤد۔ ترمذی۔ دارمی ابن ماجہ نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث نقل کی۔ جس میں رفع یدین کے متعلق عبارت یہ ہے۔

ثم یکبر ویرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یرکع ویضع راحتیه علی رکبتیه ثم یرفع راسه فیقول سمع الله لمن حمده ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه الخ۔

ترجمہ: پھر آپ تکبیر کہتے تھے اور اپنے ہاتھ اتنے اٹھاتے کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھتے پھر اپنا سر اٹھاتے پھر کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے۔

(سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج ۱ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے جماعت صحابہ میں یہ حدیث پیش کی۔ جس میں بوقت رکوع رفع یدین کا ذکر ہے اور سب نے ان کی تصدیق کی معلوم ہوا کہ رفع یدین حضور کا فعل ہے اور صحابہ کی تصدیق و عمل لہذا اس پر عمل ہم کو بھی چاہیے۔ (نوٹ یہ حدیث وہابی غیر مقلد کی انتہائی دلیل ہے۔ جس پر انہیں بہت ناز ہے)۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں غور سے ملاحظہ کرو۔ ایک ایہ کہ یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی اسناد ابوداؤد وغیرہ میں یہ ہے۔

حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ۔ وهذا حدیث احمد قال حدثنا عبدالحمید یعنی ابن جعفر اخبرنی محمد ابن عمر وابن عطاء قال سمعت ابا حمید الساعدی فی عشرة الخ۔

ترجمہ: ہم سے مسدد نے حدیث بیان کی وہ فرماتے ہیں ہمیں یحییٰ نے حدیث سنائی۔ احمد نے فرمایا کہ ہمیں عبدالحمید ابن جعفر نے وہ کہتے ہیں کہ مجھے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے دس صحابہ کی جماعت میں سنا۔

(سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج ۱ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان میں سے عبدالحمید ابن جعفر سخت مجروح وضعیف ہیں۔ دیکھو طحاوی۔ دوسرے محمد ابن عمرو ابن عطاء نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اور کہہ دیا میں نے ان سے سنا ہے لہذا یہ غلط ہے۔ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ گیا۔ جو مجہول ہے (شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع هل مع ذلک رفع ام لا ج ۱ص ۲۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) ان دو نقصوں کی وجہ سے یہ حدیث ہی نا قابل عمل ہے مگر چونکہ آپ کے موافق ہے۔ اس لئے آپ کو مقبول ہے۔ کچھ تو شرم کرو۔

دوسرے یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں یہ بھی ہے۔

ثم اذا قام من الرکعتین کبر رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه کما کبر عند افتتاح الصلوة۔

ترجمہ: پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے تو تکبیر فرماتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے مقابل ہو جاتے جیسے کہ نماز کے شروع پر کیا تھا۔

(سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج ۱ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فرماؤ آپ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔

تیسرے یہ کہ جب ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث صحابہ کے مجمع میں پیش کی تو ان بزرگوں نے فرمایا جو ابوداؤد میں ہے۔

قالوا فلما فوالله ما کنت باکثرنا له تبعة و اقدمنا له صحبة قال بلیٰ۔

ترجمہ: انہوں نے فرمایا کہ تم ہم سے زیادہ حضور کی نماز کے کیسے واقف ہو گئے نہ تو تم ہم سے زیادہ حضور کے ساتھ رہے نہ ہم سے پہلے تم صحابی بنے تو ابوحمید بولے۔ ہاں ایسا ہی ہے۔

(سنن ابوداؤد باب افتتاح الصلوۃ ج ۱ص ۱۹۴ رقم الحدیث ۷۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ابوحمید نہ تو صحابہ میں فقیہہ و عالم ہیں نہ انہیں حضور کی زیادہ صحبت میسر ہوئی اور سیدنا عبداللہ ابن مسعود عالم فقیہہ صحابی ہیں۔ جو حضور ﷺ کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ وہ رفع یدین کے خلاف روایت کرتے ہیں۔ تو یقیناً ابوحمید کی روایت کے مقابل میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ معتبر ہے۔ جیسا کہ تعارض احادیث کا حکم لہذا تمہاری یہ حدیث بالکل نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور نے آخر حیات شریف تک رفع یدین کیا۔ صرف یہ فرمایا کہ حضور ایسا کرتے تھے۔ مگر کب تک اس سے خاموشی ہے۔ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ رفع یدین کی حدیثیں منسوخ ہیں۔ لہذا یہ اس منسوخ حدیث کا بیان ہے کہ ایک زمانہ میں حضور ایسا کرتے تھے۔ اب لائق عمل نہیں۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے خلاف ہے اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قیاس کے مطابق لہذا وہ حدیث واجب العمل ہے اور تمہاری یہ روایت واجب الترک کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس شرعی سے ایک کو ترجیح ہوتی ہے۔ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ایک حدیث میں ہے۔

الوضوء مما مسته النار۔

ترجمہ: آگ کی پکی چیز کے استعمال سے وضو کرنا واجب ہے۔

(سنن ابوداؤد باب فی ترک الوضوء مما مست النار ج ۱ ص ۵۰ رقم الحدیث ۱۹۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوسری حدیث شریف میں وارد ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کھانا ملاحظہ فرما کر بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ یہاں حدیثوں میں تعارض ہوا تو پہلی حدیث چھوڑ دی گئی کہ قیاس کے خلاف ہے دن رات گرم پانی سے وضو کیا جاتا ہے۔ دوسری حدیث واجب العمل ہوئی کہ قیاس کے مطابق ہے ایسے ہی یہاں ہے۔

چھٹے یہ کہ عام صحابہ کرام کا عمل تمہاری پیش کردہ حدیث کے خلاف رہا جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے معلوم ہوا کہ صحابہ کی نظر میں رفع یدین کی حدیث منسوخ ہے۔

ساتویں یہ کہ ابوحمید ساعدی کی اس روایت میں عبدالحمید ابن جعفر اور محمد ابن عمرو ابن عطاء ایسے غیر معتبر راوی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ چنانچہ امام ماروی نے جوہر نقی میں فرمایا کہ عبدالحمید منکر الحدیث ہے۔ یہ امام ماروی وہ ہیں۔ جنہیں یحیٰ ابن سعید فرماتے ہیں۔ **ھو امام الناس فی ھذا الباب** حدیث کے فن میں وہ امام ہیں۔ محمد ابن عمر ایسا جھوٹا راوی ہے۔ کہ اس کی ملاقات ابوحمید ساعدی سے ہرگز نہ ہوئی۔ مگر کہتا ہے سمعت میں نے ان سے سنا۔ ایسے جھوٹے آدمی کی روایت موضوع یا کم سے کم اول درجہ کی مدلس ہے۔ نیز اس حدیث کی اسناد میں سخت اضطراب ہے اسناد بھی مضطرب ہے اور متن بھی۔ چنانچہ عطاف ابن خالد نے جب یہ روایت کی تو محمد ابن عمرو اور ابوحمید ساعدی کے درمیان ایک مجہول الحال راوی بیان کیا لہذا یہ حدیث مجہول بھی ہے غرضیکہ اس حدیث میں ایک نہیں بہت خرابیاں ہیں۔ یہ منکر بھی ہے۔ مضطرب بھی مدلس یا موضوع بھی ہے۔ مجہول بھی ہے۔ دیکھو حاشیہ ابوداؤد یہ ہی مقام ایسی روایت تو نام لینے کے قابل بھی نہیں۔ چہ جائیکہ اس سے دلیل پکڑی جاوے۔

آٹھویں یہ کہ بخاری نے بھی ابوحمید ساعدی کی یہ روایت لی ہے۔ مگر نہ اس میں ایسے راوی ہیں نہ وہاں رفع یدین کا ذکر ہے۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب صفۃ الصلوۃ اگر ان کی روایت میں رفع یدین کا ذکر درست ہوتا تو امام بخاری ہرگز نہ چھوڑتے۔ بہر حال تمہاری یہ حدیث کسی لحاظ سے بھی توجہ کے قابل نہیں۔

حنفی بھائیو! رفع یدین غیر مقلد وہابیوں کا چوٹی کا مسئلہ ہے اور یہ حدیث ابوحمید ساعدی مایہ ناز دلیل ہے جو وہابیوں کے بچہ بچہ کو حفظ

ہوتی ہے عام حنفی لوگ ان کی لن ترانیاں دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ ان کے دلائل بڑے خوب قوی ہیں۔الحمد للہ کہ اس دلیل کے پرخچے اڑ گئے اب وہابی یہ حدیث پیش کرنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔

خیال رہے کہ وہابیوں کی کسی اسناد کا مجروح ہوجانا وہابیوں کے لئے قیامت ہے کیونکہ ان کے مذہب کی بنیاد صرف انہیں اسنادوں پر ہی ہے اگر ایک اسناد غلط ہوگئی تو سمجھو کہ ان کے مذہب کی آنکھ پھوٹ گئی کیونکہ ان بیچاروں کا سواء ان اسنادوں کے کوئی سہارا نہیں یہ بے پیرے۔بے مرشدے بے نورے اس آیت کے مصداق ہیں۔رب فرماتا ہے۔

ومن يضلل فلن تجدله وليا مرشدا۔

ترجمہ: جسے اللہ گمراہ کرے اسے نہ کوئی ولی ملے نہ پیر مرشد۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۱۷)

نیز رب فرماتا ہے۔

ومن يلعن الله فلن تجد له نصيراً۔

ترجمہ: جس پر خدا لعنت کرتا ہے اس کا کوئی مددگار نہیں۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۵۲)

لیکن احناف کی حدیث کی کسی اسناد کے مجروح ہونے سے احناف پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہمارے مسائل فقیہہ کا دارومدار ان اسنادوں پر نہیں۔بلکہ حضرت امام الآئمہ کاشف الغمہ سراج امہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے فرمان پاک پر ہے۔وہ امام اعظم جوامت کا چراغ ہے امام بخاری وعام محدثین کے استادوں کا استاد ہے۔جس کے زیر دامن ہزارر ہا اولیاء اور علماء ہیں جس کا مذہب ہر اس جگہ موجود ہے جہاں دین رسول اللہ موجود ہے۔ان کے قول ہمارے مسائل کی دلیل ہیں۔امام اعظم کی دلیلیں آیات قرآنیہ اور وہ صحیح احادیث ہیں۔جن پر نہ کوئی خدشہ ہے نہ غبار کیونکہ امام اعظم حضور ﷺ سے بہت قریب زمانہ میں ہیں۔

مثال:۔ دیکھو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی میراث تقسیم نہ فرمائی حالانکہ قرآن کریم میں تقسیم میراث کا حکم ہے۔جب ان کی خدمت میں یہ سوال ہوا تو فرمایا کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔چونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود براہ راست یہ حدیث سنی تھی بیدھڑک اس پر عمل کیا اگر اس حدیث سے ہم استدلال کرتے تو ہم کو ہزار ہا مصیبتیں پیش آجائیں۔اسناد پر ہزار ہا قسم کی جرح ہوجاتی مگر صدیق اکبر کی آنکھوں نے خاموش قرآن میں تقسیم میراث کا حکم دیکھا تھا۔لیکن ان کے کانوں نے بولتے ہوئے قرآن ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس حکم سے انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔جیسے صدیق اکبر کی حدیث جرح وقدح سے پاک ہے۔ایسے ہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات جرح وقدح سے پاک کہ ان کا زمانہ حضور ﷺ سے متصل ہے لہذا وہابیوں کے لئے یہ اسنادیں آفت ہیں ہم مقلدوں پر جن جرحوں کا کوئی اثر نہیں۔دیکھو ہم نے پہلی فصل میں جو امام اعظم رضی اللہ عنہ کی اسناد پیش کی سبحان اللہ کیسی پاکیزہ اسناد ہے کیا کسی وہابی میں ہمت ہے کہ اسناد پر جرح کرسکے۔

اعتراض نمبر ۶ ......:۔بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة واذا كبر للركوع واذا رفع راسه من الركوع رفعهما كذلك وقال سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد وكان لا يفعل ذالك في السجود۔

ترجمہ: بے شک رسول اللہ ﷺ ہاتھ شریف کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔جب نماز شروع فرماتے اور جب رکوع کے لئے تکبیر

فرماتے۔اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تھے۔تب بھی ایسے ہی ہاتھ اٹھاتے تھے اور فرماتے تھے سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد اور سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ا ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ حدیث مسلم و بخاری کی ہے۔نہایت صحیح الاسناد ہے۔جس سے رفع یدین رکوع کے وقت بھی ثابت ہے۔اور بعد رکوع بھی۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ اس حدیث میں یہ تو ذکر ہے کہ حضور ﷺ رفع یدین کرتے تھے۔مگر یہ ذکر نہیں کہ آخر وقت تک حضور کا یہ فعل شریف رہا۔ہم بھی کہتے ہیں کہ واقعی رفع یدین اسلام میں پہلے تھا بعد کو منسوخ ہوگیا۔اس حدیث میں اس منسوخ فعل شریف کا ذکر ہے۔اس کا منسوخ ہونا ہم پہلی فصل میں بیان کرچکے۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام نے رفع یدین کرنا چھوڑ دیا۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کی نظر میں رفع یدین منسوخ ہے۔چنانچہ دار قطنی میں صفحہ ۱۱۱ پر سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت مع النبی ﷺ ومع ابی بكر ومع عمر فلم يرفعوا ايديهم الا عند التكبيرة الاولى فی افتتاح الصلوة۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں ان حضرات نے شروع نماز تکبیر اولی کے سوا اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔

(سنن الدار قطنی ج ا ص ۲۹۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مسند ابو یعلی ج ۸ ص ۴۵۳ رقم الحدیث ۵۰۳۹ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۷۹ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۲ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

فرماؤ جناب اگر رفع یدین سنت باقیہ ہے تو ان بزرگوں نے اس پر عمل کیوں چھوڑ دیا۔تیسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کا خود اپنا عمل اس کے خلاف کہ آپ رفع یدین نہ کرتے تھے۔جیسا کہ ہم پہلی فصل میں نقل کرچکے اور جب راوی کا اپنا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ حدیث خود راوی کے نزدیک منسوخ ہے ہم پہلی فصل میں یہ بھی دکھا چکے کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہ کرتے تھے۔ان صحابہ کے عمل نے اس حدیث کا نسخ ثابت کیا۔چوتھے یہ کہ رسالہ آفتاب محمدی میں ہے کہ یہ حدیث ابن عمر سے چند اسنادوں سے مروی ہے اور وہ سخت ضعیف ہیں کیونکہ ایک روایت میں یونس ہے جو سخت ضعیف ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔اس کی دوسری اسناد میں ابو قلابہ ہے جو خارجی المذہب یعنی ناجی دیکھو تہذیب تیسری اسناد میں عبداللہ ہے یہ پکا رافضی تھا۔چوتھی اسناد میں شعیف ابن اسحاق ہے یہ بھی مرجیہ مذہب کا تھا۔غرضیکہ رفع یدین کی حدیثوں کے راوی روافض بھی ہیں کیونکہ یہ روافض کا عمل ہے وہ رفع یدین کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۷ ......:۔بخاری شریف نے حضرت نافع سے روایت کی۔

ان ابن عمر كان اذا اخل فی الصلوة كبر رفع يديه واذا قال سمع الله لمن حمده رفع يديه و اذا قام من الركعتين رفع يديه ورفع ذالك ابن عمر الى النبی ﷺ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع لمن حمدہ کہتے جب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے تب بھی دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے اور اس فعل کو آپ نبی ﷺ کی طرف مرفوع کرتے تھے۔

(صحیح البخاری ج ا ص ۱۰۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

دیکھو سیدنا عبداللہ ابن عمر بوقت رکوع رفع یدین کرتے تھے۔ رفع یدین سنت صحابہ بھی ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کہ اس میں دو رکعتوں سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین ثابت ہے۔ تم لوگ صرف رکوع پر کرتے ہو۔ دو رکعتوں سے اٹھتے وقت نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی وہ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔ اب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے دو فعل نقل ہوئے بوقت رکوع ہاتھ اٹھانا۔ اور نہ اٹھانا ان دونوں حدیثوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ نسخ کی خبر سے پہلے آپ ہاتھ اٹھاتے تھے اور نسخ کی خبر کے بعد نہ اٹھاتے تھے کیونکہ اس حدیث میں وقت کا ذکر نہیں کہ کب اور کس زمانہ میں اٹھاتے تھے لہذا دونوں حدیثیں جمع ہو گئیں۔ چنانچہ طحاوی شریف میں ہے۔

فقد یجوز ان یکون ابن عمر فعل ما راہ طاوس قبل ان تقوم الحجة عندہ بنسخه ثم قامت الحجة عندہ بنسخه وترکه وفعل ماذکرہ عنه مجاھد۔

ترجمہ: جائز ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رفع یدین جو طاؤس نے دیکھا ثبوت نسخ سے پہلے کیا۔ پھر جب سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کے نسخ کی تحقیق ہو گئی تو چھوڑ دیا اور وہ کیا۔ جو مجاہد نے دیکھا۔ (رفع یدین نہ کرنا)

(شرح معانی الآثار باب التکبیر للرکوع والتکبیر للسجود والرفع من الرکوع ھل مع ذلک رفع الامام ج۱ ص۲۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بہر حال ہمارے نزدیک دونوں حدیثیں درست ہیں مختلف وقتوں میں مختلف عمل ہیں۔ مگر وہابیوں کو ایک حدیث چھوڑنے سے دونوں کو جمع کرنا بہتر ہے۔

اعتراض نمبر ۸......: مسلم شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فلما قال سمع اللہ لمن حمدہ رفع یدیه فلما سجد سجدبین کفیه۔

ترجمہ: جب حضور ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب سجدہ کیا تو دونوں ہاتھوں کے بیچ میں کیا۔

اس سے بھی رفع یدین ثابت ہے۔

جواب:۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ صرف ایک بار ہاتھ اٹھانے کی روایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ابن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے۔ جنہوں نے ایک آدھ بار حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی انہیں نسخ احکام کی خبر بمشکل ہوتی تھی۔ مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیشہ حضور ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ بڑے عالم وفقیہہ صحابی تھے۔ نیز حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پیچھے آخری صف میں کھڑے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صف اول میں خاص حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہونے والے صحابی ہیں کیونکہ حضور ﷺ کے پیچھے علماء فقہاء صحابہ کھڑے ہوتے تھے خود سرکار ﷺ نے حکم دیا تھا کہ۔

لیلنی منکم اولو الاحکام والنھی۔

ترجمہ: تم میں سے مجھ سے قریب وہ رہے جو علم وعقل والا ہو۔

چنانچہ مسند امام اعظم میں ہے کہ کسی نے ابراہیم نخعی سے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کی متعلق دریافت کیا۔ جس میں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیا ہے تو حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے نفیس جواب دیا۔

فقال اعرابی لایعرف شرائع الاسلام ولم یصل مع النبی ﷺ الا صلوة واحدة وقد حدثنی من لا احصی

عن عبداللہ ابن مسعود انہ کان یرفع یدیہ فی بدء الصلوۃ فقط وحکاہ عن النبی ﷺ وعبداللہ عالم بشرائع الاسلام وحدودہ متفقد احوال النبی ﷺ ملازم لہ فی اقامتہ واسفارہ وقد صلی مع النبی ﷺ مالا یحصی۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ دیہات کے رہنے والے تھے اسلام کے احکام سے پورے واقف نہ تھے حضور ﷺ کے ساتھ ایک آدھ ہی نماز پڑھ سکے اور مجھ سے بے شمار شخصوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آپ صرف ابتداء نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہ حضور ﷺ سے نقل فرماتے تھے۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ احکام اسلام سے خبردار حضور ﷺ کے حالات کی تحقیقی خبر رکھنے والے۔ حضور ﷺ کے سفر وحضر کے ساتھی تھے۔ انہوں نے حضور ﷺ کے ساتھ بے شمار نمازیں پڑھیں۔

(مسند امام اعظم کتاب الصلوۃ ص ۴۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۸۲ رقم الحدیث ۲۳۶۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

خلاصہ یہ کہ عالم وفقیہہ اور حضور ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے صحابی کی روایت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت قابل عمل ہے۔ اور اس روایت کے مقابل سیدنا وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت نا قابل عمل انہوں نے رفع یدین کے نسخ سے پہلے کا فعل ملاحظہ کیا اور وہ ہی نقل فرمادیا۔

اعتراض نمبر ۹ ......: ۔گر تکبیر تحریمہ کے سواء رفع یدین نہ کرنا چاہئے تو آپ لوگ نماز عید اور نماز وتر میں رکوع کے وقت رفع یدین کیوں کرتے ہو کیا وہ دونوں نمازیں نماز نہیں۔ (بعض ڈیرہ غازی خانی وہابی)۔

جواب:۔ اس سوال آپ کی بے بسی ظاہر ہورہی ہے۔ احادیث میں تو آپ رہ گئے اب لگے۔ اٹکل پچو بہانہ بنانے۔ جناب یہاں گفتگو اس رفع یدین میں ہے۔ جسے آپ سنت نماز یا سنت رکوع سمجھے بیٹھے ہیں۔ عیدین اور وتر کے رفع یدین سنت رکوع نہیں بلکہ نماز عید اور دعا قنوت کی سنتیں ہیں۔ اسی لئے عید میں ایک رکعت میں تین بار رفع یدین ہوتا ہے اور وتر میں رکوع سے پہلے نہیں بلکہ دعا قنوت سے پہلے ہوتا ہے جیسے نماز عید میں خطبہ، جماعت وغیرہ اور نماز وتر میں دعا قنوت تین رکعت وغیرہ خصوصی صفات ہیں۔ ایسے ہی چھ تکبیریں اور چھ دفعہ رفع یدین نماز عید کی خصوصیت ہے اگر نماز پنجگانہ کو نماز عید یا نماز وتر پر قیاس کرتے ہو تو اے وہابیو ہر رکوع پر تین دفعہ رفع یدین کیا کرو اور ہر نماز میں دعا قنوت پڑھا کرو۔

اعتراض نمبر ۱۰ ......: ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورہ کوثر شریف نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ اے جبرئیل علیہ السلام نحر کیا چیز ہے جس کا مجھے نماز کے ساتھ حکم دیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اس نحر سے مراد قربانی نہیں بلکہ۔

اذا تحرمت للصلوۃ ان ترفع یدیك اذا کبرت واذا رکعت واذا رفعت راسك من الرکوع فانھا صلوتنا وصلوۃ الملئکۃ الذین فی السموت السبع۔

ترجمہ: جب آپ نماز کی تکبیر تحریمہ کہیں تو اپنے ہاتھ اٹھائیں اور جب رکوع کریں اور جب اپنا سر اٹھائیں کیونکہ یہ ہی ہماری نماز ہے اور ان فرشتوں کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے جیسے نماز کا حکم دیا ہے۔ ویسے ہی رفع یدین کا بھی حکم دیا لہذا رفع یدین ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے نماز ضروری کہ رب نے فرمایا فصل لربک وانحر۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی رفع یدین کرتے ہیں تو جو لوگ رفع یدین نہ کریں وہ حضور ﷺ کے بھی مخالف ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی اور فرشتوں کے بھی۔ فرش وعرش پر رفع یدین ہوتا ہے تم لوگ ایک امام ابوحنیفہ کی پیروی میں ان تمام مقدسین کی مخالفت نہ کرو۔

نوٹ ضروری:۔ ڈیرہ غازی خاں کے وہابی غیر مقلدوں کی طرف سے رفع یدین کے متعلق ایک ٹریکٹ مفت تقسیم ہوا مجھے بھی بھیجا گیا اس میں یہ اعتراض بہت جوش کے لب ولہجہ میں مذکور ہے اب تک پرانے وہابیوں کو نہ سوجھا تھا۔

جواب:۔ وہابی جی تم نے تمہارے کسی ہم نوا نے جھوٹی حدیث گھڑ تو لی۔ مگر گھڑنا نہ آئی جھوٹ بولنے کے لئے بھی سلیقہ درکار ہے۔ تمہاری اس گھڑی ہوئی حدیث نے ہی تمہارے مذہب کا بیڑا غرق کر دیا۔ چونکہ تم نے اس کی اسناد بیان نہ کی اس لئے اسناد پر بحث نہیں کی جاسکتی اور نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا گھڑنے والا کون ہے۔ البتہ متن حدیث پر چند طرح گفتگو ہے۔

ایک یہ کہ آپ نے نحر کے معنی کیئے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھانا یہ لغت کی کون سی کتاب سے ثابت ہیں۔ نحر کے معنی ہاتھ سے اٹھانا۔ رکوع پہلے اور بعد اتنے معنی کی پوٹلی ایک لفظ نحر میں کس نے بھر دی۔ کیا حضرت جبریل علیہ السلام کو لغت عرب کی بھی خبر نہ تھی جو نحر کے معنے یہ بتا گئے پھر نبی ﷺ اور اہل بیت اطہار نے بھی نہ پوچھا کہ اے جبریل علیہ السلام نحر کے یہ انوکھے معنی کہاں سے لئے گئے۔ اور کیسے لئے گئے لغت کا حوالہ پیش کرو۔ اگر قرآن وحدیث کے معنی ایسے ہونے شروع ہو گئے تو دین کا رب ہی حافظ ہے۔ صلوۃ کے معنی روٹی کھانا۔ زکوۃ کے معنی پانی پینا حج کے معنی کپڑے پہننا۔ صوم کے معنی چار پائی پر سونا۔ جہاد کے معنی دوکانداری کرنا کرلو۔ چلو اسلام کے پانچواں ارکان ختم۔ ذرا شرم کرو اپنے نامہذب مذہب کو بنانے کے لئے کیوں ایسی حدیثیں گھڑتے ہو۔

دوسرے یہ کہ یہاں نحر۔ صلوۃ پر معطوف ہے۔ اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ تو چاہیئے کہ نحر سے مراد رفع یدین نہ ہو کہ یہ نماز کا جزء ہے۔ نہ کہ نماز کا غیر۔

تیسرے یہ کہ جب وانحر کے معنی ہوئے رفع یدین کرو اور یہ امر قرآن کریم میں نماز کے حکم کے ساتھ مذکور ہوا تو چاہیئے نماز فرض قطعی ہے کہ اس کا منکر دین سے خارج ہو جاتا ہے ایسے ہی رفع یدین فرض قطعی ہو کہ اس کے سارے منکر کافر ہوں تو تم اور تمہاری ساری جماعت اسے فرض کیوں نہیں کہتے۔ صرف سنت کیوں کہتے ہو اور جب غیر مقلد حنفیوں میں پھنسیں تو رفع یدین چھوڑ کیوں دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر رفع یدین کرنا بھی سنت ہے نہ کرنا بھی جس پر چاہو عمل کرلو بتاؤ اس کی فرضیت کے منکر ہو کر تمام وہابی کون ہوئے۔

چوتھے یہ کہ کسی محدث نے رفع یدین کو فرض قطعی نہ کیا۔ امام ترمذی نے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث کو حسن فرما کر فرمایا کہ اس پر بہت علماء صحابہ وتابعین کا عمل ہے۔ فرماؤ امام ترمذی اور سارے محدثین رفع یدین کی فرضیت کی انکار کر کے تمہارے نزدیک اسلام کے دائرہ میں رہے یا نہیں اور اب ان کی کتب سے حدیث لینا شرعاً جائز ہے یا نا جائز۔

پانچویں یہ کہ ہم پہلی فصل میں دلائل سے ثابت کر چکے کہ حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضٰی۔ عبداللہ ابن عباس۔ عبداللہ ابن عمر۔ عبداللہ ابن مسعود۔ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس سے سخت منع فرماتے تھے تو اتنا بڑا فریضہ قرآنی جو نماز کی طرف فرض ہوا ان صحابہ پر مخفی رہا اور آج چودہ سو برس کے بعد ڈیرہ غازی خاں کے ایک مولوی کو معلوم ہوا۔ حیرت در حیرت کا باعث ہے یا نہیں۔

چھٹے کہ تم نے یہ گھڑی ہوئی حدیث حضرت امیر المومنین مولاء کائنات علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت کی تو حیرت ہے کہ حضرت علی خود یہ روایت بیان فرماتے ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کرتے ہیں کہ رفع یدین نہیں فرماتے آخر خود کیوں عمل چھوڑ دیا۔

ساتویں یہ کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے وانحر کے معنی پوچھے اور پھر خود اس پر عمل نہ فرمایا۔ جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے چاہیئے تو یہ تھا کہ رفع یدین کی ایسی ہی تبلیغ فرمائی جاتی۔ جیسے نماز کی فرضیت کی تبلیغ کی گئی اور رفع یدین نہ کرتے

والوں پر ایسے ہی جہاد کیا جاتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ نے زکوۃ کے منکروں پر فرمایا۔ ملاجی حدیث گھڑنے سے پہلے تمام اونچ نیچ سوچ سمجھ لینی چاہیے۔

مسلمانو! غور کرو یہ ہے ان لوگوں کی اتباع حدیث جو ہم سے ہر مسئلہ پر بخاری ومسلم کی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے ایسی بے تکی حدیثیں گھڑ لینے میں خوف خدا نہیں کرتے۔ شاید اہل حدیث کے معنی ہیں۔ حدیث بنانے والے۔ حدیث ڈھالنے والے۔

اعتراض نمبر ۱۱ ......: ۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اذا ثبت حديث فهو مذهبي۔

ترجمہ: جب کوئی حدیث ثابت ہو جاوے تو وہ ہی میرا مذہب ہے۔

چونکہ رفع یدین قرات خلف الامام کے متعلق ہم کو ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول حدیث کے خلاف ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا قول دیوار سے مار دیا اور حدیث رسول پر عمل کیا خود تحقیق کر کے حدیث پر عمل کرنا یہ ہی حنفیت ہے (عام وہابی)

جواب: ۔ جی ہاں اور خاص کر جبکہ حدیث کے محقق آپ جیسے محققین (حقہ پینے والے) ہوں جنہیں استنجا کرنے کی تمیز نہیں جو بخاری کو بکھاری۔ مسلم کو مسلم حدیث کو حدیث فرمائیں۔ جناب حضرت امام نے آپ جیسے بزرگوں کو یہ کھلی اجازت نہیں دی۔ امام کے فرمان کا ترجمہ یہ ہے۔

اذا ثبت حديث فهو مذهبي۔

ترجمہ: جب کوئی حدیث ثابت ہوگی تو وہ میرا مذہب ہوئی ہے۔

یعنی اے مسلمانوں ہم نے ہر مسئلہ پر حدیث رسول تلاش کی۔ اور اس کے ہر پہلو پر ہر طرح غور وخوض و بحث تمحیص کی۔ اسناد اور متن پر خوب گرما گرم جرح وقدح کی جب ہر طرح ثابت ہوئی تو اسے اپنا مذہب بنایا گیا۔ یہ مذہب بہت پختہ اور تحقیقی ہے۔ لہذا تم خود حدیث کے سمندر میں نہ کودنا ایمان کھو بیٹھو گے۔ ہمارے نکالے ہوئے موتی استعمال کرنا۔ سمندر سے موتی نکالنا ہر ایک کا کام نہیں۔ صرف غواص کا کام ہے۔ اگر پنساری کی دکان کی دوائیں بیمار اپنی رائے سے استعمال کرے گا تو وہ ہلاک ہو جاوے گا۔ حکیم کی تجویز سے استعمال کرو۔ قرآن حدیث روحانی دواؤں کا دواخانہ ہے۔ امام اعظم طبیب اعظم ہیں۔ قرآن وحدیث کی دوائیں ہوں۔ امام برحق مجتہد کی تجویز ہو۔ دیکھو پھر فائدہ ہوتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام کے فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ میں نے شریعت کے سارے قوانین ومسائل بغیر سوچے سمجھے انکل پچو بیان کر دیئے ہیں۔ اے ناسمجھ نادانوں تم حدیث کے غلط سلط ترجمے کرتے جاتا اور مذہب میں فتنے پھیلاتے جاتا جب ایک قابل طبیب بغیر تحقیق اور بغیر سوچے سمجھے ایک بیمار کے لئے نسخہ نہیں لکھتا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے حکیم ملت سراج امت نے آنکھیں بند کر کے بغیر قرآن وحدیث دیکھے روحانی نسخے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے کیسے لکھ دیئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

☆............☆

ساتواں باب

وتر واجب ہیں اور تین رکعت ہیں

وتر کے معنی ہیں طاق عدد یعنی جس کے برابر دو حصے نہ ہوسکیں۔ جیسے تین پانچ سات وغیرہ اس کا مقابل ہے۔ شفع یعنی جفت عدد جو دو برابر حصوں پر تقسیم ہو جاوے اصلاح شریعت میں وتر اس طاق نماز کو کہا جاتا ہے۔ جو بعد نماز عشاء خواہ تہجد میں یا عشاء کے بعد پڑھی جاتی ہے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ وتر واجب ہے کہ اس کا چھوڑنے والا سخت گنہگار ہے۔ اس کی قضاء لازم۔ اور وتر کی تین رکعتیں ہیں۔ غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ وتر واجب نہیں سنت غیر موکدہ یعنی نفل ہے اور وتر ایک رکعت ہے۔ مذہب حنفی حق ہے اور وہابیوں کا قول باطل محض ہم یہاں اصل بحث تو وتر کی تین رکعتوں پر کرنا ہے اس سے پہلے ضمنی طور پر وتر کے وجوب پر چند حدیثیں پیش کرتے ہیں۔☆

وتر واجب ھیں

حدیث نمبر ۱ تا ۳:۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق علی کل مسلم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا ہر مسلمان پر وتر لازم ہیں۔

(سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر ج ۲ ص ۶۲ رقم الحدیث ۱۴۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۸ رقم الحدیث ۱۷۱۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۷۶ رقم الحدیث ۱۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

☆......حاشیہ

وتر پڑھنا واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ترک نہ فرمایا اور اس کے چھوڑنے پر وعید بھی سنائی ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا الوتر حق فمن لم یوتر۔

ترجمہ: وتر حق ہے اور جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر حق ہے جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے وتر حق ہے اور جو وتر ادا نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر ج ۲ ص ۶۲ رقم الحدیث ۱۴۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

کل لیل اوتر رسول اللہ ﷺ وانتھی وترہ الی السحر۔

حضور ﷺ نے ہر رات نماز وتر ادا کی ہے اور آپ ﷺ کی نماز وتر کا وقت سحری تک رہتا۔

(سنن ابوداؤد باب فی وقت الوتر ج ۲ ص ۶۶ رقم الحدیث ۱۴۳۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مذکورہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ وتر واجب ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان کے ترک کرنے پر وعید سنائی ہے اور اپنی زندگی میں ان کو کبھی ترک نہیں کیا اور واجب کا ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن خلیل بن مرۃ عن معاویۃ بن قرۃ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من لم یوتر فلیس منا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۲ رقم الحدیث ۶۸۶۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ٤:۔ بزار نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ا الوتر واجب علی کل مسلم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر وتر واجب ہیں۔

حدیث نمبر ٥۔٦:۔ ابوداؤد و حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا۔

قال سمعت رسول اللہ ا یقول الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وتر لازم ضروری ہیں۔ جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ا ص ۴۴۸ رقم الحدیث ۱۱۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) (سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر ج ۲ ص ۶۲ رقم الحدیث ۱۴۱۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۳۵۷ رقم الحدیث ۲۳۰۶۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۲ رقم الحدیث ۶۸۶۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۷:۔ عبداللہ ابن احمد نے عبدالرحمٰن ابن رافع تنوخی سے روایت کی کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ جب شام میں تشریف لائے تو ملاحظہ فرمایا کہ شام کے لوگ وتر میں سستی کرتے ہیں۔ تو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی شکایت کی کہ شامی لوگ وتر کیوں نہیں پڑھتے۔

فقال معاویة اواجب ذلک علیهم قال نعم سمعت رسول اللہ ﷺ یقول زادنی ربی عزوجل صلوة هی الوتر فیما بین العشاء الی طلوع الفجر۔

ترجمہ: تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا مسلمانوں پر وتر واجب ہیں معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے رب نے ایک نماز زاوردی ہے جو وتر ہے عشاء اور فجر کے طلوع کے درمیان۔

(جامع الرضوی صحیح البھاری ج ۲ ص ۵۵۴ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۸:۔ ترمذی نے حضرت زید ابن اسلم سے مرسلاً روایت کی۔

قال رسول اللہ ﷺ من نام عن وتره فلیصل اذا اصبح۔

ترجمہ: جو وتر چھوڑ کر سو جائے وہ صبح کے وقت اس کی قضاء پڑھ لے۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۳۰ رقم الحدیث ۴۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ا ص ۴۴۳ رقم الحدیث ۱۱۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۹ تا ١٤:۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد۔ ابن حبان۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ شرط شیخین پر ہے۔

قال قال رسول اللہ ﷺ الوتر حق واجب علی کل مسلم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ وتر لازم ہے۔ واجب ہے۔ ہر مسلمان پر۔

(سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر ج ۲ ص ۶۲ رقم الحدیث ۱۴۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۸ رقم الحدیث ۱۷۱۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب) (سنن ابن ماجہ ج ا ص ۳۷۶ رقم الحدیث ۱۱۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ا ص ۴۴۵ رقم الحدیث ۱۱۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۶ ص ۱۶۷ رقم الحدیث ۲۴۰۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

ان احادیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ ایک یہ کہ وتر نفل نہیں۔ بلکہ واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ وتر کی قضا واجب ہے اور ظاہر ہے کہ قضا صرف فرض یا واجب کی ہوتی ہے نفل کی قضا نہیں وجوب وتر کی بہت احادیث ہیں ہم نے صرف ۱۴ روایتیں پیش کیں۔

وتر تین رکعت ھیں

حدیث نمبر ۱ تا ٤:۔ نسائی شریف۔طحاوی۔طبرانی نے صغیر میں۔حاکم نے مستدرک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے مسلم و بخاری کی۔

قالت کان رسول اللہ ﷺ یوتر بثلث لا یسلم الا فی اخرھن۔

ترجمہ: فرمائی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھتے تھے نہ سلام پھیرتے تھے مگر آخر میں۔

(مستدرک للحاکم کتاب الوتر ج ۱ ص ۴۴۷ رقم الحدیث ۱۱۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن نسائی ج ۳ ص ۲۴۰ رقم الحدیث ۱۷۱۷ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۵۔٦:۔ دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ وتر اللیل ثلث کوتر النھار صلوۃ المغرب۔

ترجمہ: فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ رات کے وتر تین رکعت ہیں۔جیسے دن کے وتر نماز مغرب۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۰ رقم الحدیث ۴۵۹۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد قال الامام الہیثمی رواہ الطبرانی فی الکبیر و رجالہ رجال الصحیح ج ۲ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حدیث نمبر ۷:۔ طحاوی شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ وتر پڑھتے تھے تین رکعتیں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۱۵۰ رقم الحدیث ۱۲۷۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

حدیث نمبر ۸:۔ نسائی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ ایک شب میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ رات کو بیدار ہوئے اور وضو فرمایا۔مسواک کی۔اور یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرماتے تھے۔ان فی خلق السموت الخ پھر دو رکعتیں نفل پڑھیں۔

ثم عاد فنام حتی سمعت نفخہ ثم قام فتوضاء واستاك ثم صلی رکعتین ثم قام فتوضا و استاك وصلی رکعتیں واوتر بثلث۔

ترجمہ: پھر آپ دوبارہ سو گئے یہاں تک کہ میں نے حضور ﷺ کے خراٹے سنے پھر اٹھے اور مسواک کی پھر دو رکعتیں پھر اٹھے اور وضو مع مسواک کیا اور دو رکعتیں پڑھیں اور تین رکعت وتر پڑھے۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۷ رقم الحدیث ۱۷۰۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)،

حدیث نمبر ۹۔۱۳:۔ ترمذی۔نسائی۔دارمی۔ابن ماجہ۔ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال کان النبی ﷺ یقرء فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی وقل یایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد فی رکعتہ رکعتہ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ۔اور قل یاایہا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھا کرتے تھے۔ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورت۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۲۵ رقم الحدیث ۴۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۱۷۰۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۷۰ رقم الحدیث ۱۱۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۴۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۴ رقم الحدیث ۶۸۸۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۱۴ تا ۱۸:۔ ترمذی شریف۔ابوداؤد۔ابن ماجہ۔نسائی۔امام احمد بن حنبل نے حضرت عبدالعزیز بن ابن جریج۔ عبدالرحمٰن ابن ابزی سے روایت کی۔

قال سالنا عائشة بای شیئی کان یوتر رسول اللہ ﷺ فقالت کان یقرء فی الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیة بقل یا یها الکافرون وفی الثانیة بقل هو اللہ احد والمعوذتین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ وتر میں کیا پڑھا کرتے تھے۔تو آپ نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ دوسری میں قل ایہا الکافرون تیسری میں قل ہواللہ اور فلق وناس۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۴۴ رقم الحدیث ۱۷۳۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۲۶ رقم الحدیث ۴۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۷۰ رقم الحدیث ۱۱۷۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳ رقم الحدیث ۱۴۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۳ رقم الحدیث ۶۸۷۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸ رقم الحدیث ۴۶۳۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مسند احمد ج ۳ ص ۴۰۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

حدیث نمبر ۱۹:۔ نسائی شریف نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ان رسول اللہ ﷺ یقرء فی الوتر بسبح اسم ربك الاعلی وفی الرکعة الثانیة قل یایها الکافرون وفی الثانیة بقل هو اللہ احد ولا یسلم الا فی آخرهن۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ وتر میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور دوسری رکعۃ میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہواللہ پڑھا کرتے تھے۔اور سلام نہ پھیرتے تھے۔مگر ان تینوں رکعتوں کے آخر میں۔

(سنن نسائی ج ۳ ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۱۷۰۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۳ رقم الحدیث ۱۴۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۷۰ رقم الحدیث ۱۱۷۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۵ رقم الحدیث ۶۸۸۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸ رقم الحدیث ۴۶۳۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۲۰:۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال اجمع المسلمون علیٰ الوتر ثلث لا یسلم الا فی آخرهن۔

ترجمہ: اس پر سارے مسلمان متفق ہیں کہ وتر تین رکعتیں ہیں نہ سلام پھیرے۔مگر ان کے آخر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۱۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۲۱:۔ الطحاوی شریف نے حضرت ابوخالد سے روایت کی۔

قال سالت ابا العالیة عن الوتر فقال علمنا اصحاب رسول اللہ ﷺ ان الوتر مثل صلوة المغرب هذا وتر اللیل وهذا وتر النهار۔

ترجمہ: میں نے حضرت ابوالعالیہ سے وتر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ہم سب صحابہ رسول اللہ ﷺ تو یہ ہی جانتے ہیں کہ وتر نماز مغرب کی طرح ہیں۔یہ رات کے وتر ہیں مغرب کے دن وتر۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حاشیہ......☆

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو معاویة عن ابن جریر عن اسماعیل بن محمد بن سعید عن ابن السباق ان ابن عمر دفن ابا بکر لیلا ثم دخل المسجد فاوتر بثلاث۔

حاشیہ......☆

ترجمہ: ابن السباق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا۔ پھر تین رکعت وتر پڑھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۸۹ رقم الحدیث ۶۸۲۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا هشيم عن حميد عن انس انه كان يوتر بثلاث ركعات۔

ترجمہ: حمید بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۸۹ رقم الحدیث ۶۸۲۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا هشيم قال اخبرنا عبدالملك بن ابی سليمان عن ابی عبدالرحيم عن زاذان ابی عمر ان عليا كان يفعل ذلك۔

ترجمہ: زازان بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اخیر شب میں تین رکعت وتر بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۲۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن مهدی عن سليمان بن حيان عن ابی غالب قال كان ابو امامة يوتر بثلاث ركعات۔

ترجمہ: ابوغالب بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۲۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا زيد بن حباب عن ابی الزبير عن مكحول عن عمر بن الخطاب انه اوتر بثلاث ركعات لم يفصل بينهن بسلام۔

ترجمہ: مکحول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان کے درمیان سلام سے فصل نہیں کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وكيع عن حماد بن سلمة عن ثابت عن انس انه اوتر بثلاث لم يسلم الا فی اخرهن۔

ترجمہ: ثابت بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تین رکعت وتر پڑھے اور صرف ان کے آخر میں سلام پھیرا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۱ رقم الحدیث ۶۸۴۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۲۶ رقم الحدیث ۴۶۶۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا اسود بن عامر اخبرنا ابوبكر عن ابی اسحاق عن الحرث عن علی رضی الله عنه ان النبی ﷺ كان يوتر بثلاث۔

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی اکرم ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۸۹ رقم الحدیث ۶۸۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں۔

اخبرنا سلام بن سليم الحنفی عن ابی حمزة عن ابراهيم النخعی عن علقمة قال قال عبدالله بن

حاشیہ.....☆

مسعود اھون ما یکون ثلاث رکعات۔

ترجمہ: حضرت علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وتر کم از کم تین رکعت ہیں۔

(الحجہ للشیبانی ج ا ص ۱۹۷۔۱۹۸ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں۔

عن عمر بن الخطاب انه قال ما احب انی ترکت الوتر بثلاث وان لی حمر النعم۔

ترجمہ: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میں تین رکعت وتر چھوڑوں اگرچہ ان کے بدلے مجھے سرخ اونٹوں کا خزانہ مل جائے۔

(الحجہ للشیبانی ج ا ص ۱۹۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

امام ابوعمر یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

اخبرنا عبدالله بن محمد بن یوسف اخبرنا احمد بن محمد بن اسماعیل بن الفرج قال حدثنا ابی قال حدثنا الحسن بن سلیمان قبیطة حدثنا عثمان بن ربیعة بن ابی عبدالرحمان حدثنا عبدالعزیز بن محمد الداروردی عن عمرو بن یحیی عن ابیه عن ابی سعید ان رسول الله ﷺ نهی عن البتیراء ان یصلی الرجل رکعة واحدة یوتر بها۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے بتیرا (دم کٹا) سے منع فرمایا ہے اور وہ یہ کہ آدمی ایک رکعت پڑھے اور اسے وتر قرار دے۔

(تمہید ابن عبدالبر ج ۱۳ ص ۲۵۴ مطبوعہ وزارۃ عموم الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ المغرب)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا حفص عن عمرو عن الحسن قال اجمع المسلمون علی ان الوتر ثلاث لا یسلم الا فی آخرهن۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں اور ان کی صرف آخری رکعت میں سلام پھیرا جاتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابوبکر بن عیاش عن طلق بن معاویة عن علقمة قال الوتر ثلاث۔

ترجمہ: علقمہ نے کہا وتر تین رکعت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا زید بن حباب عن اسماعیل بن عبدالملك عن سعید بن جبیر انه کان یوتر بثلاث ویقنت فی الوتر قبل الرکوع۔

ترجمہ: سعید بن جبیر تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن هشام بن الغاز عن مکحول انه کان یوتر بثلاث لا یسلم فی رکعتین۔

یہ اکیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ وتر کی تین رکعتوں پر بہت زیادہ حدیثیں موجود ہیں۔ اگر تفصیل ملاحظہ کرنا ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری ملاحظہ فرمائیے ان احادیث سے یہ پتہ لگا کہ حضور انور ﷺ کا عمل شریف تین رکعت وتر پر تھا۔ تمام صحابہ کا یہ ہی عمل رہا اور اس تین رکعت پر سارے مسلمان متفق رہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ تینوں رکعتیں ایک سلام سے پڑھے۔ مگر نفس امارہ پر چونکہ نماز گراں ہے اس تلے ہوائے نفس والوں نے صرف ایک رکعت وتر پڑھ کر سو رہنے کی عادت ڈالی۔ ناظرین نے ان مذکورہ احادیث میں دیکھ لیا کہ حضور وتر کی پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ دوسری میں فلاں سورت تیسری میں فلاں وہابی حضرات بتائیں کہ اگر وتر ایک رکعت ہے تو یہ سورتیں کیسے پڑھی جاوینگی۔

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ وتر ایک رکعت نہ ہو کیونکہ وتر نماز نہ تو فرض ہے نہ نفل۔ بلکہ واجب ہے اس کا پڑھنا ضروری ہے نہ پڑھنے والا فاسق ہے۔ لیکن اس کے وجوب کا انکار کفر نہیں واجب کا یہ ہی حکم ہے اور ہر غیر فرض عبادت کی مثال فرض عبادت میں ضرور ہونی چاہیے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی غیر فرض عبادت بالکل جداگانہ ہو کہ اس کی مثال فرض میں نہ ہو۔ یہ شریعت کا عام قاعدہ ہے جو زکوۃ حج وغیرہ میں جاری ہے اگر وتر ایک رکعت ہوتی چاہیے تھا کہ کوئی فرض نماز بھی ایک رکعت ہوتی۔ حالانکہ کوئی فرض نماز ایک رکعت نہیں۔ فرض تو کیا کوئی نفل وسنت موکدہ وسنت غیر موکدہ بھی ایک رکعت نہیں۔ نماز فرض یا تو دو رکعت ہے۔ جیسے فجر یا چار رکعت جیسے ظہر۔ عصر۔ عشاء یا تین رکعت جیسے مغرب وتر نہ تو چار رکعت ہوسکتی ہیں۔ نہ دو کہ یہ عدد شفع ہیں۔ وتر نہیں تو لامحالہ تین ہی رکعت چاہیے۔ ایک رکعت نماز اسلامی قانون کے خلاف ہے جس کی مثال کسی نماز میں نہیں ملتی۔ ایک رکعت نامکمل ہے ناقص ہے۔ بیترا ہے۔ غرضیکہ ایک رکعت وتر عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی امت ما اجماع صحابہ کرام کا عمل۔ حضور ﷺ کا فرمان سب ہی اس کے خلاف ہے۔

دوسری فصل ......اس پر اعتراضات وجوابات

مسئلہ وتر پر اب تک جس قدر دلائل غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے ہم کو ملے ہم سب نمبر وار مع جواب عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱ ......: ۔ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت كان رسول الله ﷺ يوتر بواحدة ثم يركع ركعتين ال۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔ پھر بعد وتر دو نفل پڑھتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۷۲ رقم الحدیث ۱۱۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت چاہیے۔ حضور ﷺ نے یہ ہی پڑھی ہے۔

حاشیہ......☆

ترجمہ: مکحول تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وكيع عن زياد بن مسلم قال سالت ابا العالية وخلاسا عن الوتر فقالا اصنع فيه كما يصنع في المغرب۔

ترجمہ: زیاد بن مسلم کہتے ہیں میں نے ابو العالیہ سے وتر کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا مغرب کی نماز کی طرح وتر پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۹۰ رقم الحدیث ۶۸۳۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

جواب:۔ آپ نے حدیث کا ترجمہ غلط کیا۔جس کی وجہ سے یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہوگئی۔جن میں تین رکعتوں کا ذکر ہے اور احادیث آپس میں متعارض ہوگئیں۔حدیث کا ترجمہ ایسا کرنا چاہیے۔جس سے احادیث متفق ہوجاویں۔اس حدیث شریف میں ب استعانۃ کی ہے جیسے کتبت بالقلم میں نے قلم سے لکھا کیونکہ اوتر باب افعال متعدی بنفسہ ہے تو حدیث کے معنے یہ ہوئے کہ حضور ﷺ نے نماز تہجد کو وتر یعنی طاق بنایا ایک رکعت کے ذریعہ سے اس طرح کہ دو رکعتوں کے ساتھ ایک رکعت ملائی جس سے نماز تہجد کا عدد جفت سے طاق بن گیا۔مثلاً آٹھ رکعت تہجد ادا فرمائی یہ عدد جفت تھا پھر تین رکعۃ وتر پڑھی تو وتر کی تیسری رکعۃ کے سبب کل رکعتیں گیارہ ہوگئیں۔جو طاق ہیں اس تمام نماز کو طاق بنانے والے وتر کی یہ ایک رکعت ہے۔جو دو سے مل کر ادا ہوئی۔اس صورت میں یہ حدیث گزشتہ تمام احادیث کے موافق ہوگئی۔میں غیر مقلدوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر تمہارے معنی کئے جاویں تو ان احادیث کا کیا جواب دوگے جن میں صراحۃً تین کا عدد مذکور ہے۔یا جن میں وارد ہوا کہ حضور ﷺ پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھتے تھے دوسری رکعت میں فلاں اور تیسری رکعت میں فلاں سورت جو پہلے فصل میں مذکور ہوئیں۔

اعتراض نمبر ۲......:۔مسلم شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ صلوۃ اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ توتر لہ ماقد صلی۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز دو دو رکعت ہیں جب تم میں سے کوئی صبح ہوجانے کا خوف کرے تو ایک رکعت پڑھ لے۔یہ رکعت گزشتہ نماز کو وتر بنادے گی۔

(صحیح مسلم باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخر اللیل ج ۱ص ۵۱۶ رقم الحدیث ۷۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس سے چار مسئلے معلوم ہوئے۔ایک یہ کہ نماز تہجد میں دو دو رکعت نفل ادا کرنی چاہیے دوسرے یہ کہ نماز تہجد رات میں ہو۔صبح سے پہلے۔تیسرے یہ کہ وتر تہجد کی نماز کے بعد افضل ہے چوتھے یہ کہ وتر ایک رکعت ہے۔حنفی لوگ پہلے تین مسئلے تو مانتے ہیں۔چوتھے کے انکاری ہیں۔اگر یہ حدیث صحیح ہے تو چاروں مسئلے مانیں اگر صحیح نہیں۔تو چاروں نہ مانیں۔

جواب:۔ غیر مقلد وہابی تو اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے ہیں۔کہ جب صبح کا خوف ہو تو اکیلی ایک رکعت علیحدہ طور پر پڑھ لے۔اس ترجمہ سے یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہوگئی جو ہم پہلی فصل میں پیش کرچکے ہیں اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ناممکن ہوگیا۔حنفی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب صبح کا خوف ہو تو دو کے ساتھ ایک رکعت ملا کر پڑھ لے۔جن کا ذکر ہورہا ہے۔یعنی رکعۃ واحدۃ کے بعد مع الرکعتیں پوشیدہ ہے۔کیونکہ پہلے مثنٰی مثنٰی کا ذکر ہوچکا ہے اس صورت میں احادیث میں کوئی تعارض نہ رہا اور دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہوگیا۔جیسے کہ رب فرماتا ہے۔

ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین واز داود التسعا۔

ترجمہ: اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے تو بڑھا لیئے۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۲۵)

اس آیۃ میں یہ نو سال تین سو سال سے علیحدہ نہیں ہیں۔بلکہ ان کے ساتھ ہیں مطلب یہ ہے کہ تین سو نو سال قیام کیا۔چونکہ تین سو سال شمسی تھے اور تین سو نو سال قمری اس لئے رب تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔ایسے وتر کی یہ رکعت علیحدہ ان دو دو سے نہیں۔بلکہ ان میں اس آخری مثنٰی یعنی دو کے ساتھ ہے لیکن چونکہ وہ ۲ دو ۲ رکعتیں تہجد کی تھیں اور نفل تھیں یہ تین رکعتیں وتر کی ہیں اور واجب ہیں اسی لئے اس اعلم الاولین والآخرین افصح الخلق ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا۔کہو وہابی جی حدیثوں کو لڑانا اچھا۔یا احادیث میں موافقت پیدا کرکے سب پر عمل کرنا بہتر۔کاش کہ آپ نے کسی مقلد سے حدیث پڑھی ہوتی۔

اعتراض نمبر ۳ ......:۔ مسلم شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

الوتر رکعة من اخر اللیل۔

ترجمہ: وتر آخر رات میں ایک رکعت ہے۔

(صحیح مسلم باب صلاۃ اللیل مثنی مثنی والوتر رکعۃ من آخر اللیل ج ا ص ۵۱۸ رقم الحدیث ۷۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ وتر صرف ایک رکعت ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب بھی دوسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہوگیا۔ کہ وہابی اس کے معنی کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ اکیلی سب رکعتوں سے علیحدہ اس صورت میں یہ حدیث بہت احادیث کے مخالف ہوگی، اور احادیث کا جمع ناممکن ہوگا۔ حنفی اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ وتر ایک رکعت ہے۔ دو کے ساتھ۔ جس کی تفسیر دوسری وہ حدیثیں ہیں۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔ یا اس حدیث میں وتر بمعنی اسم فاعل ہے۔ یعنی تہجد کی نماز کو طاق بنانے والی ایک رکعت ہے کہ یہ دو سے مل کر ساری نماز کو طاق بنا دیتی ہے کہ نمازی نے آٹھ رکعت تہجد پڑھی۔ پھر جب وتروں کی نیت باندھی جب تک دو رکعتیں پڑھیں تو نماز جفت ہی رہی۔ جب ان دو رکعتوں سے ایک رکعت اور ملا دی تو طاق یعنی گیارہ رکعتیں بن گئیں۔ اس صورت میں یہ حدیث تمام دوسری حدیثوں سے موافق ہوگئی۔ احادیث کا تعارض دور کرنا ضروری ہے۔

اعتراض نمبر ٤ ......:۔ ابوداؤد ونسائی شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اللہ وتر یحب الوتر فاوتر یا اھل القرآن۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے اللہ وتر (بے جوڑ) ہے وتر کو پسند فرماتا ہے۔ پس وتر پڑھا کرو اے قرآن ماننے والو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حنفی بتائیں اللہ ایک ہے یا تین، جب وہ ایک ہے تو وتر بھی ایک ہی رکعت چاہیے نہ کہ تین حضور ﷺ نے نماز وتر کو رب تعالیٰ کے وتر ہونے سے مثال دی ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر وہابیوں کو چاہیے کہ مغرب کے فرض بھی ایک رکعت پڑھا کریں۔ نہ کہ تین۔ کیونکہ مغرب کے فرض دن کے وتر ہیں۔ اور یہ وتر رات کے وتر۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے اور ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں۔ اگر وہابی کہیں کہ دوسری روایتوں میں آگیا کہ حضور مغرب کے فرض تین پڑھتے تھے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی روایتوں میں آگیا۔ کہ حضور نماز وتر بھی تین رکعت پڑھتے تھے۔ دیکھو پہلی فصل، تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کی محض وتریت یعنی طاق بے جوڑ ہونے میں مثال دی ہے نہ کہ ایک ہونے میں تین بھی وتر ہے ایک بھی وتر تمثیل میں ادنیٰ مناسبت کافی ہوتی ہے ہر طرح مثل ہونا ضروری نہیں اس لئے حضور ﷺ نے وتر فرمایا واحد نہ فرمایا یعنی یہ نہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ایک رکعت کو پسند فرماتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے۔

مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح۔

ترجمہ: اللہ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق جسمیں چراغ ہے۔

(پارہ ۱۸ سورہ ۲۴ آیت نمبر ۳۵)

یہاں رب تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال چراغ سے دی مطلقاً نورانیت میں اب اگر کوئی کہے کہ چراغ میں تیل بتی ہوتی ہے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نور میں بھی روغن و بتی ہو تو اس کی حماقت ہے ہم کہتے ہیں۔ فلاں شخص شیر ہے مطلب ہوتا ہے کہ صرف طاقت میں شیر کی طرح

ہے یہ نہیں کہ اس کے دم اور پنجہ بھی ہے۔

اعتراض نمبر ۵ ......:۔ بخاری شریف میں حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اوتر معاوية بعد العشاء بركعة وعنده مولى لابن عباس فاتى ابن عباس فاخبره فقال دعه فانه قد صحب النبی ﷺ۔

ترجمہ: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک رکعت وتر پڑھی۔ اس وقت ان کے پاس سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام حاضر تھے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر فرمایا تو آپ نے فرمایا انہیں کچھ نہ کہو وہ صحابی رسول ہیں۔
(سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۲۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

معلوم ہوا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھتے تھے یہ فعل صحابی ہے۔

جواب:۔ یہ حدیث تو احناف کی قوی دلیل ہے کہ وتر تین رکعت ہیں کیونکہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت وتر پڑھی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کو حیرت ہوئی۔ جس کی شکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی۔ حیرت و تعجب اس کام پر ہوتا ہے۔ جو نرالا اور عجیب ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا۔ کو کوئی صحابی ایک رکعت وتر نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ نہ انہیں تعجب ہوتا نہ شکایت کرتے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اعتراض کرنے سے منع فرمایا کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد فقیہہ صحابی ہیں۔ فقیہہ مجتہد کی غلطی و خطا پر اعتراض جائز نہیں۔ اس کا ذکر اس بخاری کی دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

عن ابن عباس قيل له هل لك في امير المومنين معاوية ما اوتر الا بواحدة قال اصاب انه فقيه۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ کیا آپ کو حضرت امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض ہے وہ تو وتر ایک ہی رکعت پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا ٹھیک کرتے ہیں وہ مجتہد عالم فقیہہ ہیں۔
(سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۲۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

صاف معلوم ہوا کہ وتر تمام صحابہ اور خود سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تین رکعت پڑھا کرتے تھے۔ اس ہی لئے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایک رکعت پڑھنے کی شکایت کی گئی مگر چونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ عالم ہیں مجتہد ہیں اور مجتہد فقیہہ کی خطا بھی درست ہوتی ہے۔ ان پر اعتراض نہ کرو۔ مہربان میں یہ حدیث تو حنفیوں کی دلیل ہے آپ دھوکے سے اپنی دلیل سمجھ بیٹھے یہ تو آپ کے خلاف ہے۔

اعتراض نمبر ٦ ......:۔ حنفیوں کی عجیب حالت ہے ہم ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو اعتراض کرتے ہیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک رکعت وتر پڑھیں۔ تو ان پر کوئی اعتراض نہیں۔ ہم رفع یدین یا اونچی آمین کہیں تو ہم پر ملامت ہے۔ امام شافعی ہماری سی نماز پڑھیں۔ تو نہ انہیں وہابی کہا جاوے نہ ان پر کوئی اعتراض ہو یہ دورخی پالیسی کیسی اور یہ فرق کیوں ہے۔ (عالم وہابی)۔

جواب:۔ جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ عالم فقیہہ مجتہد کی خطا پر بھی ثواب ہے۔ مگر جاہل جب دیدہ دانستہ عالموں سے منہ موڑ کر غلطی کرے تو سزا کا مستحق ہے اگر سول سرجن سند یافتہ ملازم سرکاری کسی بیمار کو غلط دوا دے دے تو اس پر کوئی عتاب نہیں لیکن اگر کوئی جاہل آدمی یوں ہی اٹکل پچو کسی کو غلط دوا کھلا دے تو شرعاً و قانوناً مجرم ہے۔ جج، حاکم کسی ملزم کو سزا دے حق ہے اگر چہ غلطی کرے مگر جوا یرے غیرے قانون ہاتھ میں لے کر خود ہی لوگوں کو سزا دینے لگے مجرم ہے جیل کا مستحق ہے۔

دیکھو حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما میں خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں یقیناً علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ برحق تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر لیکن ان میں سے گنہگار کوئی نہیں۔ جس کو بھی برا کہا جاوے تو برا کہنے والا بے ایمان ہو جاوے گا۔ قرآن کریم نے حضرت داؤد سلیمان علیہما السلام کے ایک مقدمے میں مختلف فیصلوں کا ذکر فرمایا۔

اذ یحکمان فی الحرث اذ نفشت فیه غنم القوم و کنا لحکمهم شاهدین ففهمنا ها سلیمان و کلا اتینا حکما و علما۔

ترجمہ: جب وہ دونوں حضرات ایک کھیت کے متعلق فیصلہ فرماتے تھے جب اس میں قوم کی بکریاں پھیل گئیں۔ہم انکا فیصلہ مشاہدہ فرمارہے تھے پس ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ سمجھا دیا۔اور ہم نے ان میں سے ہر ایک کو حکمت وعلم بخشا۔

دیکھو کھیت کے اس مقدمہ میں داؤد وسلیمان علیہما السلام دونوں بزرگوں نے علیحدہ علیحدہ فیصلہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ برحق تھا۔جس کی رب تعالٰی نے تائید فرمائی۔حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ خطا اجتہادی تھی۔لیکن ان پر کسی قسم کا عتاب ہوا ہرگز نہیں۔ کیوں اس لئے کہ آپ مجتہد مطلق تھے اور مجتہد کی خطا پر عتاب نہیں۔وہابیو اگر تم بھی رفع یدین یا اونچی آمین۔شافعی بن کر کرو تو تمہیں وہابی نہ کیا جاوے گا۔نہ تم سے یہ شکایت ہو تو خود بے علم ہوتے ہوئے قانون ہاتھ میں لے لیتے ہو اور اپنی ذمہ داری پر یہ حرکتیں کر کے دین میں فتنہ واقع کرتے ہو اس پر تمہاری یہ درگت بنتی ہے۔

اعتراض نمبر ۷......:۔تین رکعت وتر کی جتنی حدیثیں ہیں۔وہ سب ضعیف ہیں اور ضعیف حدیثیں حجت نہیں۔

جواب:۔ جی ہاں اس لئے ضعیف ہیں کہ آپ کے خلاف ہیں۔یا اس لئے کہ ساری حدیثیں ساڑھے تیرہ سو برس کی پرانی ہو چکیں آدمی تو ساٹھ برس میں بوڑھا ضعیف ہو جاتا ہے تو قریباً چودہ سو برس کی حدیثیں ضعیف کیوں نہ ہوں۔آپ کی اس ضعیف ضعیف کی رٹ لگانے نے لوگوں کو حدیث کا منکر کر دیا۔آپ کے اس اعتراض کے جوابات ہم اس کتاب میں بارہا دے چکے ہیں۔



آٹھواں باب

قنوت نازلہ پڑھنا منع ہے

نماز وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت ہمیشہ سنت ہے اور فجر کے فرض کی دوسری رکعت میں بعد رکوع قنوت نازلہ پڑھنا سخت مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کا عمل اس کے برعکس ہے وہ وتر میں دعا قنوت ہمیشہ نہیں پڑھتے بلکہ رمضان کی بعض تاریخوں میں لیکن فجر میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔ دوسری رکعت کے رکوع کے بعد بعض دیوبندی وہابی بھی جو دراصل درپردہ غیر مقلد ہیں۔ بہانہ بنا کر فجر میں قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے اس بات کے بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل

قنوت نازلہ کے معنی ہیں آفت و مصیبت کے وقت کے دعاء حضور سید عالم ﷺ نے ایک بار ایک خاص مصیبت پر چند روز یہ دعا قنوت فجر کی رکعت دوم میں بعد رکوع پڑھی پھر آیۃ قرآنی نے یہ دعا منسوخ فرمادی۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے پھر کبھی نہ پڑھی دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱۔۲:۔ بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے حضرت عاصم احول کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

انما قنت رسول الله ﷺ شهراً انه بعث اناسا يقال لهم القراء سبعون رجلاً فاصيبوا فقنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا يدعوا عليهم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک ماہ پڑھی آپ نے ستر صحابہ کو جو قاری تھے ایک جگہ تبلیغ کے لئے بھیجا وہ شہید کر دیئے گئے تو حضور ﷺ نے ایک ماہ تک رکوع کے بعد ان کفار پر بددعا فرماتے ہوئے قنوت نازلہ پڑھی۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۴۰ رقم الحدیث ۹۵۷ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

ایک ماہ کی قید سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا یہ فعل شریف ہمیشہ نہ تھا۔ عذر کی وجہ سے صرف ایک ماہ رہا پھر منسوخ ہو گیا۔

حدیث نمبر ۳:۔ طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قنت رسول الله ﷺ شهراً يدعوا على رعل و ذكوان فلما ظهر عليهم ترك القنوت۔

ترجمہ: حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی قبیلہ رعل و ذکوان پر بددعا فرمائی جب حضور ﷺ ان پر غالب آ گئے تو چھوڑ دی۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں چھوڑ دینے کا صراحۃ ذکر آ گیا۔

حدیث نمبر ۴۔۷:۔ ابو یعلی موصلی۔ ابو بکر بزار طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قنت رسول الله ﷺ شهراً يدعوا على عصية وذكوان شهراً فلما ظهر عليهم ترك القنوت وقال البزار في روايته لم يقنت النبي ﷺ الا شهراً واحداً لم يقنت قبله ولا بعده۔

ترجمہ: حضور انور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ جس میں قبیلہ عصیہ وذکوان ان پر دعا فرمائی جب ان پر غالب آ گئے

تو چھوڑ دی بزار نے اپنی روایت میں فرمایا کہ حضور ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی نہ پڑھی۔
(جامع الرضوی صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۶۳۔۵۶۴ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۸۔۹:۔ ابوداؤد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قنت شهراً ثم تركه۔

ترجمہ: یقیناً نبی ﷺ نے صرف ایک ماہ قنوت نازلہ پڑھی پھر چھوڑ دی۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۶۸ رقم الحدیث ۱۴۴۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۳ رقم الحدیث ۱۰۷۹ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۲۹۲۴ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۰۔۱۲:۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قلت لابی یابت انك قد صليت خلف رسول الله ﷺ وابی بكر وعمر وعثمان وعلی ههنا بالكوفه نحواً من خمس سنين كانوا يقنتون قال يا بنی محدث۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابا جان آپ نے حضور ﷺ اور ابوبکر وعمر وعثمان اور علی رضی اللہ عنہم کے پیچھے کوفہ میں تقریباً پانچ سال نماز پڑھی۔ کیا یہ حضرات قنوت نازلہ پڑھتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے بچے یہ بدعت ہے۔

(سنن الترمذی باب ماجاء فی ترک القنوت ج ۲ ص ۲۵۲ رقم الحدیث ۴۰۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۴۷۲ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن نسائی ج ۲ ص ۲۰۴ رقم الحدیث ۱۰۸۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۹۳ رقم الحدیث ۱۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنا بالکل سنت کے خلاف ہے اور بدعت سیئہ ہے۔

حدیث نمبر ۱۳۔۱۴:۔ مسلم وبخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

وكان يقول فی بعض صلوته اللهم العن فلانا و فلانا لاحياء من العرب حتی انزل الله ليس لك من الامر شيئ۔

ترجمہ: حضور انور ﷺ اپنی بعض نمازوں میں فرمایا کرتے تھے کہ خدایا فلاں فلاں (عرب کے بعض قبیلے) پر لعنت کر یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "لیس لک" الخ۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص ۵۸۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۱۹۸ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ دعا قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھنا منسوخ ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث شریف آیۃ قرآنی سے منسوخ ہوسکتی ہے کہ قنوت نازلہ پڑھنا حدیث سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن کریم سے ثابت۔ تیسرے یہ کہ دین کے دشمنوں پر بددعا یا لعنت کرنا جائز ہے۔ جن لوگوں پر حضور ﷺ نے بددعا فرمائی وہ حضور ﷺ کی ذات شریف کے دشمن نہ تھے۔ بلکہ دین اسلام کے دشمن تھے۔ جب ان پر جہاد کر سکتے ہیں۔ تو بددعا بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں حضور ﷺ نے اپنے ذاتی دشمنوں کو معافیاں دی ہیں۔ لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

حدیث نمبر ۱۵:۔ حافظ طلحہ ابن محمد محدث نے اپنی مسند میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے روایت کی۔

عن الامام الاعظم عن ابان ابن عياش عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله بن مسعود قال لم يقنت رسول الله ﷺ فی الفجر الا شهراً واحداً لانه حارب المشركين فقنت يدعوا عليهم۔

ترجمہ: امام اعظم ابوحنیفہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت فرماتے ہیں وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے نماز فجر میں قنوت نازلہ کبھی نہ پڑھی سوا ایک مہینہ کے کیونکہ حضور ﷺ نے

مشرکین سے جنگ کی تھی تب ان پر ایک ماہ بددعا فرمائی تھی۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری ابواب قنوت النوازل ج ۲ ص ۵۶۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۶۔۱۷:۔ حافظ ابن خسرو نے اپنی مسند میں اور قاضی عمر ابن اشانی نے حضرت امام ابوحنیفہ سے انہوں نے حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قال ما قنت ابوبکر وعمر ولا عثمان ولا علي حتى حارب اهل الشام فكان يقنت۔

ترجمہ: نہ حضرت ابوبکر وعمر نے نہ حضرت عثمان نے نہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم نے قنوت نازلہ پڑھی۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اہل شام سے جنگ کی تو قنوت نازلہ پڑھی۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری ابواب قنوت النوازل ج ۲ ص ۵۶۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۸:۔ ابو محمد بخاری نے امام اعظم ابوحنیفہ سے انہوں نے عطیہ عوفی سے انہوں نے حضرت ابوسعید خدری صحابی رضی اللہ [illegible] روایت کی۔

عن النبي ﷺ يقنت الا اربعين يوماً يدعوا على عصية وذكوان ثم لم يقنت الى ان مات۔

ترجمہ: انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کی۔ کہ حضور ﷺ نے چالیس دن کے سوا قنوت نازلہ نہ پڑھی۔ ان چالیس دن میں آپ نے عصیہ ذکوان پر بددعا فرمائی پھر وفات تک کبھی نہ پڑھی۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری ابواب قنوت النوازل ج ۲ ص ۵۶۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

یہ اٹھارہ احادیث بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ قنوت نازلہ نہ پڑھنے کے متعلق بہت زیادہ احادیث شریفہ موجود ہیں۔ اگر شوق ہو تو طحاوی شریف۔ صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ قنوت نازلہ میں نہ پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ پنجگانہ فرائض کی رکعتیں مختلف ہیں۔ فجر کی دو۔ ظہر۔ عصر۔ عشاء کی چار۔ مغرب کی تین۔ مگر کوئی فرض نماز ارکان نماز یا دعا وغیرہ میں دوسری نماز سے مختلف نہیں۔ سب کے ارکان و دعائیں وغیرہ یکساں ہیں۔ تو جب چاروں نمازوں میں قنوت نازلہ نہیں چاہیئے کہ فجر کے فرضوں میں بھی نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ باجماعت فرائض میں دعائیں اور ذکر مختصر ہیں نوافل میں ان کی آزادی ہے۔ دیکھو رکوع سے اٹھتے وقت اکیلا نمازی سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہتا ہے اور ربنا لک الحمد بھی۔ مگر جب جماعت پڑھتا ہے۔ تو امام ربنا لک الحمد نہیں کہتا صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہتا ہے اور مقتدی اس لے برعکس کہ ربنا لک الحمد تو کہتا ہے مگر سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہتا۔ جب ان نمازوں میں اس قدر اختصار مطلوب ہے تو فجر کے رکوع کے بعد اتنی دراز یعنی دعاء قنوت نازلہ پڑھنا مقصد شرح کے بالکل خلاف ہے تیسرے یہ کہ نماز خصوصاً فرائض پنجگانہ کے ارکان ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے چاہئیں۔ قیام کے بعد فوراً سجدہ اور سجدہ کے بعد فوراً قیام یا جلسہ ان میں فاصلہ کرنا مقصد شرح کے خلاف ہے رکوع فجر کے بعد جو قومہ ہے۔ اس میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بقدر ٹھہرنا چاہیئے۔ مگر اس میں قنوت نازلہ پڑھی گئی تو سجدہ میں جو نماز کا اعلیٰ رکن ہے۔ دیر لگے گی۔ تاخیر فرض اگر بھول کر ہو تو سجدہ سہو واجب کرتی ہے اور اگر عمداً ہو تو نماز فاسد کر دیتی ہے لہذا اندرون نماز قنوت نازلہ نہ پڑھنا چاہیئے تا کہ نماز کے ارکان میں اتصال رہے۔

مسئلہ فقھی:۔ مذہب حنفی یہ ہے کہ جنگ یا دوسری آفات عامہ کے موقعہ پر بہتر یہی ہے کہ قنوت نازلہ خارج نماز پڑھے تا کہ

صحابہ کرام کے اختلاف سے بچار ہے کیونکہ بعض صحابہ آفات وجنگوں کے موقعہ پر قنوت نازلہ پڑھتے تھے بعض اسے بالکل منسوخ مانتے تھے لیکن اگر فجر کے فرضوں کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے تو اگر چہ اچھا نہ کیا۔ مگر جائز ہے۔ ضرورت دے ممنوعات مباح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آہستہ پڑھے بلند آواز سے نہ پڑھے۔ فجر کے سواء کسی اور نماز میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جاوے گی۔ کیونکہ اس نے بلا وجہ عمداً سجدہ میں تاخیر کردی تاخیر فرض مفسد نماز ہے۔

ایک شبہ:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت عامہ یا جہاد کے موقع پر ہر جہری نماز یعنی فجر مغرب عشاء میں قنوت نازلہ پڑھنا چاہئیے۔ کیونکہ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں ہے۔

قنت الامام فی صلوۃ الجھر وھو قول الثوری و احمد۔

ترجمہ: اس موقعہ پر امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے امام ثوری واحمد کا یہی قول ہے۔

پنجاب میں بہت روز تک بعض جاہل اماموں نے اسی دلیل سے مغرب وعشاء فجر بلکہ نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر لوگوں کی نمازیں برباد کیں۔

شبہ کا ازالہ:۔ شرح نقایہ اور غایۃ الاوطار میں یہاں کاتب نے غلطی سے بجائے فجر کے جہر لکھ دیا ہے یعنی ف کو جیم بنادیا۔ چنانچہ اشباہ والنظائر میں اس جگہ بجائے صلوۃ الجہر کے صلوۃ الفجر ہے اور طحاوی علی ردالمحتار اور علامہ ابن عابدین شامی نے منحۃ الخالق علی بحرالرائق میں فرمایا۔

قنت الامام فی صلوۃ الجھر وھو قوی الثوری و احمد۔

ترجمہ: شاید کہ لفظ جہر فجر سے بگڑ کر بن گیا ہے۔

(طحاوی علی ردالمحتار ج اص مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

طحاوی کی عبارت یوں ہے۔

والذی یظھر لی ان قولہ فی البحر وان نزل علی المسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلوۃ الجھر تحریف من النساخ وصوابہ الفجر۔

ترجمہ: بحرالرائق نے جو فرمایا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت پڑے تو امام جہری نماز میں قنوت نازلہ پڑھے میرا خیال ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں فجر ہے۔

(طحاوی علی ردالمحتار ج اص مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

ہم نے بہت اختصار سے اس کے متعلق کچھ لکھ دیا ہے اگر قنوت نازلہ کی زیادہ تحقیق کرنا ہو تو ہماری فتاوٰی نعیمیہ ملاحظہ فرماویں۔ چونکہ اب دیوبندی بھی بعض جگہ قنوت نازلہ پڑھنے لگے ہیں۔ اس لئے وہاں اس مسئلہ پر کچھ جم کر بحث کردی گئی ہے۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلدوں وہابیوں کی طرف سے اب تک جس قدر اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں وہ ہم نہایت دیانتداری سے مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ اگر آیندہ کوئی نیا شبہ نظر سے گزرا تو انشاء اللہ اوسکا جواب بھی عرض کردیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ ......:۔ تم نے قنوت نازلہ نہ پڑھنے کی جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ تمام کی تمام ضعیف ہیں۔ اور

ضعیف حدیثوں سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔ (پرانا سبق)

جواب:۔ اس کے جوابات ہم بار ہا دے چکے ہیں۔اب ایک فیصلہ کن جواب عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے دلائل یہ روایات نہیں۔ ہماری اصل دلیل تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے۔ ہم یہ آیت واحادیث مسائل کی تائید کے لئے پیش کرتے ہیں۔ احادیث یا آیات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیلیں ہیں۔ان کی احادیث کی یہ اسنادیں نہیں۔ان کی اسناد نہایت مختصر اور کھری ٹکسالی ہوتی ہے۔جس میں دو تین راوی ہوتے ہیں۔وہ بھی نہایت ثقہ اس باب کی پہلی فصل میں آپ حدیث نمبر ۱۸ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ امام صاحب کی اسناد صرف دو راوی ہیں۔عطیہ عوفی ابوسعید خدری اور حدیث نمبر ۱۵ میں صرف چار راوی ہیں۔ابان ابن عیاش۔ابراہیم نخعی۔علقمہ ابن مسعود۔بتاؤ ان میں کون ضعیف ہے۔چونکہ امام صاحب کا زمانہ خیر القرون میں سے ہے۔ان کی احادیث کی اسنادوں میں بہت کم راوی ہیں۔لہذا وہاں ضعیف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ضعف تدلیس وغیرہ بیماریاں بعد میں لگیں۔ ہاں تمہاری کسی روایت کا ضعیف ہونا تمہارے لئے قیامت ہے کہ یہی روایتیں تمہاری دلیلیں ہیں۔جن پر تمہارے مذہب کا دارومدار ہے۔اور تمہارا زمانہ حضور سے بہت دور تمہاری روایتوں کی اسنادیں بہت لمبی جن میں ہر طرح کی بیماریاں موجود ہیں۔لہذا ضعیف ضعیف کی رٹ سے کسی غیر مقلد ڈراؤ۔حنفی کے لئے اس سے کچھ خطرہ نہیں۔باقی جوابات وہ ہیں۔جو ہم پہلے بابوں میں عرض کر چکے ہیں۔ہم نے ہر حدیث کی بفضلہ تعالیٰ اتنی اسنادیں پیش کی ہیں کہ وہ احادیث حسن ہوگئیں۔ضعف جاتا رہا۔

اعتراض نمبر ۲ ......: ۔ابن ماجہ نے روایت کی کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ نے کب قنوت پڑھی تو جواب دیا۔

قنت رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع وفی روایۃ قبل الرکوع وبعدہ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور ایک روایت میں ہے کہ رکوع سے پہلے بھی قنوت پڑھی اور بعد بھی۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ قنوت نازلہ پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس حدیث میں قنوت نازلہ کا ذکر نہیں اور صاحب مشکوۃ یہ حدیث دعاء قنوت کے بحث میں لائے ہیں جو وتروں میں پڑھی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دعاء قنوت مراد ہے۔لہذا آپ کا استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو یہاں یہ ذکر نہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ پڑھی۔اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے قنوت نازلہ صرف ایک یا سوا ماہ پڑھی۔پھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔لہذا یہ حدیث منسوخ ہے اور منسوخ سے دلیل پکڑنا سخت جرم۔تیسرے یہ کہ اگر اس حدیث میں قنوت نازلہ ہی مراد ہو تو اس میں یہ فیصلہ نہ فرمایا گیا کہ رکوع سے پہلے پڑھی یا بعد میں۔تو تم نے بعد رکوع کا فیصلہ کیسے کرلیا۔یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔چوتھے یہ کہ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے اس کی اسناد مجروح ہے۔اس ہی لئے اسے مسلم و بخاری نے نہ لیا۔مسلم و بخاری کی روایتیں اس کے خلاف ہیں۔جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔لہذا یہ حدیث مجروح ہے غرضیکہ یہ حدیث تمہارے لئے کسی طرح حجت نہیں۔

اعتراض نمبر ۳ ......: ۔طحاوی شریف نے بہت سی اسنادوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اتنی اسنادوں والی روایت ضعیف نہیں ہوسکتی۔

قال کان رسول اللہ ﷺ یقول حین یفرغ من صلوۃ الفجر من القراء ۃ ویکبرو یرفع راسه ویقول سمع اللہ لمن حمدہ یقول و ھو قائم اللھم انج الولید ابن الولید۔ الخ۔

ترجمہ: حضور ﷺ جب نماز فجر کی قراۃ سے فارغ ہوتے اور تکبیر کہہ کر رکوع فرماتے اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے۔ اور سمع اللہ لمن حمدہ فرماتے تو کھڑے ہوئے۔ یہ دعا پڑھتے اے اللہ ولید ابن ولید کو نجات دے الخ۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

طحاوی شریف حنفیوں کی کتاب ہے۔ اس سے قنوت نازلہ کا ثبوت ہے۔

جواب:۔ شاید آپ نے طحاوی شریف کے اس ہی صفحہ پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی یہ روایت نہ دیکھی۔ اور دیکھتے بھی کیسے یہ آپ کے خلاف جو تھی۔ ملاحظہ ہو۔ آخری الفاظ۔

فانزل اللہ عزوجل لیس لك من الامر شیئی فما دعا رسول اللہ ﷺ بدعاء علی احد۔

ترجمہ: حضور ﷺ فجر قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ پس یہ آیت اوتری لیس لک الخ اس کے بعد حضور ﷺ نے کبھی کسی پر نماز میں بد دعا نہ فرمائی۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ص ۲۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لہذا آپ کی پیش کردہ تمام احادیث اس آیت کریمہ سے منسوخ ہیں۔ اور منسوخ احادیث اپنی دلیل میں پیش کرنا آپ جیسے بزرگوں کا ہی کام ہے۔

اعتراض نمبر ٤ ......:۔ حادیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگ صفین کے زمانہ میں فجر میں قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ بعض روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قنوت نازلہ پڑھنا منقول ہے۔ ایسے جلیل القدر صحابہ کا قنوت نازلہ پڑھنا اس کے سنت ہونے کی روشن دلیل ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ روایات تمہارے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ ان میں بحالت جنگ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنگ کفار کے زمانہ میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خوارج یا بغاۃ کی جنگ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ امن کے زمانہ میں نہیں پڑھتے تھے مگر تم ہمیشہ پڑھتے ہو۔ تم نے آج تک کفار سے کتنی جنگیں کیں۔ تم نے مسلمانوں کو مشرک بنانے اور مسلمانوں سے لڑنے کے سوا کون سے جہاد کئے۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں کہ قنوت نازلہ کے متعلق صحابہ کرام میں اختلاف رہا۔ بعض صحابہ کرام اسے بالکل منسوخ مانتے اور بدعت فرماتے ہیں۔ جیسے حضرت ابو مالک اشجعی رضی اللہ عنہ جیسا کہ ہم بحوالہ نسائی و ابن ماجہ پہلی فصل میں عرض کر چکے اور بعض صحابہ کرام بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھتے تھے۔ جیسے حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما اس لیے ہمارے فقہاء فرماتے ہیں۔ کہ اب بھی بحالت جنگ قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔ اگر چہ بہتر نہیں۔ لیکن ہمیشہ پڑھنا کسی صحابی کا قول نہیں ہماری ساری گفتگو ہمیشہ پڑھنے کے متعلق ہے۔ آپ کا دعویٰ کچھ اور ہے۔ دلیل کچھ اور تمام وہابیوں کو اعلان عام ہے۔ کہ ایک حدیث مرفوع صحیح ایسی دکھاؤ جس میں ہمیشہ قنوت نازلہ پڑھنے کا حکم یا ذکر ہو انشاء اللہ قیامت تک نہ ملے گی۔ لہذا کیوں ضد کرتے ہیں مقلد بن کر صحیح نماز پڑھا کرو۔

تتمہ

وتر میں دعاء قنوت ہمیشہ پڑھو

چونکہ غیر مقلد وہابی وتروں میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کو منع کرتے ہیں۔ صرف آخری پندرہ رمضان میں دعا قنوت پڑھتے ہیں۔ ہم حنفی سال بھر تک پڑھتے ہیں۔ اس لئے بطور اختصار کچھ اس کے متعلق بھی عرض کرتا ہوں۔ ہمیشہ دعاء قنوت وتر کے آخر رکعت میں قراۃ کے بعد رکوع سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کرنا سخت برا ہے۔ احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ا و ۲:۔ امام محمد نے آثار میں اور حافظ ابن خسرو محدث نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

انہ کان یقنت ابابکر و عمر و عثمان و علیا یقولون قنت رسول اللہ ﷺ فی اخر الوتر و کانوا یفعلون ذالک۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان غنی۔ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم سے سنا کہ وہ سب حضرات فرماتے تھے کہ حضور ﷺ وتر کی آخری رکعت میں دعا قنوت پڑھتے تھے اور تمام صحابہ بھی یہ ہی کرتے تھے۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری باب متی یقنت ج ۲ ص ۵۶۰ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۵ تا ۸:۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ کان یقول فی اخر وترہ اللھم انی اعوذ بك الخ۔

ترجمہ: یقیناً حضور ﷺ اپنی آخری وتر میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللھم ان اعوذ بک۔ الخ۔

(سنن ابوداؤد باب القنوت فی الوتر ج ۲ ص ۶۴ رقم الحدیث ۱۴۲۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ احادیث بطور نمونہ عرض کر دیں۔ ورنہ اس بارے میں احادیث بہت ہیں۔ ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضور ﷺ نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صرف آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھی آگے پیچھے نہ پڑھی۔ بلکہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صراحۃً منقول ہوا کہ آپ سارا سال دعا قنوت پڑھتے تھے۔ معلوم ہوا کہ سارا سال وتروں میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھنا حضور ﷺ کی بھی سنت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی۔

خیال رہے:۔ کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس صرف آخری نصف رمضان میں دعاء قنوت پڑھنے کی صرف ایک حدیث ہے۔ جو ابوداؤد نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی الفاظ یہ ہیں۔

ان عمر ابن الخطاب جمع الناس علی ابی ابن کعب فکان یصلی بھم عشرین لیلۃ و لا یقنت بھم الا فی النصف الباقی۔

ترجمہ: حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ پر جمع کر دیا وہ انہیں بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ اور قنوت نہ پڑھتے تھے مگر باقی آدھے رمضان میں۔

(سنن ابوداؤد باب القنوت فی الوتر ج ۲ ص ۶۵ رقم الحدیث ۱۴۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

غیر مقلد کہتے ہیں کہ آخری نصف رمضان میں دعا قنوت پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اے وہابیو تمہارا پورا حدیث پر ایمان ہے یا آدھی پر۔ اگر آدھی پر ہے تو کیوں۔ اور اگر پوری پر ہے۔ تو اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ تمام صحابہ کو بیس رات تراویح پڑھاتے تھے۔ تم آٹھ تراویح ہمیشہ کیوں پڑھتے ہو۔ صرف بیس رات کیوں نہیں پڑھتے اس قسم کی حرکات کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔

افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔

ترجمہ: کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۸۵)

اگر اس حدیث سے پندرہ دن دعاء قنوت ثابت ہوتی ہے۔ تو بیس رکعت تراویح صرف بیس رات بھی ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں دعا قنوت کا ذکر نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دعا کوئی اور ہوگی جس میں کفار کی ہلاکت کی دعا کی گئی ہو۔ چونکہ اس زمانہ میں کفار سے جہاد بہت زیادہ ہوتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آخر رمضان میں جسمیں شب قدر بھی ہے۔ اعتکاف کی راتیں بھی کفار کی ہلاکت اور اسلام کی فتح کی دعائیں کرتے ہوں گے۔ اگر اس سے دعاء قنوت مراد ہو تو یہ حدیث ان احادیث کے خلاف ہوگی۔ جو ہم پیش کر چکے جن میں فرمایا گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سارا سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے احادیث میں تعارض پیدا نہ ہونے دیا جاوے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی پندرہ دن دعاء قنوت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے بیس رات تراویح پڑھائیں۔ جن میں سے آخری نصف میں دعاء قنوت پڑھی تو حساب سے کل دس دن یعنی دسویں رمضان سے بیس رمضان تک دعاء قنوت ہوئی تم پندرھویں سے تیس تک کیوں پڑھتے ہو۔

ھمارا اعلان:۔ ہم تمام دنیا کے وہابیوں کو اعلان کرتے ہیں کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح مسلم بخاری کی ایسی پیش کرو۔ جس میں پندرہ دن دعاء قنوت کا حکم ہو۔ آگے پیچھے پڑھنے کی ممانعت ہو۔ قیامت تک نہ لاسکو گے۔ لہذا اپنے موجودہ عمل سے توبہ کرو اور ہمیشہ دعاء قنوت پڑھا کرو ہمیشہ رب سے دعا مانگنے سے شرم نہ کرو۔



نواں باب
التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت

مرد کے لئے سنت یہ ہے دونوں التحیات میں داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ عورت دونوں پاؤں داہنی طرف نکال دے اور زمین پر بیٹھے وہابی غیر مقلد پہلی التحیات میں تو مردوں کی طرح بیٹھتے ہیں۔ مگر دوسری میں عورتوں کی طرح یہ سنت کے خلاف ہے اور بہت برا اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل

التحیات میں خواہ پہلی ہو یا دوسری مرد داہنا پاؤں کھڑا کرے اور اس کی انگلیوں کا سرا کعبہ کی طرف بایاں پاؤں بچھائے اس پر بیٹھے اس پر بہت سی احادیث وارد ہیں۔ بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱:۔ مسلم شریف نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کی آخری الفاظ یہ ہیں۔

وکان یفترش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی۔

ترجمہ: آپ اپنا بایاں پاؤں شریف بچھاتے تھے اور داہنا پاؤں کھڑا فرماتے تھے۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۱۱۳ رقم الحدیث ۲۵۳۲ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۲۔۳:۔ بخاری ونسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال انما السنة فی الصلوة ان تنصب رجلك الیمنی وتثنی الیسری زادا لنسائی واستقباله باصابعها القبلة۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے نسائی میں یہ زائد ہے کہ داہنے پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرے۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب سنۃ الجلوس فی التشہد وکانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسۃ الرجل وکانت فقیهۃ ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن النسائی ج ۲ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۱۱۵۸ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

حدیث نمبر ۴۔۷:۔ بخاری شریف۔ مالک۔ ابوداؤد۔ نسائی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کی۔

انه کان یری عبدالله ابن عمر یتربع فی الصلوة اذا جلس قال فعلته وانا یومئذ حدیث السن فنهانی عبدالله ابن عمر وقال سنة الصلوة ان تنصب رجلك الیمنی وتثنی رجلك الیسری فقلت له انك تفعل ذالك فقال ان رجلی لاتحملانی۔

ترجمہ: کہ وہ اپنے والد عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھتے تھے کہ آپ نماز میں چہار زانو بیٹھتے تھے فرماتے ہیں کہ ایک دن میں بھی ایسے ہی بیٹھا۔ اس وقت میں نو عمر تھا تو مجھے حضرت عبداللہ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ نماز کی سنت یہ ہے کہ تم داہنا پاؤں کھڑا کرو اور بایاں پاؤں بچھاؤ میں نے کہا کہ آپ تو یہ کرتے ہیں۔ یعنی چہار زانو بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ میرے پاؤں میرا بوجھ نہیں اٹھا سکتے (یعنی معذوری ہے)۔

(صحیح بخاری کتاب الاذان باب سنۃ الجلوس فی التشہد وکانت ام الدرداء تجلس فی صلوتها جلسۃ الرجل وکانت فقیهۃ ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن النسائی ج ۲ ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۱۱۵۷ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۲ رقم الحدیث ۹۵۸۔۹۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مؤطاء امام مالک ج ۱ ص ۹۰ رقم الحدیث ۲۰۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۸۔۹:۔ ترمذی شریف اور طبرانی نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قدمت المدینة قلت لانظرن الی صلوة رسول اللہ ﷺ فلما جلس یعنی للتشھد افترش رجله الیسری ووضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ونصب رجله الیمنی۔

ترجمہ: فرمایا کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو میں نے دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز دیکھوں گا۔ جب آپ نماز میں بیٹھے یعنی التحیات میں تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھادیا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور داہنا پاؤں کھڑا کر دیا۔

(سنن الترمذی باب ماجاء کیف الجلوس فی التشھد ج ۲ ص ۸۵ رقم الحدیث ۲۹۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۷۲۶۔۷۲۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)۔

حدیث نمبر ۱۰۔۱۳:۔ امام احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال فاذا جلست فاجلس علی فخذك الیسری۔

ترجمہ: پھر جب تم بیٹھو تو اپنی بائیں ران پر بیٹھو۔

(طبرانی کبیر ۵ ص ۳۴ رقم الحدیث ۴۵۳۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۱۹۴۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حدیث نمبر ۱٤:۔ طحاوی شریف نے حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه کان یستحب اذا جلس الرجل فی الصلوة ان یفترش قدمه الیسری علی الارض ثم یجلس علیھا۔

ترجمہ: آپ مستحب جانتے تھے کہ مرد نماز میں اپنا بایاں پاؤں بچھائے زمین پر اور اس پر بیٹھے۔

(شرح معانی الآثار باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ھو ج ۱ ص ۲۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۵:۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قال کان النبی ﷺ اذا جلس فی الصلوة افترش رجله الیسری حتی اسود ظھر قدمه۔

ترجمہ: وہ فرماتے تھے کہ نبی ﷺ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے یہاں تک کہ اس قدم کی پشت سیاہ ہوگئی تھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حاشیہ......☆

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا وکیع عن ھشام بن سعد عن یزید بن عبداللہ بن قسیط قال کان النبی ﷺ یفترش رجله الیسری وینصب الیمنی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا ابن فضیل وابو اسامة عن یحیی بن سعید عن القاسم عن عبداللہ بن عبداللہ عن عن ابن عمرو وقال ان من سنة الصلاة ان یفترش الیسری وان ینصب الیمنی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدثنا وکیع والفضل بن دکین عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی انه کان ینصب الیمنی ویفرش الیسری۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۲۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

وکان محمد اذا جلس نصب الیمنی واضجع الیسری۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۲۹۳۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۱۶:۔ بیہقی شریف نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک دراز حدیث نقل کی جس کی آخری الفاظ یہ ہیں۔

فاذا جلس فلينصب رجله اليمنى وليخفض رجله اليسرى۔

ترجمہ: جب نماز میں بیٹھے تو اپنے داہنے پاؤں کو کھڑا کرے اور بایاں پاؤں بچھائے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص رقم الحدیث مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۷:۔ طحاوی شریف نے حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت خلف رسول الله ﷺ فقلت لا حفظن صلوة رسول الله ﷺ قال فلما قعد للتشهد فرش رجله اليسرى ثم قعد عليها۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو دل میں کہا کہ میں حضور ﷺ کی نماز یاد کروں گا فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو بایاں پاؤں بچھایا۔ پھر اسی پر بیٹھ گئے۔

(شرح معانی الآثار باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ہو ج ۱ ص ۲۵۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۸:۔ طحاوی شریف نے حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فاذا قعد للتشهد اضجع رجله اليسرى ونصب اليمنى على صدرها ويتشهد۔

ترجمہ: جب حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور داہنا پاؤں اس کے سینے پر کھڑا کیا اور التحیات پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ہو ج ۱ ص ۲۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ اٹھارہ حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں ورنہ اس بارے میں بہت حدیثیں ہیں۔ ان تمام حدیثوں میں مطلق التحیات کا ذکر ہے۔ اول آخر کی قید نہیں معلوم ہوا کہ مرد التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے عورتوں کی طرح دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر زمین پر نہ بیٹھے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ دوسری التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پہلی التحیات میں مرد بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ اور دو سجدوں کے درمیان میں اسی طرح بیٹھے آخری التحیات میں وہابیوں کا اختلاف ہے۔ پہلی التحیات میں بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا واجب ہے۔ اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا فرض۔ دوسری التحیات میں بیٹھنے کو اگر فرض مانتے ہو تو اسے سجدوں کی درمیانی نشست کی طرح ہونا چاہیے۔ یعنی بائیں پاؤں پر اور اگر اس نشست کو واجب مانا جاوے تو اس سے پہلے التحیات کی نشست کی طرح ہونا چاہیے۔ یعنی بائیں پاؤں پر یہ کیا کہ وہ دونوں نشستیں بائیں پاؤں پر ہوں۔ اور یہ آخری نشست زمین پر دونوں پاؤں ایک طرف نکال کر اس نشست کی مثال نماز میں نہیں ملتی غرضیکہ بائیں پاؤں پر بیٹھنا قرین قیاس ہے اور زمین پر سرین رکھ کر بیٹھنا عقل ونقل سب کے ہی خلاف ہے۔ اس لئے بچنا چاہیے۔ خیال رہے کہ عورت زمین پر سرین رکھ کر دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر ضرور بیٹھتی ہے مگر وہ پہلی التحیات میں بھی ایسے ہی بیٹھتی ہے اور دو سجدوں کے بیچ میں بھی اسی طرح لہذا اس کا اس طرح بیٹھنا قرین قیاس ہے کہ اوس کی ہر نشست اسی طرح ہے۔ غرضیکہ عورتوں کو ہر نشست زمین پر ہے۔ مردوں کی ہر نشست بائیں پاؤں پر نہ معلوم وہابیوں کی یہ دورنگی ابلقی نشست کس میں شامل ہے۔

دوسری فصل

اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں غیر مقلدوں کے جس قدر دلائل ہم کو مل سکے ہیں۔ ہم انہیں مع جوابات پیش کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

اعتراض ......۔ طحاوی شریف نے حضرت یحییٰ ابن سعید سے روایت کی۔

ان القاسم ابن محمد اراهم الجلوس فنصب رجله اليمنى وثنى رجله اليسرى وجلس على ورکه اليسرى ولم يجلس على قدميه ثم قال ارانى هذا عبدالله ابن عبدالله ابن عمر و حدثنى ان اباه عبدالله ابن عمر كان يفعل ذالك۔

ترجمہ: کہ قاسم ابن محمد نے اون لوگوں کو نماز میں بیٹھنا دکھایا تو اپنا داہنا پاؤں کھڑا کیا۔ اور بایاں پاؤں بچھایا اور اپنے بائیں سرین پر بیٹھے آپ دونوں قدموں پر نہ بیٹھے۔ پھر قاسم نے فرمایا کہ یہ ہی مجھے عبداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے دکھایا اور مجھے خبر دی کہ ان کے والد حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایسا ہی کرتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ھو ج اص ۲۵۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں پاؤں داہنی طرف نکال کر زمین پر بیٹھنا سنت صحابہ ہے اور صحابہ نے یہ عمل اسی لئے کیا کہ حضور کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہوگا۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز میں ہر التحیات میں اسی طرح بیٹھتے تھے۔ مگر تم کہتے ہو کہ پہلی التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھے۔ دوسرے میں اس طرح بیٹھے۔ لہذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث اوس روایت کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں۔ کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں التحیات میں بائیں پاؤں پر بیٹھتے تھے وہ حدیث نہایت قوی تھی۔

یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ قیاس شرعی کے بھی خلاف اور جب حدیثوں میں تعارض ہو تو جو حدیث قیاس شرعی کے موافق ہوگی اسے ترجیح ہوگی۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث سے تمہارا قول ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں تصریح نہیں کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما زمین پر سرین رکھ کر بیٹھتے تھے یہ ہے کہ دونوں قدموں پر نہ بیٹھتے تھے واقعی نمازی دونوں قدموں پر نہیں بیٹھتا۔ بلکہ صرف ایک قدم یعنی بائیں پر بیٹھتا ہے۔ لہذا اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں۔

اعتراض ......۔ طحاوی شریف اور ابوداؤد نے محمد ابن عمر ابن عطاء سے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا ملخص یہ ہے۔

سمعت ابا حميد الساعدى فى عشرة من اصحاب النبى ﷺ انا اعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ فذكر انه كان فى الجلسة الاولى يثنى رجله اليسرى فيقعد عليها حتى اذا كانت السجدة التى يكون فى اخره التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متورکا على شقه الا يسر فقالوا لسبعاً صدقت۔

ترجمہ: میں نے ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کو دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں فرماتے ہوئے سنا۔آپ نے فرمایا کہ میں تم سب میں حضور ﷺ کی نماز کو زیادہ جانتا ہوں۔فرمایا کہ حضور ﷺ پہلی التحیات میں اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور اس پر بیٹھتے تھے۔جب وہ سجدہ فرما لیتے۔جس کے آخر میں سلام ہے تو اپنا بایاں پاؤں ایک جانب نکال دیتے اور اپنے بائیں سرین پر زمین پر بیٹھتے تو صحابہ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔

(شرح معانی الآثار باب صفۃ الجلوس فی الصلوۃ کیف ھو ج ا ص ۲۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں صاف طور پر فرمایا گیا کہ پہلی التحیات میں پاؤں پر اور دوسری التحیات میں زمین پر بیٹھنا سنت ہے اور ابوحمید ساعدی نے یہ حدیث دس صحابہ کی جماعت میں ذکر کی اور ان سب نے اس کی تصدیق فرمائی معلوم ہوا کہ عام صحابہ کا وہ ہی طریقہ تھا جس پر ہم عامل ہیں۔(یہ غیر مقلدو ہابیوں کی مایہ ناز حدیث ہے)۔

جواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں۔بلکہ محض گڑھی ہوئی ہے۔کیونکہ اس کا راوی محمد ابن عمرو ابن عطاء ہے۔جو بہت جھوٹا ہے۔وہ کہتا ہے۔سمعت ابا حمید وابا قتادۃ میں نے ابوحمید اور ابوقتادہ سے سنا۔حالانکہ حضرت ابوقتادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔اونہی کے زمانہ میں شہید ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ابوقتادہ کی نماز جنازہ پڑھی اور محمد ابن عمرو خلافت حیدری کے بعد پیدا ہوا۔پھر ابوقتادہ سے کیسے ملا۔ایسا جھوٹا آدمی ہرگز قابل اعتبار نہیں۔نہ اس کی حدیث قابل عمل ہے دیکھو طحاوی شریف اسی باب کا آخر۔

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث وہ ہے۔جو طحاوی شریف نے اسی بات میں بروایۃ عباس ابن سہیل روایت کی جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے جس میں فرمایا کہ حضور ﷺ بایاں بچھا کر اوس پر بیٹھتے اور التحیات پڑھتے تھے۔افسوس ہے کہ آپ ایسی واہی اور ضعیف بلکہ جھوٹے راویوں کی روایتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔اور جب حنفی اپنی تائید میں صحیح حدیث پیش کریں تو اس پر حیلوں بہانوں سے ضعیف ضعیف کی رٹ لگاتے ہیں اور اگر یہ حدیث صحیح مان بھی لی جاوے تب بھی گزشتہ ان احادیث کے خلاف ہوگی جو ہم عرض کر چکے ہیں۔ہماری تمام احادیث چونکہ قیاس شرعی کی تائید سے قوت حاصل کر چکیں۔لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔یہ حدیث بالکل نا قابل عمل۔

اعتراض ......:۔ ترمذی شریف نے عباس ابن سہیل ساعدی سے روایت کی۔

قال اجتمع ابوحميد وابو اسيد وسهل ابن سعد ومحمد ابن مسلمة فذكروا صلوة رسول الله ﷺ فقال ابو حميد انا اعلمكم بصلوة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ جلس يعني للتشهد فافترش رجله اليسرى واقبل بصدر اليمنى على قبلته ووضع كفه اليمنى على ركبته اليمنى وكفه اليسرى على ركبته اليسرى واشار باصبعه يعني سبابة۔

ترجمہ: ایک بار ابوحمید ابواسید۔سہیل ابن سعد اور محمد ابن مسلمہ جمع ہوئے۔انہوں نے حضور ﷺ کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابوحمید فرمانے لگے کہ تم سب سے زیادہ حضور ﷺ کی نماز کو میں جانتا ہوں حضور ﷺ التحیات کے لئے بیٹھے تو آپ نے اپنا بایاں پاؤں بچھا دیا اور داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف کر دیا اور اپنی داہنی ہتھیلی داہنے گھٹنے پر رکھی بائیں ہتھیلی بائیں گھٹنے پر رکھی اور اپنی انگلی (کلے کی اونگلی) سے اشارہ فرمایا۔

(سنن الترمذی باب ماجاء کیف الجلوس فی التشہد ج ۲ ص ۸۶ رقم الحدیث ۲۹۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ایسے ہی التحیات میں بیٹھتے تھے جیسے ہم بیٹھتے ہیں۔ورنہ آپ کے داہنے پاؤں کا سینہ قبلہ کی طرف نہ ہوتا۔بلکہ یہ پاؤں کھڑا ہوتا۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے حضور ﷺ ہر التحیات میں زمین

پر بیٹھتے تھے۔تم پہلی التحیات میں تو بائیں پاؤں پر بیٹھتے ہو۔دوسری میں زمین پر۔یہ کیوں جو تم جواب دو گے۔وہ ہی ہمارا جواب ہوگا اپنی فکر کرو۔

دوسرے یہ کہ تمہاری دوسری التحیات میں تین کام ہوتے ہیں۔بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا۔سرین کا زمین پر لگنا عورتوں کی طرح اس حدیث میں ان تینوں باتوں میں سے ایک بھی ثابت نہیں نہ تو بائیں پاؤں کا داہنی طرف نکلنا۔نہ سرین کا زمین پر رکھنا۔نہ داہنے پاؤں کا کھڑا ہونا تعجب ہے کہ اسے آپ نے اپنی تائید میں کیسے سمجھ لیا یہ آپ کی خوش فہمی ہے۔داہنے پاؤں کے بیٹنے کا قبلہ کی طرف ہونا تمہارے بھی خلاف ہے۔

تیسرے یہ کہ ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے۔جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے نیز خود انہی ابوسعید ساعدی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف بھی منقول ہے وہ تمام احادیث اس حدیث سے بھی زیادہ قوی ہیں۔جیسا کہ ہم پہلی فصل اور خود اس فصل میں عرض کر چکے۔لہذا وہ احادیث قابل عامل ہیں اور یہ نا قابل عمل۔

چوتھے یہ کہ اس ہی ترمذی میں اس ہی جگہ حضرت ابووائل کی وہ حدیث بھی موجود ہے جس میں حنفیوں کی طرح بیٹھنا مذکور ہے۔اس کے متعلق امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور فرمایا کہ اکثر علماء کا اس پر عمل ہے۔آپ نے ایسی صحیح وصاف حدیث کو کیوں چھوڑا اور مجمل حدیث پر کیوں عمل کیا جو آپ کے بھی موافق نہیں۔معلوم ہوا کہ آپ حدیث کے متبع نہیں۔اپنی رائے اتباع کرتے ہیں آپ اپنا نام اہل حدیث نہیں۔بلکہ اہل رائے یا اہل ضد رکھیں۔

اعتراض ......:۔بائیں پاؤں پر بیٹھنے کے متعلق آپ نے جس قدر احادیث پیش کی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔قابل حجت نہیں۔(پرانا سبق)۔

جواب:۔ کسی حنفی کو آپ اس منتر سے نہ ڈرایا کریں۔حنفی پر روایت کے ضعیف ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔حنفی بحمدہ تعالیٰ اتنی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ اگر بفرض محال وہ سب ضعیف بھی ہوں۔تو بھی قوی ہو جاویں۔نیز امام اعظم رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر مجتہد سراج امت کا قبول فرمالینا ہی اس کو قوی کرنے کے لئے کافی ہے۔حنفی مذہب کی دلائل یہ روایات نہیں۔تو یہ تائیدیں ہیں۔حنفیوں کی دلیل قول امام ہے ہمارا ایمان کتاب پر بھی ہے۔سنت پر بھی اور اجماع امت و قیاس مجتہد پر بھی ہمارے سامنے یہ آیت کریمہ ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی (مجتہدین امت) کی۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۵۹)



دسواں باب

بیس رکعت تراویح

ہم بیس رکعت تراویح کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ چکے ہیں جس کا نام ہے۔ لمعات المصابیح علی رکعات التراویح جس میں بہت تفصیل سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے اس کتاب کو مکمل کرنے کے لئے کچھ بطور اختصار یہاں عرض کیا جاتا ہے۔ جس کو تفصیل دیکھنی ہو وہ ہمارا مذکورہ رسالہ ملاحظہ کرے۔ خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ ﷺ کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح آٹھ رکعت نہیں۔ ہاں اکثر مسلمان بیس پڑھتے ہیں اور بعض مسلمان چالیس البتہ غیر مقلد وہابی وہ فرقہ ہے۔ جسے نماز گراں ہے محض نفس پر بوجھ سمجھ کر تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر سو رہتے ہیں اور کچھ روایتوں کا بہانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم اس مسئلہ کو دو فصلوں میں بیان کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں بیس رکعت تراویح کے دلائل دوسری فصل میں وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔ آمین۔

پہلی فصل......بیس رکعت تراویح کا ثبوت

بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ سنت عامۃ المسلمین ہے آٹھ رکعت تراویح خلاف سنت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

حدیث نمبر ۱۔۵:۔ ابن ابی شیبہ طبرانی نے کبیر میں۔ بیہقی۔ عبد ابن حمید اور امام بغوی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر وزاد البیہقی فی غیر جماعۃ۔

ترجمہ:...... بے شک نبی ﷺ ماہ رمضان شریف میں بیس رکعت پڑھتے تھے وتر کے علاوہ بیہقی نے یہ زیادہ فرمایا کہ بغیر جماعت تراویح پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۹۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۶۵۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاہرۃ مصر)، (طبرانی اوسط ج ۱ ص ۲۴۳ رقم الحدیث ۷۹۸ مطبوعہ دار الحرمین القاہرہ مصر)، (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۳ رقم الحدیث ۱۲۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے جن روایات میں آیا ہے کہ آپ نے صرف تین دن تراویح وہاں باجماعت پڑھنا مراد ہے یعنی بغیر جماعت تو ہمیشہ پڑھتے تھے۔ جماعت سے صرف تین دن پڑھیں۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تراویح سنت موکدہ علی العین ہے کہ حضور نے ہمیشہ پڑھیں اور لوگوں کو رغبت بھی دی۔

حدیث نمبر ٦:۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن رومان سے روایت کی۔

کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں رمضان میں لوگ تیئس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

(مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۴ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۳۲۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اس سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ دوسرے یہ کہ وتر تین رکعت ہیں۔ اسی لئے کل تیئس رکعتیں ہوئیں۔

حدیث نمبر ۷:۔ بیہقی نے معرفہ میں صحیح اسناد سے حضرت سائب ابن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کنا نقوم فی عہد عمر بعشرین رکعۃ والوتر۔

ترجمہ: ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۴ ص مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۸:۔ ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان عمر ابن الخطاب امرہ ان تصلی باللیل فی رمضان قال ان الناس یصومون النہار ولا یحسنون ان یقرء وافلو قرات علیہم باللیل قال یا امیر المومنین ھذا شئی لم یکن فقال علمت ولکنہ حسن فصلی بہم عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اونہیں حکم دیا کہ تم لوگوں کو رات میں تراویح نماز پڑھاؤ کیونکہ لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور قرآن کریم اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے بہتر یہ ہے کہ تم ان پر قرآن پڑھا کرو رات میں حضرت ابی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ وہ کام ہے جو اس سے پہلے نہ تھا آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں۔ لیکن یہ اچھا کام ہے تو حضرت ابی نے ان کو بیس رکعتیں پڑھائیں۔

(جامع الرضوی بصحیح البخاری ابواب صلاۃ التراویح باب رکعات التراویح ج ۲ ص ۵۹۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

اس حدیث سے چند مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ عہد فاروقی سے پہلے مسلمانوں میں تراویح جاری ہی تھی۔ مگر باجماعت اہتمام سے ہمیشہ تراویح کا رواج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے ہوا اصل تراویح سنت رسول اللہ ہے اور جماعت۔ اہتمام ہمیشگی سنت فاروقی ہے۔

دوسرے یہ کہ بیس رکعت تراویح پر تمام صحابہ کا اجماع ہوا۔ کیونکہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کو بیس رکعت پڑھائیں۔ صحابہ کرام نے پڑھیں۔ کسی نے اعتراض نہ کیا۔

تیسرے یہ کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جماعت تراویح کی باقاعدہ جماعت اہتمام سے بدعت ہے۔ اس سے پہلے نہ ہوئی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا بالکل ٹھیک ہے واقعی یہ بدعت ہے مگر اچھی ہے۔

چوتھے یہ کہ جو کام حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے اگرچہ عہد صحابہ میں رائج ہو کہ تراویح کی جماعت اگرچہ زمانہ فاروقی میں ہوئی۔ مگر اسے بدعت حسنہ فرمایا گیا۔

حدیث نمبر ۹:۔ بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت کی۔

ان علی ابن ابی طالب دعا القراء فی رمضان و امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ وکان علی یوتر بہم۔

ترجمہ: کہ علی رضی اللہ عنہ نے رمضان شریف میں قاریوں کو بلایا پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت پڑھاؤ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۰:۔ بیہقی شریف نے حضرت ابوالحسناء سے روایت کی۔

ان علی ابن ابی طالب امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں کو پانچ ترویحے یعنی بیس رکعت پڑھائیں۔
(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حاشیہ......☆

نماز تراویح کی تعداد رکعات بیس ہیں۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

انہ ﷺ صلی بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغد خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوھا۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے لوگوں کو دو راتیں ۲۰ رکعت نماز تراویح پڑھائی جب تیسری رات لوگ پھر جمع ہو گئے تو آپ ﷺ ان کی طرف (حجرہ مبارک سے باہر) تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہوا کہ (نماز تراویح) تم پر فرض کر دی جائے گی لیکن تم اس کی طاقت نہ رکھو گے۔

(تلخیص الحبیر ج ۲ ص ۲۱ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت یزید بن رومان نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگ (بشمول وتر) ۲۳ رکعت پڑھتے تھے۔
(مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۳۲۷۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (فتح الباری ج ۴ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام عبد اللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

وھذا کالاجماع۔

(المغنی ج ۱ ص ۴۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

واکثر اھل العلم علی ما روی عن عمر وعلی رضی اللہ عنہما وغیرھما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعۃ وھو قول الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو کہ حضرت علی حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضور ﷺ کے دیگر اصحاب سے مروی ہے اور یہی (کبار تابعین) سفیان ثوری عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اپنے شہر مکہ میں (اہل علم کو) بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

(سنن الترمذی کتاب الصوم ج ۳ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۸۰۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

حاشیہ......☆

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۴ رقم الحدیث ۷۶۹۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۶۵۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاہرۃ مصر)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا احمد بن یحییٰ الحلوانی قال حدثنا علی بن الجعد قال حدثنا ابو شیبة ابراهیم بن عثمان عن الحکم بن عتیبة عن مقسم عن بن عباس ثم ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(طبرانی اوسط ج ۱ ص ۲۴۳ رقم الحدیث ۷۹۸ مطبوعہ دار الحرمین القاہرہ مصر)، (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۳ رقم الحدیث ۱۲۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علی عهد عمر رضی الله عنه وقد دنا فروع الفجر وکان القیام علی عهد عمر رضی الله عنه ثلاثة وعشرین رکعة۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور (بشمول وتر) تئیس ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۷۷۳۳ المکتب الاسلامی بیروت)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة قال وکانوا یقراون بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی الله عنه من شدة القیام۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں شدت قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۷)

امام جعفر بن محمد الفریابی متوفی ۳۰۱ھ اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں۔

اسناده رجاله ثقات۔

(کتاب الصیام ج ۱ ص ۱۳۱ رقم الحدیث ۱۷۶ الدار السلفیۃ بمبئی بھارت)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی الخصیب قال کان یومنا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلی خمس ترویحات عشرین رکعة۔

حاشیہ......☆

ترجمہ: حضرت ابوخصیب رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حضرت سوید بن غفلہ ماہ رمضان میں نماز تراویح پانچ ترویحوں (بیس رکعت) میں پڑھاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۵ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

عن ابی عبدالرحمن السلمی عن علی رضی اللہ عنہ قال دعا القراء فی رمضان فامر منھم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعۃ قال و کان علی رضی اللہ عنہ یوتربھم۔

ترجمہ: حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں قاریوں کو بلایا اور ان میں سے ایک شخص کو بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں وتر پڑھاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن شتیر بن شکل و کان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یومھم فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔

ترجمہ: حضرت شتیر بن شکل سے روایت ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۸۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ انہیں (مسلمانوں کو) بیس رکعت تراویح پڑھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۸۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت نافع بن عمر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ ہمیں رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح پڑھایا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۸۳ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

عن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔

ترجمہ: حضرت عبدالعزیز بن رفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۸۴ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی واحب الی اذا کانوا جماعۃ ان یصلوا عشرین رکعۃ۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۴۰۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

حاشیہ.....☆

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۰۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح حضور ﷺ کی سنت مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصاً خلافہ راشدین کی سنت مبارک ہے جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عن عرباض بن سارية...... فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ و اياكم والامور المحدثات فان كل بدعة ضلالة۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ہے......پس تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین المھدین کی سنت کو پکڑ لینا لازم ہے اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئ)، (سنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۲۳۰۵ تا ۲۳۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔۶۴۷۵۔۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غیر مقلدین جو آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور اس پر بڑے ضرور دیتے ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت پیش کرتے ہیں کہ:

ما كان رسول الله ﷺ يزيد في ولا في غيره على احدى عشره ركعة۔

ترجمہ: یعنی کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہیں کرتے تھے۔

یہ استدلال درست نہیں اس لئے مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں ایسی نماز کا ذکر فرما رہی ہیں جو رمضان شریف میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ اور تراویح تو صرف رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں تراویح کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں۔ بلکہ تہجد کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے۔ اور تین وتر۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

روایت محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان وغیرہ رمضان یکساں بود۔ غالباً بعد دیازدہ رکعت مع الوتر می رسد۔ دلیل بریں حمل آں است کہ راوی این حدیث ابو سلمہ است وتتمہ ایں روایت می گوید قالت عائشہ اتنام قبل آں توتر الخ (ظاہر است کہ نوم قبل از وتر در نماز تہجد متصور می شود نہ در غیر آں۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی گیارہ رکعت والی روایت نماز تہجد پر محمول ہے اس لئے کہ رمضان تہجد رمضان اور غیر رمضان میں یکساں تھی جس کا عدد وتر کے ساتھ غالباً گیارہ تک پہنچتا تھا اور اس روایت کے تہجد پر محمول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ راوی حدیث ابو سلمہ اس روایت کے تتمہ میں کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے

بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کی گئیں ورنہ بیس رکعت کی احادیث بہت ہیں۔اگر شوق ہو تو ہماری لمعات المصابیح اور صحیح البہاری ملاحظہ کریں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہوں نہ کہ آٹھ چند وجہ سے ایک یہ کہ دن رات میں بیس رکعت فرض وواجب ہیں۔۱۷ رکعت فرض تین رکعت واجب ماہ رمضان میں بیس تراویح پڑھی جاویں۔ان رکعات کی تکمیل اور مدارج بڑھانے کے لئے لہذا آٹھ رکعت تراویح بالکل خلاف قیاس ہیں۔

دوسرے یہ کہ صحابہ کرام تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھتے تھے بلکہ قرآن کریم کے رکوع کو رکوع اس لئے کہتے ہیں کہ اتنی آیات پر حضرت عمر و عثمان و صحابہ کرام رکوع میں رکوع کرتے تھے۔اور ستائیسویں شب کو ختم قرآن ہوتا تھا۔آٹھ رکعت ہوتیں تو چاہیے تھا کہ قرآن کریم کے رکوع کل دوسوسولہ ۲۱۶ ہوتے۔حالانکہ قرآن کریم کے کل رکوع ۵۵۷ ہیں بیس رکعت کے حساب سے ۵۴۰ رکوع ہوتے ہیں۔کوئی وہابی صاحب آٹھ رکعت تراویح مان کر قرآن کریم کے رکوع کی تعداد کی وجہ بیان فرماویں۔

تیسرے یہ کہ تراویح ترویحہ کی جمع ہے۔ترویحہ ہر چار رکعت کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر راحت کرنے کو کہتے ہیں۔اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو بیچ میں ایک ترویحہ ہوتا۔اس صورت میں اس کا نام تراویح جمع نہ ہوتا جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔

علماء امت کا عمل: ہمیشہ سے قریبا ساری امت کا عمل بیس رکعت تراویح پر رہا اور آج بھی ہے۔حرمین شریف اور ساری دنیا کے مسلمان بیس رکعت تراویح ہی پڑھتے ہیں۔چنانچہ ترمذی شریف باب قیام شہر رمضان میں اس طرح فرماتے ہیں۔

واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعته وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك والشافعی هکذا ادرکت ببلد مکته یصلون عشرین رکعة۔

ترجمہ:...... اور اکثر علماء کا عمل اسی پر ہے جو حضرت علی و عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے یعنی بیس رکعت تراویح اور یہ ہی سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی کا فرمان ہے امام شافعی نے فرمایا کہ ہم نے مکہ والوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔
(سنن الترمذی کتاب الصوم ج ۳ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۸۰۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ارشاد فرمایا۔

قال ابن عبدالبر وهو قول جمهور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقهاء وهو الصحیح عن کعب من غیر خلاف من الصحابه۔

حاشیہ......☆

سو جاتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا اور ظاہر ہے کہ وتر سے پہلے سونا صلوۃ تہجد ہی میں متصور ہو سکتا ہے نہ اس کے غیر میں۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۱۱۹ مطبوعہ مجتبائی)

مذکورہ بالا حدیث جس سے غیر مقلد وہابی آٹھ رکعت تراویح کا استدلال کرتے ہیں۔ان کے بھی خلاف جاتی ہے۔کیونکہ اگر اس سے بالفرض آٹھ رکعت تراویح ثابت مانی جائے تو تین رکعت وتر کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔لیکن وہابی حضرات ایک رکعت پڑھتے تھے۔گویا ان کا یہ حال ہے کہ حدیث کی ایک بات کا اقرار کر رہے ہیں۔دوسری بات کا انکار۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

ترجمہ: ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح ہی جمہور علماء کا قول ہے یہی کوفی حضرات اور امام شافعی اور اکثر علماء فقہاء فرماتے ہیں اور یہی صحیح ہے حضرت ابی ابن کعب سے منقول ہے اس میں صحابہ کا اختلاف نہیں۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۵۵)

ملاعلی قاری نے شرح نقایہ میں بیس رکعت تراویح کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فصار اجماعا لما روی البیهقی باسناد صحیح انهم کانوا یصلون علی عهد عمر بعشرین رکعته و علی عهد عثمان و علی عشرین رکعة۔

ترجمہ: بیس رکعت تراویح پر مسلمانوں کا اجماع ہے کیونکہ بیہقی نے صحیح اسناد سے روایت کی صحابہ کرام اور سارے مسلمان حضرت عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(شرح نقایہ)

علامہ ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں۔

اجماع الصحبته علی ان التراویح عشرون رکعة۔

ترجمہ: تمام صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔

ان تمام حوالوں سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ بیس رکعت تراویح پر صحابہ کا اجماع ہے۔ بیس رکعت تراویح پر عام مسلمانوں کا عمل ہے۔ بیس رکعت تراویح حرمین شریفین میں پڑھی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح عقل کے مطابق ہیں۔ بیس رکعت تراویح قرآنی رکوعات کی تعداد کے مناسب ہیں۔ بلکہ آج حرمین طیبین میں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر اب بھی وہاں بیس رکعت تراویح پڑھی جاتی ہیں۔ جس کا جی چاہے جا کر دیکھ لے۔ نہ معلوم ہمارے ہاں کے وہابی غیر مقلد کس کی تقلید کرتے ہیں۔ جو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔ آٹھ رکعت تراویح سنت رسول کے خلاف سنت صحابہ کے خلاف سنت مسلمین کے خلاف سنت علماء مجتہدین کے خلاف سنت حرمین طیبین کے خلاف ہے۔ ہاں ہوا نفس کے مطابق ہے کہ نماز نفس امارہ پر بوجھ ہے رب تعالیٰ نفس امارہ کے پھندوں سے نکالے اور سنت رسول پر عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

دوسری فصل ...... بیس رکعت تراویح پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدوں کے پاس آٹھ رکعت تراویح کی کوئی قوی دلیل نہیں کچھ اوہام رکیکہ اور کچھ شبہات فاسدہ ہیں۔ دل تو نہیں چاہتا کہ ہم ان کا ذکر کریں مگر بحث مکمل کرنے کے لئے ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ہدایت نصیب کرے۔

اعتراض ......: امام مالک نے سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه قال امر عمر ابن الخطاب ابی ابن کعب و تمیم الداری ان یقوما للناس باحدی عشرة رکعة الخ۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھایا کریں۔

(مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ا ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آٹھ تراویح کا حکم دیا تھا۔ اگر تراویح بیس رکعت ہوتیں تو کل رکعات ۲۳ بنتیں مع وتر کے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی سخت خلاف ہے۔ کیونکہ اس سے جہاں آٹھ تراویح کا ثبوت ہوا۔ وہاں ہی تین وتر کا بھی ثبوت ہوا تب ہی تو کل رکعتیں گیارہ ہوں گی۔ آٹھ تراویح تین وتر۔ اگر وتر ایک رکعت ہوتی تو کل نو رکعتیں ہوتیں۔ نہ کہ گیارہ۔ بتاؤ تم ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو کیا ایک ہی حدیث کے بعض حصہ کا اقرار ہے بعض کا انکار۔ لہٰذا اس روایت کا جو تم جواب دو گے وہ ہی جواب مارا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث کے راوی محمد ابن یوسف ہیں۔ ان کی روایات میں سخت اضطراب ہے۔ موطاء امام مالک کی اس روایت میں تو ان سے گیارہ رکعتیں منقول ہوئیں۔ اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں سے تیرہ رکعات نقل کیں۔ محدث عبدالرزاق نے انہی سے اکیس رکعتیں نقل فرمائیں دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ لہٰذا ان کی کوئی روایت معتبر نہیں۔ تعجب ہے کہ آپ نفس امارہ کی خواہش پوری فرمانے کے لئے ایسی واہیات روایتوں کی آڑ پکڑتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ عہد فاروقی میں اولاً آٹھ رکعت تراویح کا حکم ہوا۔ پھر بارہ رکعت کا پھر آخر میں بیس رکعت پر ہمیشہ کے لئے عمل ہوا۔ چنانچہ اسی موطا مالک میں حضرت اعرج سے ایک طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخر الفاظ یہ ہیں۔

وكان القارى يقراء سورة البقرة فى ثمان ركعات واذا قام بها فى ثنتى عشرة ركعته راى الناس انه قد خفف۔

ترجمہ: قاری آٹھ رکعت تراویح میں سورہ بقر پڑھتے تھے پھر جب بارہ رکعتوں میں پڑھنے لگے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ ان پر آسانی ہوگئی۔

(موطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی شرح میں مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں۔

ثبت العشرون فى زمن عمر و فى الموطا روايته باحدى عشرة وجمع بينهما انه وقع اولا ثم استقر الامر على العشرين فانه المتوارث۔

ترجمہ: ہاں بیس کا حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ثابت ہوا موطا شریف میں گیارہ رکعت کا ذکر ہے ان دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ عہد فاروقی میں پہلے تو آٹھ رکعت کا حکم تھا۔ پھر بیس رکعت پر تراویح کا قرار ہوا یہ ہی مسلمانوں میں رائج ہے۔

معلوم ہوا آٹھ رکعت تراویح پر عمل متروک ہے۔ بیس رکعت تراویح صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں میں معمول۔

اعتراض ......:۔ تمہاری پیش کردہ احادیث سے ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ بیس تراویح پڑھتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلے آٹھ رکعت کا حکم ہی کیوں دیا خلاف سنت حکم صحابہ کی شان سے بعید ہے۔

جواب:۔ حضور ﷺ نے خود تو بیس رکعات تراویح پڑھیں۔ مگر صحابہ کو اس تعداد کا صریحی حکم نہ دیا تھا۔ صرف رمضان کی راتوں میں نماز خصوصی کی رغبت دی تھی۔ بلکہ خود جماعت بھی باقاعدہ ہمیشہ نہ کرائی۔ وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ تراویح فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تراویح کی رکعات کی تعداد ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً اپنے اجتہاد سے آٹھ پھر بارہ مقرر فرمائیں۔ بیس کی سند مل جانے پر بیس ہی کا دائمی حکم دے دیا۔ اس زمانہ میں آج کی طرح حدیث کتابوں میں جمع نہ تھی۔ ایک ایک حدیث بہت کوشش و محنت سے حاصل کی جاتی تھی۔

اعتراض ......:۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابو سلمہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ ام المومنین نے ارشاد فرمایا۔

ما كان رسول الله ﷺ يزيد فى رمضان ولا فى غيره على احدى عشر ركعات۔

ترجمہ: حضور ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔
(صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تراویح آٹھ رکعت پڑھتے تھے۔ اگر بیس پڑھتے تو کل رکعات ۲۳ ہوتیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر اس سے آٹھ رکعت تراویح ثابت ہوتی ہے تو تین رکعت وتر بھی ثابت ہوئیں۔ تب ہی تو کل گیارہ ہوئیں۔ بتاؤ تم وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہو۔ جواب دو کیا بعض حدیث پر ایمان ہے۔ بعض کا انکار۔

دوسرے یہ کہ حضرت ام المومنین یہاں تہجد کا ذکر فرما رہی ہیں نہ کہ نماز تراویح کا اس ہی لئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان اور غیر رمضان و دیگر مہینوں میں گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں کب پڑھی جاتی ہے۔ اگر آپ اس پر غور کر لیتے تو ایسی جرات نہ کرتے۔ اس ہی لئے ترمذی شریف نے اس حدیث کو باب صلوۃ اللیل یعنی تہجد کے باب میں ذکر فرمایا۔ نیز اس ہی حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں۔ تو فرمایا کہ اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز سرکار آخر رات میں سو کر اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتیں تہجد پڑھی جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس نماز سے مراد تراویح ہے اور آٹھ تراویح حضور نے پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کا حکم کیوں دیا اور تمام صحابہ نے یہ حکم کیوں قبول کیا اور خود ام المومنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر کیوں نہ اعلان فرمایا کہ میں نے حضور کو آٹھ رکعت تراویح پڑھتے دیکھا ہے۔ تم بیس رکعت پڑھتے ہو۔ یہ خلاف سنت اور بدعت سیئہ ہے آپ کیوں خاموش رہیں۔ ذرا ہوش کرو حدیث کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرو۔

وھابیوں سے سوالات

تمام دنیا کے وہابیوں سے حسب ذیل سوالات ہیں سارے مل کر ان کے جوابات دیں بتاؤ۔

(۱) کہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم نے بیس رکعت کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس سنت کی انہیں خبر نہ تھی۔ آج قریباً چودہ سو برس بعد تم کو پتہ لگا۔

(۲) اگر نعوذ باللہ خلفاء راشدین نے بدعت سیئہ کا حکم دے دیا تھا تو تمام صحابہ نے بے چون و چرا قبول کیوں کر لیا گیا ان میں کوئی بھی حق گو اور متبع سنت نہ تھا آج اتنے عرصہ کے بعد تم حق گو بھی پیدا ہوئے اور متبع سنت بھی۔

(۳) اگر تمام صحابہ بھی خاموش رہے تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک سنت رسول کے خلاف بدعت سیئہ کا رواج دیکھا تو وہ کیوں خاموش رہیں۔ ان پر تبلیغ حق فرض تھی یا نہیں جیسے کہ آج تم آٹھ رکعت تراویح کے لئے ایڑی چوٹی کا زبانی قلبی بدنی و مالی زور لگا رہے ہو۔ انہوں نے یہ کیوں نہ کیا۔ پھر تو ام المومنین سے تم افضل ہوئے۔

(۴) وہ تمام خلفاء راشدین اور سارے صحابہ بلکہ خود حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیس رکعت تراویح پڑھ کر پڑھوا کر یا جاری ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ کر ہدایت پر تھے یا نعوذ باللہ گمراہ۔ اگر آج حنفی بیس رکعت تراویح پڑھنے کی بناء پر گمراہ اور بدعتی ہیں تو ان حضرات پر تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ جواب دو۔ جواب دو۔ جواب دو۔

(۵) اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے اور آٹھ رکعت تراویح سنت اور تم بہادروں نے چودہ سو برس بعد یہ سنت جاری کی۔ تو بتاؤ حرمین طیبین کے تمام مسلمان بدعتی اور گمراہ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ اور اگر ہیں تو تم آج نجدی وہابیوں کو اس کی تبلیغ کیوں نہیں کرتے۔ تمہارے فتوے صرف ہندو پاکستان میں فساد پھیلانے ہی کے لئے ہیں۔

(۶) حضرات آئمہ مجتہدین اور ان کے سارے متبعین جن میں لاکھوں اولیاء علماء محدث فقہاء مفسرین داخل ہیں۔ جو سب بیس تراویح پڑھتے تھے۔ وہ سب بدعتی اور گمراہ تھے یا نہیں۔

(۷) اگر یہ سارے حضرات گمراہ تھے اور ہدایت پر تمہاری مٹھی بھر جماعت ہے تو ان گمراہوں کی کتابوں سے حدیث لینا حدیث پڑھنا جائز ہے یا حرام اور ان کی روایت صحیح ہے یا نہیں جب بدعمل کی روایت صحیح نہیں۔ تو بدعقیدہ کی روایت صحیح کیونکر ہوسکتی ہے۔

(۸) تمام دنیا کے مسلمان جو بیس تراویح پڑھتے ہیں۔ تمہارے نزدیک گمراہ اور بدعتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے۔

اتبعوا السواد الاعظم۔

ترجمہ مسلمانوں کے بڑے گروہ کی اتباع کرو۔

(حاکم للمستدرک کتاب العلم ج ا ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۴۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور قرآن کریم نے عامۃ المسلمین کو خیر امت اور شہداء علی الناس کیوں فرمایا؟

امید ہے کہ حضرات وہابیہ نجد تک کے علماء سے مل کر ان سوالات کے جواب دیں۔ ہم منتظر ہیں۔

ہمارا مطالبہ:۔ ہم ساری دنیا کے وہابیوں نجدیوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ ایک صحیح مرفوع حدیث مسلم بخاری یا کم از کم صحاح ستہ کی ایسی پیش کریں۔ جس میں صراحۃ مذکور ہو کہ حضور ﷺ آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے یا اس کا حکم فرماتے تھے۔ مگر تراویح کا لفظ ہو۔ یا صحابہ کرام نے آٹھ تراویح دائمی طور پر قائم فرمائیں۔

اور ہم کہہ دیتے ہیں کہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔ صرف ضد پر ہو۔ رب تعالیٰ توفیق بخشے آمین۔ بیس ۲۰ رکعت تراویح کا ثبوت الحمدللہ حضور کے فعل شریف صحابہ کرام کے فرمان وعمل عامۃ المسلمین کے طریقہ شرعی اور عقل سے ہوا۔ والحمدللہ رب العالمین۔

لطیفہ:۔ غیر مقلد وہابی جو کبھی حنفیوں میں پھنس جاتے ہیں۔ تو تراویح بیس رکعت پڑھ لیتے ہیں۔ جس کا بارہا مشاہدہ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ انہیں خود بھی اپنے مذہب پر اعتماد نہیں۔



گیارھواں باب

ختم قرآن پر روشنی کرنا

عامۃ المسلمین کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ثواب اور روشنی قبر حاصل کرنے کے لئے یوں تو ہمیشہ ہی مگر رمضان یا شب قدر اور ختم قرآن کے دن خصوصیت سے مسجدوں میں چراغاں یعنی دھوم دھام سے روشنی کرتے ہیں۔ مسجدوں کو خوب آراستہ کرتے ہیں۔ وہابیوں کی مسجدیں بے رونق بے نور رہتی ہیں۔ انہیں مسجدوں میں چراغاں کرنے وہاں زینت دینے کی توفیق نہیں ملتی وہابی مسلمانوں کے اس کار ثواب کو بدعت حرام۔ بلکہ شرک تک کہتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں ان مسائل کا ثبوت دوسرے فصل میں ان مسائل پر اعتراضات مع جوابات۔ ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول ہے۔

پہلی فصل ......روشنی مسجد کا ثبوت

مسجدوں میں ہمیشہ روشنی کرنا۔ خصوصاً ماہ رمضان خصوصاً شب قدر یا ختم قرآن شریف کے دن وہاں چراغاں کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ جس کا بہت ثبوت ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) اللہ رب العزت قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے۔

انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ والیوم الاخر۔

ترجمہ: اللہ کی مسجدوں کو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸)

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مسجدوں میں جماعات نماز قائم کرنا۔ وہاں صفائی رکھنا۔ عمدہ چٹائیاں فرش وغیرہ بچھانا۔ وہاں روشنی و چراغاں کرنا وغیرہ سب مسجد کی آبادی میں داخل ہیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مسجد بیت المقدس میں کبریت احمر کی روشنی فرماتے تھے۔ جس کی روشنی میں میلوں تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجدوں میں رونق چراغاں کرنا ایمان کی علامت ہے۔ تو ظاہر ہے کہ مسجدوں کو بے نور بے آباد رکھنا کفار کی نشانی ہے۔

(۲) ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال اول من اسرج فی المساجد تمیم الداری۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ جس نے پہلے مسجدوں میں چراغ جلائے وہ تمیم داری صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

(سنن ابن ماجہ باب تطہیر المساجد و تطییبھا ج ۱ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۷۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں روشنی کرنا سنت صحابی ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں چراغ کا عام رواج نہ تھا۔ بوقت جماعت کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کر لی جاتی تھی۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے وہاں چراغاں کیا۔

(۳) ابوداؤد شریف نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت یارسول اللہ ﷺ افتنا فی بیت المقدس فقال رسول اللہ ﷺ ایتوہ فصلو فیہ و کانت البلاد فی ذلک حربا فان لم تاتوہ فصلو فیہ فابعثوا بزیت یسرج فی قنادیلہ۔

ترجمہ: انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہمیں مسجد بیت المقدس شریف کے متعلق حکم دیں تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں جاؤ اور وہاں نماز پڑھو اس زمانہ میں شہروں میں جنگ تھی تو فرمایا کہ اگر تم وہاں نہ پہنچ سکو اور نہ نماز نہ پڑھ سکو تو وہاں تیل بھیج دو۔ کہ وہاں کی قندیلوں میں جلایا جاوے۔

(سنن ابوداؤد باب فی السرج فی المساجد ج ۱ص ۲۵ ارقم الحدیث ۴۵۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کر کے جانا سنت ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نے معراج میں وہاں تمام نبیوں کو نماز پڑھائی۔ خود حضور انور ﷺ اور سارے پیغمبر سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے پہنچے۔ دوسرے یہ کہ بیت المقدس کی مسجد میں بہت قندیلیں روشن کی جاتی تھیں۔ جیسا قنادیل جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب وہاں نماز پڑھنے کی طرح ہے۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی عبادت اور باعث ثواب ہے چوتھے یہ کہ مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے دور سے تیل بھیجنا سنت صحابہ ہے۔

(۴) حدیث امام رافعی محدث نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ ومن علق فیہ قندیلاً صلی علیہ سبعون الف ملک حتی ینطفی ذالک القندیل۔

ترجمہ: کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے مسجد بنائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا اور جو مسجد میں قندیل جلائے گا اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کریں گے جب تک کہ یہ چراغ بجھ نہ جائے۔

(صحیح البہاری باب تعلیق القنادیل فی المساجد ج ۲ص ۳۱۶ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

معلوم ہوا کہ مسجد کی روشنی ستر ہزار فرشتوں کی دعا لینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) حدیث ابن نجار نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ من علق فی مسجد قندیلاً صلی علیہ سبعون الف ملک حتی ینطفی ذالک القندیل رواہ ابن النجار۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو مسجد میں کوئی قندیل لٹکائے تو اس پر ستر ہزار فرشتے دعاء رحمت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ قندیل گل ہو۔

(صحیح البہاری باب تعلیق القنادیل فی المساجد ج ۲ص ۳۱۶ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

معلوم ہوا کہ جیسے مسجد میں چراغ جلانا ثواب ہے۔ ایسے ہی مسجد میں چراغ یا تیل یا بتی دینا بھی ثواب ہے۔ خواہ ایک چراغ ہو یا بہت۔

(۶) حدیث ابن شاہین محدث نے حضرت ابی اسحاق ہمدانی سے روایت کی۔

قال خرج علی ابن ابی طالب فی اول لیلۃ من رمضان والقنادیل تزھرو کتاب اللہ تتلی فقال نور اللہ لک یا ابن الخطاب فی قبرک کما نورت مساجد اللہ تعالیٰ بالقرآن۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ رمضان کی پہلی شب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے مسجد نبوی میں قندیلیں جگمگا رہی تھیں اور قرآن کی تلاوت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا اے عمر ابن خطاب اللہ تعالیٰ تمہاری قبر روشن کرے جیسے تم نے اللہ کی مسجدوں کو قرآن کے وقت روشن کر دیا۔

(جامع الرضوی صحیح البہاری باب تنویر القنادیل ج ۲ص ۵۹۸۔۵۹۹ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

(۷) حدیث صحیح البہاری شریف نے بعض محدثین سے روایت کی کہ انہیں امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت پہنچی۔

انہ قال نور اللہ قبر عمر کما نور علینا مساجدنا۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قبر روشن کرے جیسے انہوں نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا۔
(جامع الرضوی صحیح البخاری باب تنویر القناد یل ج ۲ ص ۵۹۹ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

ان آخری روایتوں سے معلوم ہوا کہ رمضان شریف میں مسجدوں میں چراغاں کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے مروج ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض نہ فرمایا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں دعائیں دیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ روشنی مسجد سے انشاء اللہ قبر منور ہوگی۔ لہٰذا اب جو اس روشنی مسجد کو روکتا ہے۔ وہ در پردہ سنت صحابہ پر اعتراض کرتا ہے۔ اس چراغاں کے روکنے والے اپنی قبریں تاریک کر رہے ہیں۔

(۸) قرآن رب تعالیٰ ان بند کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔

ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ وسعی فی خرابھا۔

ترجمہ: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بے آبادی میں کوشش کرے۔
(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۱۴)

اس آیت میں ان لوگوں پر بھی عتاب ہے جو مسجدوں میں نماز۔ ذکر الٰہی۔ تلاوت قرآن نعت خوانی سے منع کریں اور ان لوگوں پر بھی عتاب ہے۔ جو مسجدوں میں چٹائیاں ڈالنے فرش بچھانے روشنی کرنے چراغاں وغیرہ سے روکیں کہ آبادی میں یہ سب چیزیں داخل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسجدوں کو آراستہ کرنا وہاں ہمیشہ یا بعض خصوصی موقعہ پر چراغاں کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ آج ہم اپنے مکانوں میں زیب وزینت کرتے ہیں۔ بیاہ شادی وغیرہ پر خوب دل کھول کر روشنی چراغاں کرتے ہیں۔ عمارتیں بجاتے ہیں۔ جب ہمارے گھر آراستگی روشنی چراغاں کے مستحق ہیں تو اللہ کا گھر جو تمام گھروں سے افضل ہے اسے عام گھروں سے زیادہ آراستہ کیا جاوے تاکہ مسجدوں کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو۔ یہ کام احترام مسجد اور تبلیغ دین کا ذریعہ ہے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کے جس قدر اعتراضات اب تک ہم نے سنے ہیں۔ وہ نہایت دیانداری سے مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض ......:۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی واسراف ہے اور اسراف سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

کلوا واشربوا ولا تسرفوا ان اللہ لا یحب المسرفین۔

ترجمہ: کھاؤ اور پیؤ اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچوں کو پسند نہیں فرماتا۔
(پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۳۱)

جواب:۔ مسجد کے چراغاں کو فضول خرچی کہنا غلط ہے۔ فضول خرچی اس خرچ کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی دینی یا دنیاوی نفع نہ ہو۔ مسجد کے چراغاں میں مسجد کی زینت ہے جو عبادت اور باعث ثواب ہے۔

اعتراض ......:۔ جب ایک چراغ سے روشنی حاصل ہوسکتی ہے تو باقی چراغاں بے کار ہیں اور بے کار خرچ فضول خرچی میں داخل ہے۔

جواب:۔ جب ایک قمیص و پائجامہ سے ستر حاصل ہوجاتا ہے تو چاہیئے کہ اچکن واسکٹ پہننا فضول خرچی اور حرام ہو۔ جب چھ آنہ گز کے گاڑھے سے ستر چھپ جاتا ہے تو چاہیئے کہ دو روپے گز کے ململ۔ لٹھا۔ چکن۔ وائل پہنا حرام ہو۔ جب گھر میں دو آنہ کے چراغ

سے روشنی حاصل ہوسکتی ہے تو وہاں صد ہا روپیہ خرچ کرکے بجلی کی فٹنگ کرانا اور گیس کی روشنی کرنا اسراف وحرام ہونا چاہیئے جب تھرڈ کلاس سے بھی راستہ طے ہوجاتا ہے تو انٹر بلکہ سیکنڈ۔ فسٹ میں روپیہ خرچ کرنا حرام ہونا چاہیئے۔ جناب ایک دیئے سے تو روشنی حاصل ہوتی ہے اور زیادہ چراغوں سے مسجد کی زینت ورونق مسجد کی روشنی بھی عبادت ہے اور وہاں کی زینت بھی عبادت۔

اعتـــــراض ......:۔ اگر مسجد میں چراغاں کرنا اچھی چیز ہے تو خود نبی کریم ﷺ نے اپنے زمانہ شریف میں مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیوں نہ کیا۔ کیا تم حضور ﷺ سے افضل ہو یا دین کے زیادہ ہمدرد ہو۔ جو کام حضور ﷺ نہ کریں تمہیں کرنے کا کیا حق ہے۔

جــواب:۔ اگر واسکٹ اچکن اعلیٰ درجہ کی ململیں پہننا اچھا کام ہے تو حضور انور ﷺ نے کیوں نہ استعمال فرمائیں جو کام حضور ﷺ نے نہ کیا وہ اے وہابیو تم کیوں کرتے ہو۔ تم اپنے گھروں میں بجلی فٹنگ کیوں کرتے ہو تم اپنے گھر میں بجلی گیس کیوں جلاتے ہو۔ جناب حضور ﷺ کے زمانہ شریف میں لوگوں کے گھر بھی سارے معمولی تھے۔ جہادوں کا زمانہ تھا اس طرف توجہ فرمانے کا موقعہ ہی نہ تھا جب صحابہ کرام کے زمانہ میں لوگوں نے اپنے گھر اچھے بنائے۔ تو فقہاء صحابہ نے سوچا کہ دین تو دنیا سے اعلیٰ ہے۔ اور اللہ کا گھر یعنی مسجد نبوی شریف ہمارے گھروں سے افضل۔ جب ہمارے گھر شاندار ہیں تو اللہ کا گھر بہت شاندار ہونا چاہیئے۔ یہ سوچ کر حضرت عثمان نے مسجد نبوی شریف بہت عالی شان بنائی اور وہاں بہت زیب وزینت کی حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔

ترجمہ: تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت مضبوطی سے پکڑو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ رقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶۔۱۷۲۷۷ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)، (سنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۲۳۰۵ تا ۲۳۰۷ رقم الحدیث ۶۲۷۴۔۶۲۷۵۔۶۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جیسے حضور کی سنت قابل عمل ہے۔ ایسے ہی حضور کے صحابہ کرام کی سنت لائق عمل حضور کے صحابہ نے مسجد نبوی شریف میں چراغاں کیا۔ بلکہ خود حضور انور ﷺ نے بیت المقدس کی مسجد میں چراغاں کرنے کے لئے تیل بھیجنے کا حکم دیا۔

اعتراض ......:۔ ابوداؤد شریف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ ما امرت بتشید المساجد قال ابن عباس لتزخرفنها کما زخرفت الیھود والنصاری۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ مجھے مسجدیں سجانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم یہود ونصاریٰ کی طرح آراستہ کروگے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۴۴۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجدیں سجانے کا حکم نہیں۔ یہ بھی پتہ لگا کہ عبادت خانے سجانا۔ یہود ونصاریٰ کی سنت ہے نہ کہ مسلمانوں کا طریقہ اور ظاہر ہے کہ مسجد میں چراغاں کرنا بھی سجاوٹ ہی ہے لہذا یہ بھی منع ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اگر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مسجدوں کی زینت اور وہاں چراغاں کرنا منع ہے تو انہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر وعثمان رضی اللہ عنہما کو مسجدوں کی زینت دیتے وہاں چراغاں کرتے دیکھا اور منع نہ فرمایا۔ کیا خود ہی

اپنی روایت کی مخالفت کی نیز کیا تمام صحابہ کرام اس حدیث کا وہ مطلب نہ سمجھے جو تم سمجھے نیز اس صورت میں یہ حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی کہ رب تعالیٰ نے مسجد کی زینت وآبادی کو ایمان کی علامت قرار دیا کہ فرمایا۔ انما یعمر مساجد الله الخ پتہ لگا کہ تم نے حدیث کا مطلب غلط سمجھا۔

دوسرے یہ کہ یہاں ہر زینت کی ممانعت نہیں بلکہ ناجائز ٹیپ ٹاپ پر عتاب ہے۔ جیسے فوٹو تصویروں سے سجانا اس ہی لئے یہود ونصاریٰ سے تشبیہ دی گئی۔ ان کے عبادت خانے تصاویر فوٹو سے سجائے جاتے ہیں۔ یا وہ زینت مراد ہے جو اللہ کے لئے نہ ہو دکھلاوے اور نام ونمود ریاکاری کے لئے ہو جیسا کہ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ مگر جو زینت وچراغاں صرف مسجد کے احترام اور رب تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو وہ بہتر ہے۔ رب تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم نصیب فرمائے۔

اعتراض ……:۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول الله ﷺ ان من اشراط الساعة ان یتباهی الناس فی المساجد۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کہا یقیناً علامات قیامت سے یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں فخر کریں گے۔

(سنن ابوداؤد باب فی بناء المساجد ج ۱ ص ۱۲۳ رقم الحدیث ۴۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجدوں کی زینت علامت قیامت ہے۔ اس سے اللہ بچائے۔

جواب:۔ اس حدیث کے وہ ہی معنی ہیں۔ جو ہم اعتراض نمبر ۲ کے جواب میں عرض کر چکے یعنی فخریہ مسجدیں بنانا اور شیخی کے طور پر مسجدیں سجانا علامت قیامت ہے کہ ایک محلے والے دوسرے محلہ والوں کے مقابلہ میں مسجد کو زینت دے کر انہیں طعنہ دیں کہ ہماری مسجد تمہاری مسجد سے زیادہ آراستہ ہے جناب فخر وریا کے لئے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ تو اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ اخلاص کی نماز بھی منع ہو جاوے۔

یا حدیث کے معنی یہ ہیں کہ قریب قیامت لوگ مسجدوں میں جا کر بجائے ذکر اللہ کرنے کے دنیاوی باتیں ایک دوسرے کے مقابل شیخی مارا کریں گے۔ یہ سخت گناہ ہے اور اگر حدیث کے وہ ہی معنے ہوں جو تم سمجھے یعنی مسجدوں کی زینت علامات قیامت ہے تو بھی اس سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی قیامت کی ہر علامت بری نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول۔ امام مہدی کا ظہور بھی علامت قیامت ہے۔ مگر برا نہیں بلکہ بہت بابرکت ہے۔

اعتراض ……:۔ مسجدوں میں چراغاں کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی۔

جواب:۔ یہ غلط ہے۔ یہ تو سنت صحابہ ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور اگر یہ بدعت بھی ہو تو ہر بدعت نہ حرام ہے نہ گمراہی۔ بخاری شریف چھاپنا بدعت ہے مگر حرام نہیں بلکہ ثواب ہے حدیث کا فن اس کی قسمیں بدعت ہیں مگر حرام نہیں بدعت کی نفیس تحقیق اسی جاء الحق کے پہلے حصہ میں دیکھو۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ آج کلمہ ونماز بلکہ ساری عبادتوں میں بہت بدعتیں شامل ہیں ان بدعتوں پر ثواب ہے۔



بارھواں باب

شبینہ پڑھنا ثواب ہے

ہمیشہ سے صالح مسلمانوں کا دستور ہے کہ ماہ رمضان المبارک میں شبینہ کرتے ہیں کبھی ایک رات میں۔ کبھی دو میں۔ کبھی تین راتوں میں پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتے ہیں۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ بھی روزانہ ایک قرآن شریف پڑھ لیتے تھے۔ یہ سب کچھ جائز اور ثواب ہے۔ بشرطیکہ اتنی جلدی نہ پڑھے کہ حروف قرآن درست ادا نہ ہوں۔ نہ سستی اور کسل سے پڑھے۔ مگر غیر مقلد وہابی اسے بھی حرام کہتے ہیں۔ رات بھر سینما دیکھنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ مگر تمام رات قرآن پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اون پر شرک و بدعت کے فتوے لگاتے ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں شبینہ کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلی فصل......شبینہ کا ثبوت

ایک شب میں قرآن ختم کرنا باعث ثواب ہے اس کا ثبوت قرآن و حدیث عقل بلکہ خود وہابیوں کی کتابوں سے ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) قرآن کریم اپنے محبوب ﷺ سے فرماتا ہے۔

یا یھا المزمل قم الیل الا قلیلاً نصفه او انقص منه او زد علیه ورتل القرآن ترتیلاً۔

ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے محبوب رات بھر قیام فرماؤ سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اوس سے کچھ کم کر دیا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔

(پارہ ۲۹ سورہ ۷۳ آیت نمبر ۱ تا ۴)

اس آیت کریمہ میں حضور کو قریباً تمام رات نماز پڑھنے کا حکم دیا اور شروع اسلام میں رات بھر عبادت کرنا فرض تھا۔ کچھ تھوڑا حصہ آرام کے لئے رکھا گیا تھا۔ پھر ایک سال کے بعد یہ فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مگر استحباب اب بھی باقی ہے۔ اب جو شخص شبینہ میں تمام رات جاگے۔ بہت کم سوئے وہ اس آیت پر عامل ہے۔ مگر چاہیے یہ کہ شبینہ وہ پڑھے۔ جو قرآن صحیح پڑھ سکے۔ جیسا کہ ترتیل کے حکم سے معلوم ہو رہا ہے۔

(۲) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں نماز خسوف کا ذکر ہے۔ اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

فقام قیاماً طویلاً نحوا من قراء ۃ سورۃ البقرۃ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے گرہن کی نماز میں بہت دراز قیام فرمایا قریباً سورہ بقر کی بقدر۔

(صحیح البخاری باب صلوۃ الکسوف جماعۃ وصلی لھم ابن عباس ج اص ۳۵۷ رقم الحدیث ۱۰۰۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم باب ما عرض علی النبی ﷺ فی صلوۃ الکسوف من امر الجنۃ والنار ج ۲ ص ۶۲۶ رقم الحدیث ۹۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ حضور نے گرہن کی نماز میں سورۃ بقر یعنی ڈھائی پارہ کی برابر قرأت کی شبینہ میں فی رکعۃ ڈیڑھ پلدہ آتا ہے۔ جب ایک رکعۃ میں ڈھائی پارہ پڑھنا ثابت ہے۔ تو ڈیڑھ پارہ پڑھنا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

(۳) حدیث ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی نماز تہجد کے متعلق ایک بہت دراز حدیث نقل فرمائی۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

فصلی اربع رکعات قرء فیهن البقرة وال عمران والنساء والمائدة والانعام۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے نماز تہجد میں چار رکعت پڑھیں۔ جن میں سورۃ بقر اور آل عمران اور سورہ نساء اور مائدہ و سورہ انعام پڑھیں۔
(جامع الرضوی صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۵۵ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

دیکھو نبی ﷺ نے تہجد کی چار رکعتوں میں قریباً آٹھ پارے پڑھے یعنی فی رکعت قریباً دو پارے۔ شبینہ میں ہر رکعت میں اتنی قراۃ نہیں ہوتی۔ ڈیڑھ پارہ فی رکعت ہوتا ہے تو یہ کیوں حرام ہوگا۔

(۴) حدیث مسلم و بخاری نے حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قام النبی ﷺ حتی تورمت قدماه فقیل له لما تصنع هذا و قد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے نماز شب میں اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آگیا تو عرض کیا گیا کہ آپ ایسی مشقت کیوں کرتے ہیں۔ آپ کی بدولت آپ کی امت کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے تو فرمایا کہ کیا میں بندہ شکر گزار نہ ہوں۔
(صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبی ﷺ اللیل حتی ترم قدماہ ج ۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبادت میں مشقت اٹھانا سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ اگر کسی شبینہ میں کسی مومن کے پاؤں پر ورم آجاوے تو اس خوش نصیب کو یہ سنت نصیب ہوگی۔ وہابیوں کو خود تو عبادت کی توفیق نہیں ملتی دوسروں کو بھی عبادت سے روکتے ہیں۔

(۵) حدیث طحاوی شریف نے حضرت ابن سیرین سے روایت کی۔

قال کان تمیم الداری یحیی اللیل کله بالقرآن کله فی رکعة۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ تمام رات جاگتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھتے تھے۔
(شرح معانی الآثار باب جمع السور فی رکعۃ ج ۱ ص ۳۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۲۱۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شبینہ میں تو بیس رکعت تراویح میں قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ صحابی رسول تو ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔

(۶) حدیث طحاوی شریف نے حضرت اسحاق ابن سعید سے روایت کی۔

عن ابیه عن عبدالله ابن الزبیر انه قرء القرآن فی رکعة۔

ترجمہ: وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔
(شرح معانی الآثار باب جمع السور فی رکعۃ ج ۱ ص ۳۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۷) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت عثمان ابن عبدالرحمٰن تیمی سے روایت کی۔

قال لی ابی اغلبن اللیلة علی المقام فلما صلیت العتمة تخلصت الی المقام حتی قمت فیه فبینا انا قائم اذا رجل وضع یده بین کتفی فاذا هو عثمان ابن عفان فبدا ابام القرآن فقراء حتی ختم القرآن فرکع وسجد ثم اخذ نعلیه فلا ادری اصلی قبل ذالك شیئا ام لا۔

ترجمہ: مجھ سے میرے والد نے فرمایا کہ آج تمام رات مقام ابراہیم پر جاگوں گا۔ جب میں نماز عشاء پڑھ چکا۔ تو مقام ابراہیم پر پہنچا میں کھڑا ہی ہوا تھا کہ اچانک ایک صاحب نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔ وہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ تھے آپ نے سورہ فاتحہ سے قرآن شروع کیا۔ بس پڑھتے رہے یہاں تک کہ قرآن ختم کرلیا۔ پھر رکوع کیا اور سجدہ کیا اور اپنے نعلین شریف اٹھائے یہ مجھے خبر نہیں کہ اس سے پہلے نماز پڑھی یا نہیں۔
(جامع الرضوی صحیح البخاری باب ختم القرآن کلہ فی لیلۃ ج ۲ ص ۵۹۹ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)، (شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۲۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۸) حدیث ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

کان اسود یختم القرآن فی رمضان فی کل لیلتین و کان ینام بین المغرب والعشآء۔

ترجمہ: کہ حضرت اسود رضی اللہ عنہ ماہ رمضان میں ہر دو رات میں ایک قرآن ختم فرماتے تھے اور مغرب وعشاء کے درمیان سوتے تھے۔
(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۹ رقم الحدیث ۲۱۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۹) حدیث طحاوی شریف نے حضرت حماد سے روایت کی۔

عن سعید ابن جبیر انه قرء القرآن فی رکعة فی البیت۔

ترجمہ: حضرت سعید ابن جبیر صحابی نے بیت اللہ شریف میں ایک رکعت میں سارا قرآن شریف پڑھا۔
(شرح معانی الآثار باب جمع السور فی رکعۃ ج ۱ ص ۳۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اکثر رات جاگنا نماز پڑھنا۔ روزانہ قیام فرمانا حتی کہ پاؤں پر ورم آجاوے۔ ایک رکعت میں ڈھائی پارے پڑھنا سنت رسول ﷺ ہے اور ایک رات دو رات بلکہ ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھنا سنت صحابہ ہے۔ جو شبینہ کو حرام یا شرک یا فسق کہے وہ نرا جاہل ہے۔

(۱۰) مرقاۃ شرح مشکوۃ باب تلاوت القرآن میں صفحہ ۶۱۵ پر صحابہ کرام کا دستور اس طرح بیان فرمایا۔

فختمه جماعة فی یوم ولیلة مرة وآخرون مرتین واخرون ثلث مرات وختمه فی رکعة من لا یحصون کثرة۔

ترجمہ: ایک جماعت نے دن رات میں ایک ختم کیا ایک نے دو بار بعضوں نے تین بار اور رکعۃ میں قرآن پڑھنے والے تو بے شمار ہیں۔
(مرقاۃ المفاتیح کتاب فضائل القرآن ج ۴ ص ۱۰۷ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حاشیہ......☆

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

ثنا شعبة قال کان سعد بن ابراهیم یصوم الدهر ویقراء القرآن فی کل یوم ولیلة۔

ترجمہ: شعبہ بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابراہیم سال بھر روزے رکھتے تھے اور ہر رات اور دن میں قرآن ختم کرتے تھے۔
(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۲۱۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابو الحسین بن الفضل انا عبد الله بن جعفر ثنا یعقوب بن سفیان ثنا محمد بن ابی زکیر انا ابن وهب قال قیل لمالك الرجل المحصی یختم القرآن فی لیلة قال ما اجود ذلك ان القرآن امام لکل خیر قال مالك ولقد اخبرنی اخبرنی من کل یصلی الی جنب عمر بن حسین فی رمضان قال کنت اسمعه یستفتح القرآن فی کل لیلة۔

ترجمہ: ابن وہب بیان کرتے ہیں کہ مالک محصی سے کہا گیا تھا کہ قرآن ایک رات میں پورا کیا جائے۔ فرمایا کہ یہ کتنی ہی اچھی بات ہے۔ بے شک قرآن مجید امام ہر چیز کے لئے البتہ تحقیق مجھے خبر دی تھی اس آدمی نے جو حضرت بن حسین کے برابر میں رمضان میں نماز پڑھتے تھے کہ میں اس سے سنتا تھا کہ ہر رات قرآن کا نیا ختم شروع کرتے تھے۔
(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۲۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

قال علی بن المدینی کان یحیی یختم القرآن فی کل یوم ولیلة بین المغرب والعشاء۔

ترجمہ: امام علی بن مدینی بیان کرتے ہیں کہ یحیٰی ہر دن اور رات میں مغرب وعشاء کے درمیان قرآن مجید کا ختم کرتے تھے۔
(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۹ رقم الحدیث ۲۱۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شبینہ عبادت ہو نہ کہ حرام کیونکہ عبادات کا ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ گرمیوں کے روزے۔ تلوار کا جہاد۔ مشقت کے حج پر ثواب ملے گا۔ عذاب نہ ہوگا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسلمان رب کی رضا کے لئے تمام رات نماز بھی پڑھے۔ قرآن شریف کی تلاوت بھی کرے اور بجائے ثواب کے عذاب پائے۔ قرآن کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ہیں تو تعجب ہے کہ سارے قرآن پڑھنے پر بجائے نیکیوں کے الٹا عذاب ہو حضرت داؤد علیہ السلام بطور معجزہ تھوڑی دیر میں ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ ساری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے تو اگر ایک شب میں قرآن پڑھنے پر عذاب ہوتا ہو تو پھر نعوذ باللہ حضرت داؤد علیہ السلام بقول وہابیہ پوری زبور پڑھنے پر گنہگار ہوتے ہوں گے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔

لطیفہ:۔ وہابیوں نے اپنی کتاب ارواح ثلثہ میں اپنے بانی مذہب مولوی اسمٰعیل صاحب کے فضائل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ مولوی اسماعیل صاحب عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے لوگوں نے خود ان سے اتنی دیر میں سارا قرآن سنا۔ اب میں وہابیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس لئے لعن طعن کرتے اور ان کی جناب میں گالیاں بکتے ہو کہ وہ جناب ماہ رمضان میں روزانہ دن کو ایک قرآن شریف اور شب کو ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ بولو تمہارے اسمٰعیل تو عصر سے مغرب تک ایک قرآن ختم کر لیتے تھے۔ وہ بھی اسی لعن طعن کے مستحق ہیں یا نہیں۔ وہ بھی فاسق و فاجر ہیں یا نہیں یا تمہارا امام جو کرے وہ مباح ہے جواب دو۔

دوسری فصل......شبینہ پر اعتراضات وجوابات

شبینہ کے متعلق ہم وہ اعتراضات بھی نقل کرتے ہیں جو غیر مقلد وہابی کرتے ہیں۔ اور وہ اعتراضات بھی بیان کرتے ہیں جو آج تک ان کو سوجھے نہیں۔ ہم ان کی وکالت میں عرض کرتے ہیں مع جوابات کے رب تعالیٰ قبول فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱:۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ورتل القرآن ترتیلا۔

ترجمہ: قرآن شریف کی تلاوت ٹھیر ٹھیر کر کرو۔

(پارہ ۲۹ سورہ ۷۳ آیت نمبر ۴)

اور ظاہر ہے کہ جب ہر رکعات میں ڈیڑھ پارہ پڑھ کر سارا قرآن ایک رات میں ختم کیا جاوے گا تو حافظ کو بہت تیز پڑھنا پڑے گا۔ جس میں سواء یعلمون تعلمون سمجھ میں نہ آوے گا۔ لہذا شبینہ پڑھنا حکم قرآن کے خلاف ہے۔

حاشیہ......☆

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

عن هشام بن حسان قال صليت الى جنب منصور بن زاذان فيما بن المغرب والعشاء فختم القرآن وبلغ الى النمل زادني يحيى بن معين عن يحيى بن ابى بكير فى رمضان۔

ترجمہ: ہشام بن حسان بیان کرتے ہیں کہ میں نے منصور ابن زاذان کے پہلو میں نماز پڑھی مغرب اور عشاء کے درمیان اس نے قرآن کا ختم کیا اور سورۂ نمل تک پہنچے اور یحییٰ بن معین نے مجھے اور زیادہ بتایا یحییٰ بن ابو بکیر سے رمضان میں۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۲۱۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جواب:۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ تمہارے بانی مذہب مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔بتاؤ وہ ٹھیر ٹھیر کر پڑھتے تھے یا یعلمون تعلمون وہ حرام کے مرتکب تھے یا نہیں۔حضرت داؤد علیہ السلام بہت جلد ساری زبور پڑھ لیتے تھے۔حضرت عثمان غنی۔تمیم داری۔عبداللہ ابن زبیر وغیرہم اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک رکعت میں سارا قرآن پڑھا ہے خود حضور انور ﷺ تہجد کی ایک رکعت میں دو پارے اور نماز خسوف میں ایک رکعت میں ڈھائی پارے تلاوت فرماتے تھے۔جن کے حوالے پہلی فصل میں گزر گئے۔کیا آپ کا یہ اعتراض ان ہستیوں پر بھی جاری ہوگا۔اگر نہیں تو کیوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض کو قوت لسانی ایسی بخشی ہے کہ وہ بہت تیز پڑھ کر بھی صاف اور واضح پڑھ سکتے ہیں۔بعض میں یہ قوت نہیں۔وہ اگر تیز پڑھیں تو صرف یعلمون تعلمون ہی سمجھ میں آوے گا۔شبینہ صرف پہلی قسم کے حفاظ پڑھیں دوسری قسم کے حفاظ ہرگز نہ پڑھیں اس آیت کریمہ کا یہ ہی منشا ہے۔آیت کریمہ اپنی جگہ حق ہے اور حضور ﷺ اور ان بزرگ صحابہ کرام کا عمل شریف جنہوں نے ایک رکعت میں بہت دراز تلاوت کی اپنی جگہ حق ہے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ حدیث ترمذی۔ابوداؤد۔دارمی نے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ یفقه من قرء القرآن فی اقل من ثلث۔

ترجمہ: بے شک فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جو تین دن سے کم میں قرآن پڑھے۔وہ قرآن نہ سمجھے گا۔

(مشکوۃ المصابیح آداب التلاوۃ و دروس الفصل الثانی ص۱۹۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن ہرگز نہ پڑھنا چاہیے کیونکہ پھر سمجھ میں نہ آوے گا۔لہذا شبینہ بالکل منع ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے تم تو تین شب کا شبینہ بھی حرام کہتے ہو اور اس حدیث میں اس کی اجازت آ گئی۔دوسرے یہ کہ تمہارے پیشوا مولوی اسماعیل دہلوی عصر سے مغرب تک قرآن کریم ختم کر لیتے تھے۔وہ بھی اس زد میں آ جاتے ہیں۔ان کی صفائی پیش کرو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

تیسرے یہ کہ سرکار عالم ﷺ نے اس حدیث میں عام لوگوں کی بیان فرمائی۔کہ علے العموم حفاظ اگر ایک یا دو دن میں ختم قرآن کریں۔تو سمجھ نہ سکیں گے۔بعض بندے جو اس پر قادر ہیں وہ اس حکم سے علیحدہ رہیں۔جیسے حضرت عثمان وغیرہم صحابہ کرام ایک رکعت میں قرآن ختم کرتے تھے۔اس ہی لئے اس حدیث کی شرح میں مرقات ولمعات شریف میں ہے کہ بعض بزرگ ایک دن و رات میں تین ختم کرتے تھے۔بعض حضرات آٹھ ختم فرما لیتے تھے اور شیخ ابو مدین مغربی ایک دن و رات میں ستر ہزار قرآن پڑھ لیتے تھے۔انہوں نے ایک دفعہ حجر اسود چوم کر دروازہ کعبہ پر آتے آتے ختم قرآن کر لیا۔اور لوگوں نے حرف و حرف سنا۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب فضائل القرآن آداب التلاوۃ و دروس الفصل الثانی ج۴ ص۷۰۲ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

والحق ان ذالك تختلف باشخاص۔

ترجمہ: حق یہ ہے کہ یہ حکم مختلف لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب فضائل القرآن آداب التلاوۃ و دروس الفصل الثانی ج۴ ص۷۰۲ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اعتراض نمبر ۳:۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے طویل حدیث نقل فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

واقرء فی کل سبع لیال ولا تزد علی ذالك۔

ترجمہ: ہر ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرو۔اس پر زیادہ نہ کرو۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب فضائل القرآن آداب التلاوۃ و دروس الفصل الثانی ج۴ ص۷۰۱ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

دیکھو حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے جلد ختم کرنے کی اجازت مانگی حضور ﷺ نے اولاً تو حکم دیا کہ ایک ماہ میں ایک ختم کرو۔ اصرار کرنے پر ارشاد ہوا کہ ایک ہفتہ سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا چاہئیے لہذا شبینہ منع ہے۔

جواب:۔ سرکار ﷺ کا یہ جواب سیدنا عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ وہ ایک دورات میں ختم کرنے پر صاف نہ پڑھ سکتے ہوں گے۔ یا یہاں دائمی تلاوت کا ذکر ہے کہ اگر روزانہ ہر انسان ایک ختم کیا کرے تو دنیاوی کاروبار معطل ہو جاویں گے اگر سال میں ایک آدھ دن میں قرآن ختم کیا جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ جن صحابہ نے ایک ایک رکعت میں ایک ایک قرآن پڑھا ہے انہیں یہ حدیث معلوم تھی۔ پھر بھی ایک رکعت میں ختم کرتے تھے۔

اعتراض نمبر ٤:۔ حضور ﷺ نے کبھی ایک دورات میں پورا قرآن نہ پڑھا لہذا شبینہ بدعت ہے اور بدعت سے بچنا چاہئیے۔

جواب:۔ حضور انور ﷺ کا ایک شب میں پورا قرآن پڑھنا دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ آپ کی اول حیات شریف میں پورا قرآن اترا ہی نہ تھا۔ وفات سے کچھ پہلے قرآن کی تکمیل ہوئی لہذا وہاں ختم قرآن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے انہیں اپنی امت پر رحم فرمایا تا کہ شبینہ پڑھنا ان پر ضروری سنت نہ ہو جائے۔ پھر صحابہ نے شبینہ پڑھا، جیسے حضور ﷺ نے تراویح ہمیشہ نہ پڑھی۔ پھر صحابہ نے باقاعدہ جماعت سے پڑھی۔ (شبینہ سنت صحابہ ہے) جس پر عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ ہی ثواب ملے گا۔ جو سنت رسول ﷺ پر عمل کرنے سے ملتا ہے۔ سنت صحابہ کو بدعت کہہ کر منع کرنا وہابیوں کو ہی سجتا ہے ہم اہل سنت یہ نہیں کہہ سکتے۔

اعتراض نمبر ٥:۔ آج کل شبینہ کا یہ حال ہے کہ حافظ تلاوت کر رہا ہے مقتدیوں میں کوئی سو رہا ہے کوئی اونگھ رہا ہے کوئی سست بیٹھا ہے اس میں قرآن کریم کی بے ادبی ہے اس لئے شبینہ بند ہو جانا چاہئیے۔

جواب:۔ یہ محض جھوٹا الزام ہے شبینہ میں بعض لوگ باقاعدہ شبینہ سننے آتے ہیں وہ کھڑے ہو کر خوب شوق سے سنتے ہیں۔ بعض محض شبینہ دیکھنے آتے ہیں وہ لیٹے بیٹھے رہتے ہیں جس میں کوئی حرج نہیں قرآن سننا فرض کفایہ ہے بعض کا سننا کافی ہے اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ سارے مسلمان سستی سے سنتے ہیں تو کوشش کر کے سستی دور کرو، شبینہ بند نہ کرو آج کل شادی بیاہ میں بہت گناہ کئے جاتے ہیں ناچ تماشے باجے آتشبازی سب ہی کچھ ہوتی ہے۔ براہ مہربانی نکاح بند نہ کرو بلکہ ان چیزوں کو روکنے کی کوشش کرو، حضور ﷺ کے زمانہ میں کعبہ شریف میں بت تھے تو حضور ﷺ نے کعبہ نہ ڈھایا بلکہ جب رب نے قوت دی تب بتوں کو نکال دیا اگر مسجد میں کتا گھس جاوے۔ تو مسجد کو نہ گراؤ۔ کتے کو نکالو اگر چار پائی میں کھٹمل کپڑوں یا سر کے بالوں میں جوئیں ہو جاویں تو یہ کیڑے مار دو، چار پائی یا کپڑے یا بالوں کو آگ نہ لگا دو، وہابیوں کا یہ عجیب قاعدہ ہے کہ عبادتوں سے خرابیاں دور کرنے کی بجائے خود عبادت کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اسی قسم کے بہانوں سے سارے امور خیر کو روکتے ہیں۔ جیسے میلاد شریف ختم بزرگاں وغیرہ اگر سنی بھائیوں نے ہمارا یہ جواب یاد رکھا تو انشاء اللہ وہابیوں کے فتنوں سے بچے رہیں گے ہم نے شبینہ کے مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو اس لئے کر دی کہ آج کل عام طور پر وہابی اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں جہاں رمضان شریف میں کسی جگہ شبینہ کا اہتمام ہوا جھٹ دیو بندی اور غیر مقلد وہابیوں نے حرام و شرک کے فتوے جڑے۔

☆............☆

تیرھواں باب

بوقت جماعت سنت فجر پڑھنا

فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص فجر کے وقت مسجد میں جب آئے جبکہ جماعت ہورہی ہو اور ابھی اس نے سنت فجر نہ پڑھی ہوں تو اسے چاہیئے کہ جماعت سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہو کر سنت فجر پڑھ لے بشرطیکہ جماعت مل جانے کی قوی امید ہو اگر التحیات بھی مل سکے تب بھی سنت فجر پڑھ لے مگر وہابی غیر مقلد اس کے سخت خلاف ہیں اور اسی مسئلہ کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے موقعہ پر سنت فجر چھوڑ دے اور جماعت میں شرکت کرے ہم نہایت دیانتداری سے اس باب کی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے سوالات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرمادے۔

(۱) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن ابیہ حین دعاھم سعید ابن العاص دعا ابا موسی وحذیفۃ وعبداللہ ابن مسعود قبل ان یصلی الغداۃ ثم خرجوا من عندہ وقد اقیمت الصلوۃ فجلس عبداللہ الی اسطوانۃ من المسجد فصلی الرکعتین ثم دخل فی الصلوۃ۔

ترجمہ: وہ اپنے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ جب انہیں سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ نے بلایا اس نے حضرت ابوموسیٰ حضرت حذیفہ اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو بلایا نماز فجر پڑھنے سے پہلے یہ حضرات سعید ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے واپس ہوئے حالانکہ فجر کی تکبیر ہو چکی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک ستون کے پاس بیٹھ گئے پھر وہاں دو رکعتیں پڑھیں پھر نماز میں شامل ہوئے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دیکھو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فقیہہ صحابی ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں جماعت فجر ہوتے ہوئے سنت فجر پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہوئے اور اس پر نہ تو ان دونوں صحابیوں نے کچھ اعتراض کیا نہ کسی اور نمازی نے معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کا عام طریقہ یہ ہی تھا کہ بوقت جماعت فجر سنت فجر پڑھتے پھر جماعت میں شامل ہوتے تھے۔ اور صحابہ کرام بغیر حضور کے حکم کے ایسا نہ کرسکتے تھے۔ غرضیکہ یہ فعل سنت صحابہ ہے۔

(۲) اسی طحاوی نے حضرت ابومجلز سے روایت کی۔

قال دخلت المسجد فی صلوۃ الغداۃ مع ابن عمر وابن عباس والامام یصلی فاما ابن عمر فدخل فی الصف واما ابن عباس فصلی رکعتین ثم دخل مع الامام فلما سلم الامام قعد ابن عمر مکانہ حتی طلعت الشمس فرکع رکعتین۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مسجد میں گیا۔ حالانکہ امام نماز پڑھارہا تھا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تو صف میں داخل ہوگئے۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اولاً دو سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ نماز میں داخل ہوئے پھر جب امام نے سلام پھیرا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں ہی بیٹھے رہے جو سورج نکل آیا تو دو رکعتہ نفل پڑھیں۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۲۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو بڑے فقیہہ صحابی اور حضور ﷺ کے اہل بیت اطہار میں سے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وتمام صحابہ کی موجودگی میں جماعت فجر کے وقت دوسنتیں پڑھ کر جماعت میں شرکت فرمائی اور کسی نے آپ پر اعتراض نہ کیا۔

(۳) اس طحاوی نے حضرات ابوعثمان انصاری سے روایت کی۔

قال جاء عبداللہ ابن عباس والامام فی صلوۃ الغداۃ ولم یکن صلی الرکعتین فصلی ابن عباس الرکعتین خلف الامام ثم دخل معھم۔

ترجمہ: کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مسجد میں اس حال میں آئے کہ امام فجر میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابھی سنت فجر نہ پڑھی تھیں۔ تو آپ نے امام کے پیچھے (دور) دورکعتیں پڑھیں پھر ان سب کے ساتھ شامل ہوئے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج اص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۴) طحاوی شریف نے حضرت محمد ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال خرج ابن عمر من بیتہ فاقیمت صلوۃ الصبح فرکع رکعتین قبل ان یدخل المسجد وھو فی الطریق ثم دخل المسجد فصلی الصبح مع الناس۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے گھر سے نکلے ادھر نماز صبح کی تکبیر ہوئی تو آپ نے مسجد میں آنے سے پہلے ہی دوسنتیں پڑھیں حالانکہ آپ راستہ میں تھے پھر مسجد میں آئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج اص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۵) طحاوی شریف نے حضرت ابی عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن ابی الدرداء انہ کان یدخل المسجد و الناس صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی الرکعتین فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم فی الصلوۃ۔

ترجمہ: کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لاتے تھے حالانکہ لوگ نماز فجر میں صف بستہ ہوتے تھے تو آپ مسجد کے ایک گوشہ میں دورکعتیں پڑھ لیتے تھے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج اص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۶) طحاوی شریف نے حضرت ابوعثمان ہندی سے روایت کی۔

قال کنا ناتی عمر ابن الخطاب قبل ان نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلوۃ فنصلی رکعتین فی اخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس سنت فجر پڑھنے سے پہلے آتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز میں ہوتے تھے تو ہم مسجد کے کنارے پر سنت فجر پڑھ لیتے تھے، پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہوجاتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج اص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۷) طحاوی شریف نے حضرت یونس سے روایت کی۔

قال کان الحسن یقول یصلیھما فی ناحیتہ المسجد ثم یدخل مع القوم فی صلوتھم۔

ترجمہ: کہ امام حسن فرماتے تھے کہ سنت فجر مسجد کے ایک گوشہ میں پڑھ لے پھر قوم کے ساتھ ان کی نماز میں شامل ہوجاوے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج اص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۸) طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

یقول ایقظت ابن عمر لصلوۃ الفجر وقد اقیمت الصلوۃ فقام فصلی الرکعتین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کونماز فجر کے لئے بیدار کیا۔حالانکہ فجر کی تکبیر ہورہی تھی تو آپ نے پہلے سنت فجر پڑھیں۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۹) طحاوی شریف نے حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

كان مسروق يجئي الى القوم وهم في الصلوة ولم يكن ركع ركعتي الفجر فيصلي الركعتين في المسجد ثم يدخل مع القوم في صلوتهم۔

ترجمہ: حضرت مسروق قوم کے پاس آتے تھے جب کہ وہ نماز فجر میں مشغول ہوتے اور مسروق نے سنت فجر نہ پڑھی ہوتیں تو آپ مسجد میں پہلے دو سنتیں پڑھ لیتے پھر قوم کے ساتھ نماز میں شامل ہوتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱۰) طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه دخل المسجد والامام في الصلوة فصلى ركعتي الفجر۔

ترجمہ: کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے حالانکہ امام نماز میں تھا آپ نے پہلے دو سنت فجر پڑھیں۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ا ص ۳۷۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہ دس حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ اس کے متعلق بہت روایات ہیں اگر شوق ہو تو طحاوی شریف کا مطالعہ فرمادیں۔

عقل کا تقاضا: بھی یہی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پہلے پڑھے پھر جماعت میں شریک ہو کیونکہ تمام موکدہ سنتوں میں سنت فجر کی زیادہ تاکید ہے، حتیٰ کہ مسلم و بخاری ابوداؤد ترمذی اور نسائی شریف نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

(۱۱تا۱۵) **لم يكن النبي ﷺ على شيئي من النوافل اشد تعاهداً منه على ركعتي الفجر۔**

ترجمہ: حضور ﷺ جتنی نگہبانی و پابندی سنت فجر کی فرماتے تھے اتنی کسی سنت کی نہ فرماتے تھے۔

(صحیح مسلم باب استحباب رکعتی ج ا ص ۵۰۱ رقم الحدیث ۲۴۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۵۲ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۹ رقم الحدیث ۱۲۵۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

احمد، طحاوی، ابوداؤد شریف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول الله ﷺ لاتدعوا ركعتي الفجر وان طردتكم الخيل۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ سنت فجر نہ چھوڑو اگرچہ تمہیں دشمن کا لشکر بھگا رہا ہو۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰ رقم الحدیث ۱۲۵۸ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

غرضیکہ سنت فجر کی بہت تاکید ہے اور اگر سنت فجر رہ جائیں فرض پڑھ لئے جاویں تو ان کی قضا نہیں ہوتی سنت ظہر تو فرض ظہر کے بعد بھی پڑھ لئے جاتے ہیں ادھر جماعت بھی واجب ہے اگر یہ شخص سنت فجر کی وجہ سے جماعت چھوڑ دے تو واجب کا تارک ہوا اور اگر جماعت کی وجہ سے سنت فجر چھوڑ دے تو اتنی اہم سنت موکدہ کا تارک ہوا۔لہٰذا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑے اگر جماعت مل سکے تو پہلے سنت فجر پڑھ لے۔پھر جماعت میں شامل ہو جاوے دو عبادتیں کرنا بہتر ہے ایک کو چھوڑنا بہتر نہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ جہاں جماعت ہو رہی ہو وہاں ہی سنت فجر پڑھنا منع ہے کہ اس میں جماعت کی مخالفت اور اس سے منہ پھیرنا ہے۔لہٰذا ایسی جگہ کھڑا ہو جہاں جماعت میں شامل نہ معلوم ہو مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں۔

ظہر کی پہلی سنتیں موکدہ ہیں مگر بعد فرض پڑھی جاسکتی ہیں اور سنت عصر و عشاء موکدہ نہیں غیر موکدہ ہیں، اس لئے انہیں بوقت جماعت

نہیں پڑھ سکے سنت فجر موکدہ بھی ہیں اور بعد فرض پڑھی بھی نہیں جاتیں اس لئے اگر جماعت مل جانے کی امید ہو تو پڑھ لے لیکن اگر جماعت نہ مل سکے تو پھر سنت فجر چھوڑ دے کہ جماعت واجب ہے۔ واجب سنت سے زیادہ اہم ہے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک اس مسئلہ پر ہم جس قدر اعتراضات معلوم کر سکے ہیں وہ مع جوابات نہایت دیانتداری سے عرض کئے دیتے ہیں۔ اگر آئندہ کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا بھی جواب عرض کر دیں گے۔

اعتراض نمبر 1:۔ طحاوی وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی ﷺ قال اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ۔

ترجمہ: آپ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو فرض کے سوا کوئی نماز نہیں۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۷۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر سنتیں پڑھنا، اس حدیث کے تصریح خلاف ہے۔ کیونکہ تکبیر ہو چکنے کے بعد صرف فرض نماز ہی پڑھی جانی چاہیئے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ فجر کی تکبیر ہو جانے پر اپنے گھر میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ سنتیں پڑھ لے اگر وہ جگہ مسجد کے بالکل متصل ہو جہاں تک امام کی قرات کی آواز جارہی ہو اور جماعت وہاں سے نظر آرہی ہو تو جو تم جواب دو گے۔ وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے سنت فجر یا دوسرے فرض جماعت سے پہلے شروع کر دیئے ہوں اور درمیان میں فجر کی جماعت کھڑی ہو جاوے۔ تو تم بھی اس نماز کا توڑنا واجب نہیں کہتے۔ بلکہ جائز ہے کہ یہ نماز پوری کر کے جماعت میں شریک ہو، حالانکہ اس حدیث میں کچھ تفصیل نہیں، لہٰذا یہ حدیث گویا مجمل ہے۔ جس پر بغیر تفصیل عمل ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث مرفوع صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے جیسا کہ اسی جگہ طحاوی شریف نے بہت تحقیق سے بیان فرمایا۔ اور ہم پہلی فصل میں ثابت کر چکے ہیں کہ فقہاء صحابہ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھ کر جماعت میں شریک ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کا عمل وقول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول پر ترجیح پاوے گا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث پر ہر شخص عمل نہیں کر سکتا کیونکہ صاحب ترتیب جس پر ترتیب نماز فرض ہے اگر اس کی عشاء قضاء ہو گئی اور جماعت فجر قائم ہو جاوے تو وہ اولاً عشاء قضاء کرے، پھر جماعت میں شرکت کرے ورنہ ترتیب کے خلاف ہو گا۔

پانچویں یہ کہ اگر یہ حدیث مرفوع درست ہو تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تکبیر فجر کے وقت جماعت کی جگہ یعنی صف سے متصل سنت فجر نہ پڑھے بلکہ مسجد کے گوشہ میں جماعت سے علیحدہ پڑھے تا کہ مذکورہ بالا خرابیاں لازم نہ آویں حنفی یہ ہی کہتے ہیں کہ جماعت سے متصل سنت فجر ہرگز نہ پڑھے۔

چھٹے یہ کہ بیہقی شریف میں یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔

اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ الا رکعتی الفجر۔

ترجمہ: جب نماز کی تکبیر کہی جاوے تو سوائے فرض کوئی نماز جائز نہیں۔ بجز سنت فجر کے۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۳ رقم الحدیث ۴۳۲۶ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

اس صورت میں آپ کا اعتراض جڑ سے کٹ گیا، بیہقی کی یہ روایت اگر ضعیف بھی ہو تو بھی عمل صحابہ کی وجہ سے قوی ہو جاوے گی۔ عمل صحابہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے وہاں ملاحظہ فرماؤ۔

ساتویں یہ کہ آپ کی پیش کردہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ تکبیر نماز کے بعد کوئی نفل جائز نہیں یعنی یہ درست نہیں کہ جماعت ہو رہی ہو اور دوسرا آدمی اس جگہ نفلیں پڑھے جاوے۔ سنت فجر نفل نہیں۔ بلکہ موکدہ سنت ہے یہ تاویل اس لئے ہے تا کہ احادیث میں تعارض نہ رہے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ طحاوی شریف نے حضرت مالک ابن بحسینہ سے روایت کی۔

قال اقیمت صلوٰۃ الفجر فاتی رسول اللہ ﷺ علی رجل یصلی رکعتی الفجر فقام علیه ولاث به الناس فقال اتصلیها اربعا ثلث مرات۔

ترجمہ: کہ ایک دن فجر کی تکبیر کہی گئی پس حضور ﷺ ایک شخص پر گزرے جو سنت فجر پڑھ رہا تھا اس پر کھڑے ہو گئے اور لوگوں نے بھی اسے گھیر لیا فرمایا کہ کیا تو فجر کے فرض چار پڑھتا ہے یہ تین بار فرمایا۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں سنت فجر کا صراحۃ ذکر ہو گیا جس میں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی معلوم ہوا کہ تکبیر فجر کے وقت سنت فجر سخت منع ہے۔

جواب:۔ یہ صاحب مالک ابن بحسینہ کے صاحبزادے عبداللہ تھے اور وہاں ہی سنت فجر پڑھ رہے تھے۔ جہاں جماعت ہو رہی تھی، یعنی صف سے متصل یہ واقعی مکروہ ہے اسی پر حضور ﷺ نے عتاب فرمایا چنانچہ اسی طحاوی شریف میں اسی حدیث سے کچھ آگے یہ حدیث مفصل طور پر اس طرح مذکور ہے۔

عن محمد ابن عبدالرحمن ان رسول اللہ ﷺ مر بعبد اللہ ابن مالک ابن بحینة وھو منتصب ثمه بین یدی نداء الصبح فقال لا تجعلوا ھذہ الصلوۃ کصلوۃ قبل الظھر و بعدھا واجعلوا بینھما فصلاً۔

ترجمہ: محمد ابن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام عبداللہ ابن مالک ابن بحسینہ پر گزرے حالانکہ وہ وہاں ہی کھڑے ہوئے تھے تکبیر فجر کے بالکل سامنے تو حضور نے فرمایا کہ اس سنت فجر کو ظہر کی پہلی پچھلی سنتوں کی طرح نہ بناؤ سنت فجر اور فرض فجر میں فاصلہ کرو۔

(شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی صلوۃ الفجر ولم یکن رکع ایرکع اولا یرکع ج ۱ ص ۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث نے آپ کی پیش کردہ حدیث کو بالکل واضح کر دیا کہ اگر سنت فجر جماعت سے دور پڑھی جاوے تو بلا کراہۃ جائز ہے جماعت سے متصل پڑھنا منع ہے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ لہذا آپ کا اعتراض اصل سے ہی غلط ہے۔

اعتراض نمبر ۳:۔ جماعت فجر کے وقت چونکہ امام کی تلاوت کی آواز اس شخص کے کان میں بھی آوے گی۔ اس لئے اس وقت سنت فجر نہ پڑھنا چاہیئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو لہذا سنت فجر جماعت کے وقت پڑھنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ہم کو سخت تعجب ہے کہ یہاں تو آپ سنت فجر اس لئے منع فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہنا فرض ہے اور خود آپ ہی امام کے پیچھے مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں کیا قراۃ خلف الامام میں آپ کو یہ آیت

یاد نہ رہی۔

دوسرے یہ کہ یہ اعتراض خودتم پر بھی پڑتا ہے تم کہتے ہو کہ مسجد کے باہر سنت فجر پڑھ سکتے ہیں اگر چہ وہ جگہ مسجد سے بالکل متصل ہو۔ جہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز پہنچ رہی ہو۔

تیسرے یہ ہے قرآن پاک کا سننا اور تلاوت کے وقت خاموش رہنا فرض کفایہ ہے۔فرض عین نہیں۔مقتدیوں کا سننا اور خاموش رہنا کافی ہے، اگر فرض عین ہوتا تو بہت مشکل درپیش آتی۔ایک شخص کی تلاوت پر جہاں تک اس کی آواز پہنچتی ہو وہاں تک طعام کلام اور دنیاوی کاروبار بند ہوجاتے آج سائینس کا زور ہے ریڈیو پر تلاوت قرآن ہوتی ہے جس کی آواز ساری دنیا میں پہنچتی ہے۔اگر سننا خاموش رہنا فرض عین ہوتو مصیبت آجاوے۔بہرحال یہ اعتراض محض لغو ہے۔

اعتراض نمبر ٤:۔ جماعت فجر کے وقت سنت فجر پڑھنے میں جماعت کی مخالفت ہے کہ لوگ قیام میں ہیں یہ رکوع یا سجدہ میں، لوگ سجدہ میں ہیں یہ التحیات میں اور مخالفت جماعت سخت بری چیز ہے۔

جواب:۔ یہ مخالفت جب ہوگی جبکہ جماعت سے متصل سنت فجر پڑھی جاویں اسے ہم بھی سخت مکروہ کہتے ہیں۔اگر جماعت سے دور مسجد کے گوشہ یا دوسرے حصہ میں پڑھے تو مخالفت بالکل نہیں بلکہ بوقت ضرورت یہ مخالفت بھی جائز ہوتی ہے دیکھو جس مقتدی کا وضو ٹوٹ جاوے اور وہ وضو کر کے واپس آئے۔اسی اثناء میں دو ایک رکعت ہوچکیں تو اپنی جگہ پہنچ کر یہ شخص پہلے اپنی فوت شدہ رکعتیں پڑھے گا۔پھر جماعت کے ساتھ شامل ہوگا۔ان رکعتوں کے ادا کرنے میں ظاہر ہے کہ جماعت کی مخالفت ہوگی مگر ضرورتاً جائز ہے۔سنت فجر بھی ضروری ہیں کہ اگر جماعت سے دور رہ کر ادا کر لی جاویں تو کوئی حرج نہیں۔



چودھواں باب

نمازیں جمع کرنا منع ہیں

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرے مقیم ہو یا مسافر بیمار ہو یا تندرست مگر غیر مقلد وہابی بحالت سفر ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء جمع کر کے پڑھتے ہیں یعنی عصر کے وقت میں ظہر وعصر ملا کر اور عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل قرآن شریف کے بھی خلاف ہے۔ اور احادیث صحیحہ کے بھی مخالف ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں مذہب حنفی کے دلائل دوسری فصل میں غیر مقلد وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل ......نمازیں جمع کرنا منع ہے

ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے اور عمداً کسی نماز کو اپنے وقت کے بعد پڑھنا بلا عذر سخت گناہ اور منع ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبرا:۔ رب تعالیٰ نماز کے اوقات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

ان الصلوة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً۔

ترجمہ: مسلمانوں پر نماز فرض ہے اپنے وقت میں۔

(سورہ نساء آیت نمبر ۱۰۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی ہر نماز کا اپنے وقت میں پڑھنا بھی فرض ہے جیسے نماز کا تارک گنہگار ہے۔ ایسے ہی بلا عذر نماز کو بے وقت پڑھنے والا بھی مجرم ہے اس آیت میں مقیم و مسافر کا کوئی فرق نہیں ہر مومن کو یہ حکم ہے کوئی ہو۔

نمبر۲:۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فويل للمصلين الذين هم عن صلوتهم ساهون۔

ترجمہ: خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں میں سستی کرتے ہیں۔

(پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۷ آیت نمبر ۵-۴)

اس آیت میں نماز سستی سے پڑھنے والوں پر عتاب ہے بلا عذر وقت گزار کر نماز پڑھنا بھی سستی میں داخل ہے بلکہ اول درجہ کی سستی ہے۔

نمبر۳:۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

اقيموا الصلوة واتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين۔

ترجمہ: نماز قائم کرو زکوۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۴۳)

قرآن کریم نے کہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا ہر جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ہمیشہ نماز پڑھے صحیح پڑھے صحیح وقت پر پڑھے۔ نماز کا وقت گزار کر پڑھنا نماز قائم کرنے کے خلاف ہے۔

نمبر۴:۔ رب تعالیٰ متقیوں کی تعریف اس طرح فرماتا ہے۔

هدى للمتقين الذين يومنون بالغيب و يقيمون الصلوة ومما رزقنهم ينفقون۔

ترجمہ: قرآن ان متقی لوگوں کے لئے ہادی ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے ہیں۔
(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۔۳)

معلوم ہوا کہ متقی و پرہیزگار وہ مومن ہے جو نماز قائم کرے یعنی ہر نماز اس کے وقت پر پڑھے اور ہمیشہ پڑھے خواہ مقیم ہو یا مسافر سفر میں ظہر یا عصر کا وقت نکال کر نماز پڑھنا ان آیات کریمہ کے صریح خلاف ہے۔

نمبر ۵ و ۶:۔ حدیث مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال سالت النبی ﷺ ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوۃ لوقتھا قلت ثم ای قال الجھاد فی سبیل اللہ قال حدثنی بھن ولو استزدتہ لزادنی۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل سب سے اچھا ہے فرمایا وقت پر نماز پڑھنی میں نے کہا پھر کونسا عمل فرمایا۔ ماں باپ کی خدمت میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل فرمایا۔ اللہ کی راہ میں جہاد فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ باتیں فرمائیں اگر زیادہ پوچھتا تو زیادہ بتاتے۔

(صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوۃ لوقتھا ج ۱ ص ۱۹۷ رقم الحدیث ۵۰۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۰ رقم الحدیث ۸۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۲ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (مجمع الزوائد و منبع الفوائد ج ۱۰ ص ۳۰۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن الترمذی ج ۱ ص ۳۲۵۔۳۲۶ رقم الحدیث ۱۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند حمیدی ص ۵۷ رقم الحدیث ۱۰۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۱۹ رقم الحدیث ۹۸۰۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (شعب الایمان ج ۴ ص ۲۳۸ رقم الحدیث ۳۹۲۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۱۴۷۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

نمبر ۷ تا ۱۰:۔ احمد۔ ابوداؤد۔ مالک۔ نسائی نے حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ خمس صلوات افترضھن اللہ تعالیٰ من احسن وضوء ھن وصلاھن لوقتھن واتم رکوعھن وخشوعھن کانہ لہ علی اللہ عھد ان یغفرلہ۔ الخ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ رب نے پانچ نمازیں فرض کیں جو مسلمان ان کا وضو اچھی طرح کرے اور انہیں ان کے وقت پر ادا کرے اور ان کا رکوع اور حضور قلبی پورا کرے تو اس کے متعلق اللہ کے کرم پر وعدہ ہے کہ اسے بخش دے۔

(سنن ابوداؤد باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۴۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نمبر ۱۱:۔ ترمذی شریف نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال یا علی ثلث لاتؤخرھا الصلوۃ اذا اتت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفواً۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ تین چیزوں میں دیر مت لگاؤ نماز جب آجاوے اور جنازہ جب موجود ہو لڑکی جب تم اس کا کفو پاؤ۔

(سنن الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل ج ۱ ص ۳۲۰ رقم الحدیث ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نمبر ۱۲ تا ۱۴:۔ احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد نے حضرت ام فروہ سے روایت کی۔

قالت سئل النبی ﷺ ای الاعمال افضل قال الصلوۃ لاول وقتھا۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کونسا عمل افضل ہے فرمایا نماز پڑھنا اس کے اول وقت مستحب ہیں۔

(سنن الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل ج ۱ ص ۳۲۰ رقم الحدیث ۱۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد باب فی المحافظۃ علی وقت الصلوات ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۴۲۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نمبر ۱۵:۔ مسلم شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ تلک صلوۃ المنافق یجلس ویرقب الشمس حتی اذا اصفرت وکانت بین

قرنی الشیطن قام فنقر اربعا لایذکر اللہ الا قلیلا۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جب زرد ہو جاوے اور سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان پہنچ جاوے تو چار چونچ مارے، جن میں رب کا ذکر تھوڑا کرے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۳۴ رقم الحدیث ۶۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی ج ا ص ۳۰۱ رقم الحدیث ۱۶۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی باب التشدید فی تاخیر العصر ج ا ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۵۱۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۴۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس قسم کی احادیث بے شمار ہیں۔ جن میں نماز کو وقت پر ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے اور دیر سے یا وقت مکروہ میں نماز پڑھنے پر سخت عتاب فرمایا اسے منافقوں کا عمل قرار دیا گیا یہاں بطور نمونہ چند احادیث پیش کی گئیں افسوس ہے ان وہابی غیر مقلدوں پر جو گھروں سے دو میل جا کر سفر کا بہانہ بنا کر وقت نکال کر نماز پڑھتے ہیں نہ کوئی مجبوری ہوتی ہے نہ کوئی عذر، صرف نفس امارہ کا دھوکا ہے۔ کھانا وقت پر کھائیں دنیاوی تمام کام خوب سنبھال کر کریں مگر نمازیں بگاڑیں جو اسلام کا پہلا فریضہ اور اعلیٰ رکن ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہابیوں کی صحبت سے بچیں اور سفر و حضر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھیں۔

عقل کا تقاضا:۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں ہر نماز اپنے وقت پر پڑھی جاوے ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں نہ پڑھے کیوں کہ شریعت نے پانچوں نمازیں اور نماز جمعہ نماز عیدین نماز تہجد نماز اشراق نماز چاشت سب کے اوقات علیحدہ علیحدہ مقرر فرمائے کہ ان میں سے کسی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں ادا نہیں کیا جاتا مسافر بحالت سفر نماز فجر عصر نماز عشاء کو اپنے وقت میں ہی پڑھتا ہے۔ ایسے ہی اگر مسافر نماز تہجد نماز اشراق نماز چاشت نماز جمعہ پڑھے تو ان کے مقررہ وقتوں ہی میں پڑھے گا۔ یہ نہیں کر سکتا کہ نماز تہجد سورج نکلنے کے بعد یا نماز جمعہ عصر کے وقت میں یا نماز فجر آفتاب نکلنے یا نماز عشاء صبح صادق ہو جانے پر پڑھے۔ تو ظہر اور مغرب نے کیا قصور کیا ہے کہ مسافر صاحب ظہر تو عصر کے وقت میں پڑھیں اور مغرب عشاء کے وقت میں حالانکہ سفر میں ان دونوں نمازوں کے وہ ہی وقت ہیں۔ جو حضر میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہابی صاحبان بتائیں کہ جب وہ سفر میں ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے ہیں تو یہ ظہر اور مغرب ادا ہوتی ہے یا قضاء اگر قضاء ہوتی ہے تو دیدہ و دانستہ نماز قضا کرنا سخت گناہ ہے۔ اور اگر ادا ہوتی ہے تو کیوں حضرت جبریل امین علیہ السلام نے جو حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں نمازوں کے اوقات عرض کئے تو یہ نہ فرمایا کہ مسافر کے لئے ظہر کا وقت آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت صبح صادق تک ہوگا بلکہ ہر مسلمان کے لئے وقت ظہر عصر سے پہلے ختم ہونے اور وقت مغرب عشاء سے پہلے ختم ہونے کا حکم دیا تھا پھر تم نے مسافر کے لئے ان دو نمازوں کے اوقات مسافر و مقیم ہر ایک کے لئے یکساں ہیں ہر مسلمان پر فرض ہے۔ کہ ہر حال میں ہر نماز اس کے وقت میں پڑھے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

غیر مقلد وہابی اب تک اس مسئلے کے متعلق جس قدر اعتراضات کر سکے ہیں ہم وہ تمام نقل کر کے ہر ایک کے جوابات عرض کرتے ہیں آیندہ اگر کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی عرض کر دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱:۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال کان رسول اللہ ﷺ یجمع بین صلوۃ الظھر والعصر اذا کان علی ظھر سیر ویجمع بین المغرب والعشآء۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر میں ہوتے تو نماز ظہر و عصر جمع فرمالیتے تھے اور مغرب و عشاء بھی جمع فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب تاخیر الظہر الی العصر ج ا ص ۷۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ حدیث ابوداؤد، ترمذی، موطاء امام مالک، موطاء امام محمد، طحاوی شریف وغیرہ بہت محدثین نے مختلف راویوں سے کچھ فرق سے بیان فرمائی ہے۔ یہ ہی حدیث وہابیوں کی انتہائی دلیل ہے جسے وہ بہت قوی دلیل سمجھتے ہیں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں بغور ملاحظہ فرماؤ۔

ایک یہ کہ ابوداؤدشریف اور طحاوی شریف وغیرہم نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی روایت کی کہ حضور ﷺ بغیر سفر خوف کے مدینہ منورہ میں بھی ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء جمع فرمالیتے تھے۔ چنانچہ ابوداؤدشریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قال جمع رسول اللہ ﷺ بین الظھر والعصر والمغرب والعشآء بالمدینۃ من غیر خوف ولا مطر۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی ﷺ ظہر وعصر مغرب وعشاء مدینہ منورہ میں بغیر بارش اور بغیر خوف کے جمع فرمالیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷، رقم الحدیث ۱۲۱۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بلکہ اسی ابوداؤد طحاوی شریف نے انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حضور ﷺ مدینہ منورہ میں سات بلکہ آٹھ نمازوں کو جمع فرمالیتے تھے۔

چنانچہ ابوداؤدشریف کے الفاظ یہ ہیں۔

قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ بالمدینۃ ثمانیا وسبعاً۔ الظھر والعصر والمغرب والعشاء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات نمازیں یا آٹھ نمازیں جمع کرکے ہم کو پڑھائیں ظہر، وعصر، مغرب عشاء۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۷، رقم الحدیث ۱۲۱۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

تو اے وھابیو! تم صرف سفر میں صرف ظہر وعصر یا مغرب وعشاء پر ہی مہربانی کیوں کرتے ہو؟ تمہیں چاہیئے کہ روافض کی طرح سات سات آٹھ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ کر آرام کیا کرو سفر میں بھی اور گھر میں بھی کیا بعض احادیث کو مانتے ہو بعض کے انکاری ہو؟

دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ بخاری کی روایت میں یہ تو مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر وعصر جمع فرمائی مگر یہ تفصیل نہیں کہ کیسے جمع فرمائیں آیا عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھایا ظہر کو عصر کے وقت میں ایسے ہی مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی یا عشاء مغرب کے وقت میں لہٰذا یہ حدیث مجمل ہے۔ اور مجمل حدیث بغیر تفصیل کے قابل عمل نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ حضور ﷺ کا سفر میں ان نمازوں کو جمع فرمانا عذر سفر کی وجہ سے تھا ضرورت پر بہت سی ممنوع چیزیں حلال ہو جاتی ہیں اور جمع میں بھی صرف صورتاً تھا حقیقتاً نہ تھا یعنی حضور ﷺ نے ظہر عصر کے وقت میں نہ پڑھی۔ بلکہ سفر کرتے کرتے ظہر کے آخر وقت میں قیام فرمایا ظہر آخر وقت میں ادا فرمائی اور عصر اول وقت میں بظاہر معلوم یہ ہوا کہ حضور ﷺ نے دو نمازیں ایک وقت میں ادا فرمائیں لیکن حقیقتاً ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی ظہر یا مغرب آپ نے آخر وقت میں پڑھی عصر یا عشاء اول وقت میں۔ اس صورت میں یہ حدیث نہ قرآن کے خلاف ہوئی نہ دوسری ان احادیث کے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کیں۔ یہ جمع بالکل جائز ہے یہ ہی ہمارا مذہب ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث جو طحاوی وابوداؤد نے روایت کی۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں بغیر خوف بغیر بارش سات آٹھ نمازیں جمع فرمالیتے تھے وہاں سات آٹھ نمازیں مراد نہیں بلکہ سات آٹھ رکعتیں مراد ہیں کہ اگر مغرب وعشاء صورتاً جمع فرمائیں تو فرض کی سات رکعتیں جمع ہو گئیں تین مغرب کی چار عشاء کی اور اگر ظہر وعصر جمع فرمائیں۔ تو آٹھ رکعت جمع ہو گئیں چار ظہر کی چار عصر کی چونکہ یہ جمع صورتاً تھی نہ کہ حقیقتاً لہٰذا سفر میں بھی جائز تھی اور حضر میں بھی بیان جواز کے لئے حدیث سمجھنے کے لئے شرعی عقل اور حدیث والے محبوب ﷺ سے رشتہ غلامی چاہیئے جس سے وہابی بے بہرہ ہیں۔

اس معنے کی تائید

نمازیں جمع کرنے کے جو معنی ہم نے بیان کئے اس معنے کی تائید بہت سی احادیث سے ہوتی ہے۔ جن میں سے بعض احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ سنو اور عبرت پکڑو۔

حدیث نمبر ۱:۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ کان یجمع المغرب والعشاء یوخر ھذہ فی اخر وقتھا و یعجل ھذہ فی اول وقتھا۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ مغرب وعشاء اس طرح جمع فرماتے تھے کہ مغرب اس کے آخر وقت میں ادا فرماتے تھے اور عشاء اس کے اول وقت میں۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری ابواب صلاۃ المسافر باب جمع الصوری بین الصلاتین فی السفر ج ۲ ص ۱۰۱ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۲:۔ بخاری شریف میں حضرت سالم سے ایک طویل حدیث روایت کی۔ جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں۔

و کان عبداللہ ابن عمر یفعلہ اذا اعجلہ السیر یقیم المغرب فیصلیھا ثلثا ثم یسلم فلما یلبث حتی یقیم العشآء فیصلیھا رکعتین۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی حضور علیہ السلام کا سا عمل کرتے تھے کہ جب سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی تکبیر کہتے اور تین رکعت پڑھتے پھر سلام پھیرتے پھر تھوڑی دیر ٹھہرتے پھر عشاء کی تکبیر فرماتے اور دو رکعت عشاء پڑھتے۔

(صحیح البخاری ابواب تقصیر الصلوۃ باب یصلی المغرب ثلاثا فی السفر ج ۱ ص ۱۴۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث نمبر ۳:۔ نسائی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال اقبلنا مع ابن عمر من مکۃ فلما کان تلک اللیلۃ سا ربنا حتی امسینا فظننا انہ نسی الصلوۃ فقلنا لہ الصلوۃ فسکت وسار حتی کاد الشفق ان یغیب ثم نزل فصلی وغاب الشفق فصلی العشآء ثم اقبل علینا فقال ھکذا کنا نصنع مع رسول اللہ ﷺ اذا جدبہ السیر۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم مکہ معظمہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ آئے جب یہ رات ہوئی تو آپ چلتے رہے یہاں تک کہ شام ہوگئی ہم سمجھے کہ حضرت عبداللہ نماز بھول گئے ہم نے ان سے کہا کہ نماز پڑھ لیجئے مگر آپ چلتے ہی رہے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے قریب ہوگئی تو اترے اور مغرب پڑھی پھر شفق غائب ہوگئی تو نماز عشاء پڑھی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم حضور کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے تھے جب سفر میں جلدی ہوتی۔

(سنن النسائی کتاب المواقیت باب الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء ج ۱ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۵۹۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

اس قسم کی بے شمار حدیثیں ہیں جن میں صراحتاً ارشاد ہوا ہے کہ سفر میں عصر وظہر یا مغرب وعشاء صرف صورتاً جمع کی جاویں گی کہ مغرب اپنے آخر وقت میں پڑھی جاوے عشاء اپنے اول وقت میں نہ تو ظہر عصر کے وقت میں پڑھی جاوے نہ مغرب عشاء کے وقت میں اگر ان احادیث کی تفصیل دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ ہم نے صرف تین حدیثوں پر اکتفا کی لہٰذا حنفیوں کی توجیہ بالکل درست ہے اس کی تائید قرآن کریم بھی کر رہا ہے۔ اور دیگر احادیث بھی وہابیوں کی توجیہ بالکل باطل ہے قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور احادیث کے بھی۔

اے وہابیو! اگر تم ان احادیث کی وجہ سے سفر میں جمع حقیقی مانتے ہو تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی وجہ سے بحالت اقامت سات بلکہ آٹھ نمازیں ایک دم پڑھ لیا کرو یہ حدیث ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں جب تم اس حدیث میں جمع صوری مراد لیتے

ہو۔تو یہاں جمع حقیقی کیوں مراد لیتے ہو؟ کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے۔بعض کا انکار۔

اعتراض نمبر ۲:۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

قال کان النبی ﷺ اذا رتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظهر الی وقت العصر ثم نزل فجمع بینهما۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر کے وقت تک موخر کرتے پھر دونوں نمازیوں جمع فرماتے۔

(صحیح البخاری ابواب تقصیر الصلوۃ باب یوخر الظہر الی العصر اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس فیہ ابن عباس عن النبی ﷺ ج ا ص ۱۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ظہر وعصر کے وقت میں پڑھتے تھے جیسا کہ الی العصر سے ظاہر ہے۔

جواب:۔ آپ نے اس حدیث کا ترجمہ غلط کیا الی سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کے وقت سے پہلے نزول فرماتے تھے غایت مغیا سے خارج ہے۔نہ کہ داخل عصر تک مؤخر فرمانے کے معنے یہ ہیں کہ عصر کے قریب تک مؤخر فرماتے تھے۔جیسا کہ اعتراض نمبر ا کے جواب کی حدیث سے معلوم ہوا۔لہذا جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع تحقیقی۔

اعتراض نمبر ۳:۔ طحاوی شریف نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

حتی اذا کان عند غیوبة الشفق نزل فجمع بینهما وقال رایت رسول الله ﷺ هکذا اذا جدبه السیر۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہونے کا وقت آ گیا تو اترے پس مغرب وعشاء جمع فرمائیں اور فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے جب سفر میں جلدی ہوتی۔

(شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین کیف ھو ج ا ص ۱۶۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں صراحتاً مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما شفق غائب ہونے کے وقت اترے یقیناً آپ نے مغرب عشاء کے وقت میں پڑھی۔

جواب:۔ یہ بھی آپ کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔اس کے معنے یہ کب ہیں کہ شفق غائب ہونے کے بعد اترے معنے بالکل ظاہر ہیں کہ جب شفق غائب ہونے لگی یعنی غائب ہونے کے قریب ہوئی تب اترے۔نماز مغرب پڑھتے ہی شفق غائب ہوگئی اور وقت عشاء آ گیا۔عشاء پڑھ لی۔ہم پہلے اعتراض کے جواب میں ان ہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل شریف بیان کر چکے ہیں جس میں تصریح ہے کہ آپ نے مغرب آخر وقت میں پڑھی اور عشاء اول وقت میں وہ حدیث تمہاری اس حدیث کی تفسیر ہے۔

اعتراض نمبر ٤:۔ اگر ہر نماز اپنے وقت میں ہی پڑھنی چاہیے اور سفر وغیرہ عذر کی حالت میں بھی ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا گناہ ہے تو حاجی لوگ عرفات نویں ذی الحجہ کو ظہر وعصر ملا کر کیوں پڑھتے ہیں۔ظہر کے وقت میں عصر اور دسویں ذی الحجہ کی شب کو مزدلفہ میں مغرب وعشاء ملا کر عشاء کے وقت میں کیوں پڑھتے ہیں۔حنفی بھی وہاں نمازوں کا جمع کرنا جائز کہتے ہیں۔جب حج کے موقعہ پر نماز ظہر وعصر ایسے ہی مغرب وعشاء حقیقی طور پر ایک ہی وقت میں جمع ہوگئیں۔تو اگر سفر میں جمع ہو جاویں۔تو کیا حرج ہے۔اے حنفیو! تم قرآنی آیت اور یہ احادیث حج میں کیوں بھول جاتے ہو؟ (یہ وہابیوں کا انتہائی اعتراض ہے)۔

جواب:۔ جناب نہ تو عرفہ میں عصر ظہر کے وقت میں ادا ہوتی ہے نہ مزدلفہ میں مغرب عشاء کے وقت ہیں۔بلکہ وہاں حجاج کے لئے عصر کا وقت ظہر کی طرف اور مغرب کا وقت عشاء کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔یعنی وہاں مغرب کا وقت شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔اور عصر کا وقت ظہر پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔جیسے وتر کا وقت عشاء کے فرض پڑھتے ہی شروع ہو جاتا ہے۔لہذا وہاں نمازیں

اپنے وقت سے نہ ہٹیں۔ بلکہ نمازوں کے اوقات ہٹ گئے نمازیں اپنے وقت ہی میں ہوئیں اور تم سفر میں نمازوں کو اپنے وقت سے ہٹاتے ہو۔ وقت ہٹ جانے اور نماز ہٹ جانے میں بڑا فرق ہے۔

اس کی کھلی دلیل یہ ہے کہ اگر امام عرفہ میں ظہر اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھے اور عصر ہمیشہ کے وقت تو سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے عصر قضا کر دی اور اگر اس دن مغرب کی نماز اپنے ہمیشہ کے وقت میں پڑھی اور عشاء اپنے معمولی وقت میں تو نماز مغرب ہوگی ہی نہیں اور ایسا کرنے والا سخت گنہگار ہوگا۔ گویا اس نے مغرب کی نماز وقت سے پہلے پڑھ لی۔ معلوم ہوا کہ آج ان نمازوں کے وقت ہی بدل دیئے گئے ہیں۔

لیکن اگر مسافر ظہر و عصر جمع نہ کرے بلکہ ظہر اپنے وقت میں پڑھے۔ اور عصر اپنے وقت میں ایسے ہی مغرب اپنے وقت میں پڑھے اور عشاء اپنے وقت میں تو تم بھی اسے گنہگار نہیں مانتے بلا کراہت جائز کہتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمہارے نزدیک بھی سفر میں وقت نماز نہیں بدلتا۔ بلکہ نماز دوسرے وقت میں ادا کی جاتی ہے لہذا حاجیوں کی عرفہ مزدلفہ والی نمازیں۔ نہ قرآنی آیات کے خلاف ہیں نہ احادیث کے مخالف۔ وہاں ہر نماز اپنے وقت میں ادا ہوتی ہے اور مسافر کا حقیقت طور پر نمازوں کا جمع کرنا قرآن کریم کے بھی خلاف ہے احادیث کے بھی۔ حج میں اوقات نماز میں تبدیلی۔ حدیث مشہور بلکہ حدیث صحیح متواتر معنوی سے ثابت ہے۔ اس پر اسی طرح عمل واجب ہے۔ جیسے آیت قرآنیہ پر عمل ضروری ہے۔ ہم نے یہاں جمع نماز کا مسئلہ مختصر طور سے عرض کر دیا ہے اگر اس کی پوری تحقیق دیکھنا ہو تو ہمارا حاشیہ نعیم البہاری میں یہ ہی بحث ملاحظہ کرو۔ ان شاء اللہ وہاں لطف آجاوے گا۔

ناظرین کو ان بحثوں سے پتہ لگ گیا ہوگا۔ کہ مذہب حنفی بفضلہٖ تعالیٰ نہایت مضبوط مدلل اور بہت ہی قوی اور قرآن مجید و احادیث کے بالکل مطابق ہے۔

وہابی غلط فہمی میں مبتلاء ہیں۔ ان کے مذہب کی بنیاد محض غلطی پر قائم ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو اسی مذہب حنفی پر قائم رکھے۔ ہمارا دین حنفی ہے۔ مذہب حنفی یعنی ملت ابراہیمی اور مذہب نعمانی۔



پندرھواں باب

سفر کا فاصلہ تین دن کی راہ ہے

شریعت اسلامیہ نے مسافر کو یہ سہولت دی ہے کہ اس پر چار رکعت فرض بجائے چار کے دو واجب فرمائی ہیں۔لیکن وہابیوں غیر مقلدوں نے محض نفسانی خواہش سے نماز میں کمی کرنے کے لئے سفر کو ایسا عام کر دیا ہے کہ خدا کی پناہ۔گھر سے کھیت دیکھنے گئے مسافر بن گئے۔ایک آدھ میل سیر و تفریح کرنے شہر سے باہر نکلے مسافر بن بیٹھے۔اور نماز میں کمی کر دی۔شرعاً سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے کہ جب انسان اپنے وطن سے تین دن کی مسافت کا ارادہ کر کے نکلے تو وہ مسافر ہے اس پر صرف چار رکعت والی فرضوں میں قصر واجب ہے۔یعنی بجائے چار کے دو پڑھے۔یہ تین دن کی مسافت عام اچھے راستوں پر تقریباً ستاون میل انگریزی بنتے ہیں۔ہر منزل ۱۹ میل کی کل تین منزلیں ۵۷ میل اور ریتلے یا پہاڑی راستہ اس سے کم بنے گا۔غرضیکہ تین دن کے راہ کا اعتبار ہے۔

حاجیوں کو ضروری ہدایت

آج کل حرمین طیبین میں نجدیوں کی حکومت ہے۔نجدی امام حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے منیٰ و عرفات میں آکر قصر نماز ادا کرتا ہے۔حالانکہ منیٰ کا فاصلہ مکہ مکرمہ سے صرف تین میل ہے۔اور عرفات کا فاصلہ نو میل۔حنفی مذہب کی رو سے وہ امام قصر نہیں کر سکتا۔اس لئے حنفی لوگ اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ورنہ نماز ہی نہ ہوگی۔

شافعی یا حنبلی امام کو ایسے موقعہ پر چاہیے کہ ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو مکہ معظمہ سے ۵۷ میل دور نکل جاوے۔پھر واپس ہوتے ہوئے منیٰ و عرفات میں قصر پڑھے تاکہ حنفیوں کی نمازیں بھی اوس کے پیچھے درست ہوں حاجیوں کو بہت احتیاط چاہئے۔اس باب کی بھی ہم دو فصلیں کرتے ہیں۔پہلی فصل میں سفر کی اس مسافت کا ثبوت۔دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل......مسافت سفر تین دن کا ثبوت

سفر کی مسافت کم از کم تین دن کی راہ ہے۔اس سے کم فاصلہ شرعاً سفر نہیں۔نہ ایسے شخص پر سفر کے احکام جاری ہوں۔دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱:۔ بخاری شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال لاتسافر المراۃ ثلثۃ ایام الا مع ذی رحم۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت تین دن کی مسافت کا سفر بغیر قریبی رشتہ دار کے نہ کرے۔

(صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۱۴۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(صحیح مسلم شریف ج ۱ ص ۴۳۲۔۴۳۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو اکیلے سفر کرنا حرام ہے۔ذی رحم قرابت دار کے ساتھ سفر کر سکتی ہے۔اسی سفر کی مدت حضور ﷺ نے تین دن فرمائی معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن ہے۔

حدیث نمبر ۲:۔ مسلم شریف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال جعل رسول اللہ ﷺ ثلثة ایام ولیا لیھن للمسافر ویوما ولیلة للمقیم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے موزوں پرمسح کی مدت مسافر کے لئے تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن رات۔

(صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب التوقیت فی المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۳۲ رقم الحدیث ۲۷۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۱۶۰ رقم الحدیث ۱۳۳۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی التوقیت فی المسح للمقیم والمسافر ج ۱ ص ۱۸۳ رقم الحدیث ۵۵۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم ج ۱ ص ۸۴ رقم الحدیث ۱۲۸ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مشکوۃ المصابیح باب المسح علی الخفین الفصل الاول ص ۵۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

حدیث نمبر ۳ تا ۹:۔ ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، طحاوی، ابوداؤد طیالسی طبرانی، ترمذی نے خزیمہ ابن ثابت انصاری وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کی۔

عن رسول اللہ ﷺ انه قال فی المسح علی الخفین للمقیم یوم ولیلة وللمسافر ثلثة ایا ولیالیھن۔

ترجمہ: وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ مقیم کے لئے موزوں پرمسح کی مدت ایک دن ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن تین راتیں ہیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۰ رقم الحدیث ۱۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۱۳۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الترمذی باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ج ۱ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۰ تا ۱۲:۔ اثرم نے اپنی سنن میں۔ ابن خذیمہ دار قطنی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن النبی ﷺ انه رخص للمسافر ثلثة ایام ولیا لیھن وللمقیم یوماً ولیلة اذا تطھر فلبس خفیه ان یمسح علیھا وقال الخطابی وھو صحیح الاسناد۔ (مشکوۃ)۔

ترجمہ: وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے کہ حضور ﷺ نے مسافر کے لئے تین دن تین رات تک مسح کی اجازت دی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات جبکہ وضو کرکے موزے پہنے ہوں خطابی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(مشکوۃ المصابیح باب المسح علی الخفین الفصل الثانی ص ۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۹۶ رقم الحدیث ۱۹۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حدیث نمبر ۱۳ تا ۱۵:۔ ترمذی، نسائی نے حضرت صفوان ابن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال کان رسول اللہ ﷺ یامرنا اذا کنا سفراً ان لاننزع خفا فنا ثلثة ایام ولیا لیھن الخ۔ (مشکوۃ)۔

ترجمہ: حضور ﷺ ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم مسافر ہوں اپنے موزے تین دن تین رات تک نہ اتاریں۔ الخ۔

(سنن النسائی باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر ج ۱ ص ۸۳ رقم الحدیث ۱۲۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الترمذی باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ج ۱ ص ۱۵۹ رقم الحدیث ۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مشکوۃ المصابیح باب المسح علی الخفین الفصل الثانی ص ۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسافر کو تین دن موزے پرمسح کرنے کی اجازت ہے کوئی مسافر اس اجازت سے علیحدہ نہیں۔ اگر تین دن سے کم مسافر بھی سفر بن جاوے تو اس اجازت سے بہت سے مسافر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مثلاً اگر وہابی صاحب اپنے کھیت پر سیر کرنے ایک میل کے فاصلہ پر جا کر مسافر بن جاویں۔ تو تین دن مسح کرکے دکھاویں۔ ایسے ہی جو آدمی ایک دن چل کر گھر پہنچ جاوے۔ وہ اس اجازت سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ لہذا تین دن سے کم سفر بن سکتا ہی نہیں ورنہ موزوں پرمسح کی یہ احادیث عموی طور پر قابل عمل نہ رہیں گی۔ اس دلیل پر اچھی طرح غور کرلیا جاوے۔

حدیث نمبر ۱۶:۔ امام محمد نے آثار میں حضرت علی ابن ربیعہ والبی سے روایت کی۔

قال سالت عبداللہ ابن عمر الی کم نقصر الصلوۃ فقال اتعرف السویداء قلت لا ولکنی قد سمعت بھا قال ھی ثلث لیال فواصل فاذا اخرجنا الیھا قصرنا الصلوۃ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کتنی مسافت پر نماز کا قصر ہوسکتا ہے تو آپ نے فرمایا

کہ کیا تم نے مقام سویداء دیکھا ہے میں نے کہا دیکھا تو نہیں سنا ہے۔ فرمایا وہ یہاں سے تین رات کے (قاصد کی رفتار سے) فاصلہ پر ہے ہم جب وہاں جائیں تو قصر کر سکتے ہیں۔

(کتاب الآثار ص ۳۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

حدیث نمبر ۱۷:۔ دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان رسول الله ﷺ قال یا اهل مکة لا تقصروا الصلوة فی ادنی من اربعة برد من مکة الی عسفان۔

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔☆

(سنن الدار قطنی باب قدر المسافۃ التی تقصر فی مثلھا صلاۃ وقدر المدۃ ج ۱ ص ۳۸۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۲ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۸:۔ موطاء امام مالک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

انه کان یقصر الصلوة فی مثل ما بین مکة و عسفان وفی مثل ما بین مکة وجدة قال یحیی قال مالك وذالك اربعة برد۔

ترجمہ: کہ آپ نماز قصر کرتے تھے مکہ اور طائف اور مکہ اور عسفان اور مکہ اور جدہ کی برابر فاصلہ میں یحیٰی فرماتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ فاصلہ چار برید ہے۔

(مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۳۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۹:۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

انه سئل اتقصر الصلوة الی عرفة قال لا ولکن الی عسفان والی جدة والی الطائف رواه الامام الشافعی وقال اسناده صحیح۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ عرفات تک (۹ میل) جانے میں نماز قصر کی جاوے گی فرمایا نہیں۔ لیکن قصر کی جاوے گی عسفان یا جدہ یا طائف تک اسے امام شافعی نے نقل فرمایا اور فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح ہے۔

(الام للشافعی ج ۱ ص ۱۸۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۰:۔ امام محمد نے موطا شریف میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انه کان یسافر مع ابن عمر البرید فلا یقصر الصلوة۔

ترجمہ: کہ آپ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک برید سفر کرتے تھے تو قصر نہ فرماتے تھے۔

(موطا امام محمد باب قصر الصلوۃ فی السفر ص ۱۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

خیال رہے کہ ۴ برید انگریزی میل کے حساب سے قریباً ۵۷ میل ہوتا ہے۔ یعنی ۳۶ کوس تین منزلیں۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں۔ جس کو شوق ہو وہ صحیح البہاری شریف کا مطالعہ کرے ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہیں نہ اس پر سفر کے احکام جاری ہوں۔ سفر کے لئے چار برید فاصلہ یعنی تین منزلیں چاہئیں۔ صحابہ کرام کا اس ہی پر عمل تھا۔

حاشیہ......☆

امام سلیمان بن احمد ابو القاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبدان بن احمد ثنا هشام بن عمار ثنا اسماعیل بن عیاش ثنا بن مجاهد عن ابیه وعطاء عن بن عباس رضی الله عنهما قال قال رسول الله یا اهل مکة لا تقصروا الصلاة فی ادنی من اربع برد من مکة الی عسفان۔

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ نے فرمایا کہ مکہ والو چار برید (یعنی اڑتالیس ۴۸ میل) سے کم سفر میں نماز قصر نہ کرنا۔ یہ فاصلہ مکہ معظمہ سے عسفان کا ہے۔

(طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۹۶ رقم الحدیث ۱۱۱۶۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ مطلقاً شہر سے نکل جانا سفر نہ ہو کیونکہ شہر کے آس پاس کی زمین شہر کی فنا کہلاتی ہے۔ جس سے شہری ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ جیسے قبرستان عیدگاہ چراگاہ ہیں۔ گھوڑ دوڑ کے میدان یہاں پہنچ جانا شہر میں پہنچ جانا سمجھا جاتا ہے کوئی شخص اس جگہ سیر وتفریح کے لئے جا کر اپنے کو مسافر نہیں سمجھتا۔ نیز اگر اس جیسی مسافت کو سفر کہا جاوے تو چاہیے کہ کوئی عورت بغیر محرم کے مطلقاً شہر سے باہر نہ جاسکے۔ کیونکہ عورت کو بغیر محرم سفر کرنا حرام ہے۔ نیز اسلامی قانون ہے کہ مسافر تین دن رات موزوں پر مسح کرسکتا ہے۔ یہ قانون ہر مسافر کو عام نہ ہوسکے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ تو چاہیے کہ سفر کی کم از کم کوئی حد مقرر ہو۔ جسے عقل شرعی بھی سفر مانے اور جس سے یہ اسلامی قانون بھی ہر مسلمان پر جاری ہو۔ وہ حد تین دن ہی ہے۔

نیز تین دن کی مسافر کا سفر ہونا تو یقینی ہے۔ اس سے کم مسافت سفر ہونا مشکوک نماز کی چار رکعتیں یقین سے ثابت ہیں تو یقینی چیز کو مشکوک سے نہیں چھوڑ سکتے۔ یقین ہی زائل کرسکتا ہے۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اعتــــراض:۔ اس مسئلہ پر وہابیوں کو صرف ایک ہی حدیث مل سکی ہے۔ جو مختلف کتب حدیث اور مختلف راویوں سے منقول ہے۔ چنانچہ مسلم وبخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ صلی الظھر بالمدینۃ اربعاً وصلی بذی الحلیفۃ رکعتین۔

ترجمہ: کہ نبی ﷺ نے نماز ظہر مدینہ منورہ میں چار رکعت پڑھیں اور ذی الحلیفہ میں نماز عصر دو رکعتیں ادا فرمائیں۔

(صحیح بخاری باب یقصر اذا خرج من موضعہ ج ۱ ص ۱۴۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی وفی نسخۃ ج ۱ ص ۳۶۹ رقم الحدیث ۱۰۳۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۰ رقم الحدیث ۶۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دیکھو ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف ۳ میل فاصلہ پر ہے۔ جسے آج کل بیر علی کہا جاتا ہے۔ یہ ہی اہل مدینہ کے لئے حج کا میقات ہے جب حضور ﷺ مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ تو صرف ۳ میل فاصلے پر پہنچ کر قصر فرماتے تھے۔

جواب:۔ اس حدیث میں سیر وتفریح کے لئے صرف ذوالحلیفہ تک جانے کا ذکر نہیں بلکہ یہاں حضور ﷺ کے حجۃ الوداع کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ سرکار بہ ارادہ حج مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ذوالحلیفہ پہنچ کر وقت عصر آ گیا۔ تو چونکہ آپ آگے جا رہے تھے۔ لہذا یہاں قصر فرمایا۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ صلی الظھر ایک بار یہ واقعہ ہوا۔ کان یصلی نہ فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ آپ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تفسیر وہ حدیث ہے جو موطاء امام مالک اور موطاء امام محمد میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان عبداللہ ابن عمر کان اذا خرج حاجاً او معتمراً قصر الصلوۃ بذی الحلیفۃ۔

ترجمہ: کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے تو ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر پڑھتے تھے۔

(موطا امام مالک باب مایجب فیہ قصر الصلوۃ ج ۱ ص ۱۴۷ رقم الحدیث ۳۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (موطا امام محمد باب قصر الصلوۃ فی السفر ص ۱۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل شریف تمہاری پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہے۔ اس سے مسئلہ فقہی یہ معلوم ہوا کہ جو شخص سفر کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہو جاوے تو آبادی سے نکلتے ہی نماز قصر پڑھے گا اور واپسی پر آبادی میں داخل ہونے پر وہ مقیم بنے گا۔ یہ حدیث ہمارے بالکل موافق ہے۔

اعتراض :۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال النبی ﷺ لایحل لامراۃ تومن باللہ والیوم والاخر تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ لیس معھا حرمۃ۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو اسے یہ حلال نہیں کہ ایک دن و رات کی مسافت کا سفر بغیر محرم کرے۔

(صحیح البخاری ج۱ص۳۶۹ رقم الحدیث ۱۰۳۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ ج۱ص۴۳۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، وفی نسخۃ ج۲ص۹۷۵ رقم الحدیث ۱۳۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن و رات کی مسافت طے کرنا سفر ہے کہ اسے حضور ﷺ نے سفر فرمایا اور اس پر سفر کے احکام جاری کئے کہ عورت کو بغیر محرم کے اتنی دور جانا حرام فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ سفر کے لئے تین دن کی مسافت ضروری نہیں ایک دن کا بھی ہو جاتا ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تمہارا مذہب اس حدیث سے بھی ثابت نہ ہوا۔ تمہارا مذہب تو یہ ہے کہ شہر سے میل دو میل سیر و تفریح کے لئے جانا بھی سفر ہے اور اس حدیث میں ایک دن و رات مسافت کی قید ہے۔ لہٰذا یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں تین دن کی روایت اسی بخاری شریف کی پیش کر چکے ہیں ہم کو دو روایتیں ملیں۔ تین والی اور ایک دن والی۔ اگر ایک دن کی حدیث پہلی ہو اور تین دن کی حدیث بعد کی۔ تو ایک دن والی حدیث منسوخ ہے۔ اور اگر تین دن والی حدیث پہلی ہے۔ ایک دن والی حدیث پیچھے تو تین دن کی حدیث ایک دن والی حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تین دن میں ایک دن بھی آجاتا ہے۔ اور جب ایک دن کی مسافر پر عورت کو اکیلے سفر حرام ہے تو تین دن کا سفر بھی حرام ہوگا۔ لہٰذا تین دن کی روایت بہرحال قابل عمل ہے اور ایک دن کی حدیث پر عمل مشکوک ہے اس لئے ایک دن کی حدیث قابل عمل نہیں۔ تین دن کی حدیث قابل عمل ہے کہ حرمت شک سے ثابت نہیں ہوتی۔ بہرحال سفر کی مدت تین دن کی مسافت ہی ہو سکتی ہے۔

اعتراض :۔ آج کل موٹر اور ریل وغیرہ سے تین دن کا سفر ایک گھنٹہ میں طے ہو جاتا ہے۔ تو بتاؤ موزوں پر مسح کی مدت تین دن یہ مسافر کیسے پوری کرے گا۔ تمہارے قول پر بھی یہ حدیث علی العموم قابل عمل نہ ہوئی۔

جواب:۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ ایک ہے قانون کا اپنا سقم کہ قانون خود ہر جگہ جاری نہ ہو سکے یہ قانون کا عیب ہے ایک ہے کسی عارضہ کی وجہ سے قانون جاری نہ ہونا یہ قانون کا اپنا سقم نہیں شریعت میں سفر پیدل یا اونٹ کی رفتار معتبر ہے اگر وہ تین دن کی ہے تو سفر ہے۔ اسی رفتار میں ہر مسافر پر یہ مسح کا قانون حاوی ہے اور جاری ہونا چاہئے اگر شخص ایک گھنٹہ میں اتنا سفر کر لیتا ہے تو یہ ایک خارجی عارضہ ہے۔ جس کی وجہ سے یہ قانون کی زد سے بچ گیا۔ قانون اپنی جگہ درست ہے۔ تمہارے قول کی وجہ سے قانون میں سقم لازم آتا ہے۔ لہٰذا تمہارا قول باطل ہے۔ ہمارا قول درست۔

☆............☆

سولھواں باب

سفر میں سنت و نفل

مسافر کو بحالت سفر صرف فرض نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے کہ چار رکعت فرض دو پڑھے۔ فرض کے علاوہ تمام نفل وسنت وتر گھر کی طرح پورے پڑھے۔ ان نمازوں کا جو حکم گھر میں ہے۔ وہ ہی سفر میں ہے۔ نہ تو ان میں قصر ہے نہ یہ منع ہیں۔ نہ بالکل معاف مگر غیر مقلد وہابی سفر میں نفل نہ خود پڑھتے ہیں نہ اوروں کو پڑھنے دیتے ہیں۔ بعض تو اس میں بہت سخت ہیں۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا شرعی ثبوت۔ دوسری فصل میں اس پر وہابیوں کے اعتراضات مع جوابات حق تعالیٰ قبول فرماوے۔

پهلی فصل ...... سفر میں سنت و وتر، نفل پوری پڑھو

مسافر صرف چار رکعت فرض میں قصر کرے۔ باقی ساری نماز پوری پڑھے۔ اسے روکنا یا منع کرنا سخت جرم ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

نمبر ۱:۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

ارء یت الذی ینھی عبداً اذا صلی۔

ترجمه: کیا آپ نے اس مردود کو دیکھا جو بندہ مومن کو روکتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔

(پارہ ۳۰ سورہ ۹۶ آیت نمبر ۹۔۱۰)

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو نماز سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ اور رب تعالیٰ کو بہت ناپسند اس ہی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وقت مکروہ میں نماز پڑھنے لگے۔ تو اسے نہ روکو تا کہ اس آیت کی زد میں نہ آجاؤ۔ جب نماز پڑھ چکے تو مسئلہ بتادو۔ (شامی وغیرہ)۔

اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیئے جو مسافر مسلمانوں کو سنت و نفل سے بہت سختی سے روکتے ہیں۔ بلکہ لڑنے پر مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ آخر وہ نماز ہی تو ہے۔ اس سے اتنی چڑ کیوں ہے۔

نمبر ۲:۔ رب تعالیٰ کفار مکہ کے عیوب اس طرح بیان فرماتا ہے۔

ولا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم۔

ترجمه:۔ اس کی بات نہ مانو جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل چغل خوف بھلائی سے روکنے والا حد سے آگے بڑھنے والا سخت گنہگار ہے۔

(پارہ ۲۹ سورہ ۶۸ آیت نمبر ۱۰ تا ۱۲)

معلوم ہوا کہ لوگوں کو بھلائی سے روکنا کفار کا طریقہ ہے۔ ان کی بات ہرگز نہ ماننا چاہیئے مسلمانوں کو بھلائیوں سے روکنا وہابیوں کی زندگی کا محبوب مشغلہ ہے۔ سینما جوئے اور شراب سے نہیں چڑتے ہیں تو کس سے؟ سفر میں سنت نفل نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان ان کی بات ہرگز نہ مانے اس آیت پر عمل کرے۔

نمبر ۳:۔ رب تعالیٰ مومنوں کی تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔

ترجمه:۔ مومن وہ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں سلطنت دے دیں تو نمازیں قائم کریں اچھی باتوں کا حکم دیں۔ بری باتوں سے روکیں۔

(پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۴۱)

اگر خدا نہ کرے زمین میں وہابیوں کی سلطنت ہو جاوے۔ تو لوگوں کو کس چیز سے روکیں۔ سفر میں سنت و نفل نماز پڑھنے سے۔ اللہ کے ذکر کی مجلسوں سے۔ میلاد شریف ختم و فاتحہ و تلاوت قرآن سے۔ کن چیزوں کا حکم دیں؟ گندے کنوؤں سے وضو کرنے کا۔ کوے جیسے کھانے کا لڑکے کے پیشاب اور منی کے پاک سمجھنے کا۔ اپنے نطفے کی زنا کی لڑکی سے نکاح کر لینے کا۔ جیسا کہ ہم آخر کتاب میں وہابیوں کے خصوصی مسائل بیان کریں گے۔

حدیث نمبر ۱' ۲:۔ ترمذی شریف اور طحاوی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔ مگر قدرے لفظی اختلاف سے۔

قال صليت مع النبي ﷺ في الحضر والسفر فصليت معه في الحضر الظهر اربعاً وبعدها ركعتين وصليت معه في السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين والعصر ركعتين ولم يصل بعدها شيئاً والمغرب في الحضر والسفر سواء ثلث ركعات ولا ينقص في حضر ولا سفر وهي وتر النهار وبعدها ركعتين۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ وطن اور سفر میں نمازیں پڑھی ہیں پس میں نے آپ کے ساتھ وطن میں ظہر چار رکعت پڑھی اس کے بعد دو رکعت سنت اور آپ کے ساتھ سفر میں ظہر دو رکعت پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں سنت عصر دو رکعت اس کے بعد کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب وطن سفر میں برابر تین رکعتیں اس میں کمی نہ فرماتے تھے وطن میں نہ سفر میں وہ دن کے وتر ہیں اس کے بعد دو رکعت سنت پڑھیں۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۵۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

طحاوی شریف میں یہ الفاظ اور زیادہ ہیں۔

وصلى العشآء ركعتين وبعدها ركعتين۔

ترجمہ:۔ حضور علیہ السلام نے عشاء کی نماز دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

دیکھو نبی کریم ﷺ نے سفر میں ظہر کے فرض دو اور بعد میں سنت دو مغرب کے فرض تین اور بعد میں سنت دو عشاء کے فرض دو اور بعد میں سنتیں دو پڑھیں۔ اگر سفر میں سنت یا نفل پڑھنا ممنوع ہوتا تو سرکار پر انوار ﷺ کیوں پڑھتے یہ وہابی سنت سے چڑتے ہیں۔

حدیث نمبر ۳' ۴:۔ ابوداؤد و ترمذی نے حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صحبت رسول الله ﷺ ثمانية عشر سفراً فما رايته ترك ركعتين اذا زاغت الشمس قبل الظهر۔

ترجمہ:۔ ......فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ اٹھارہ سفر کئے۔ میں نے آپ کو نہ دیکھا کہ آپ نے آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر کے پہلے کی دو نفل چھوڑے ہوں۔

(سنن ابوداؤد باب التطوع فی السفر ج ۲ ص ۸ رقم الحدیث ۱۲۲۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الترمذی باب ما جاء فی التطوع فی السفر ج ۲ ص ۴۳۵ رقم الحدیث ۵۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۵:۔ ابوداؤد شریف نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال كان رسول الله ﷺ اذا سافر واراد ان يتطوع استقبل القبلة بناقته فكبر ثم صلى۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب سفر کرتے اور نفل پڑھنا چاہتے تو اپنی ناقہ کو کعبہ کی طرف متوجہ فرما دیتے۔ پھر تکبیر کہہ کہ نفل پڑھتے۔

(سنن ابوداؤد باب التطوع فی السفر ج ۲ ص ۹ رقم الحدیث ۱۲۲۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حدیث نمبر ۶' ۷:۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال كان رسول الله ﷺ يصلي في السفر على راحلته حيث توجهت به يومي ايماء صلوة الليل

الا الفرائض ویوتر علی راحلته۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سفر میں اپنی سواری پر نفل پڑھتے تھے۔ جدھر بھی اس کا منہ ہوتا آپ اشارے سے نماز پڑھتے۔ تہجد کی نماز سوائے فرض کے۔ وتر بھی سواری پر پڑھتے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سفر میں راستے طے کرتے ہوئے نماز تہجد بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ ٹھہرے ہوئے مسافر کو سنت موکدہ تک سے روکتے ہیں۔

حدیث نمبر ۸:۔ موطاء امام مالک میں حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ان عبداللہ ابن عمر کان یری ابنه عبیداللہ یتنفل فی السفر فلا ینکر علیه۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ بے شک عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے فرزند عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو سفر میں نفل پڑھتے دیکھتے تو آپ منع نہ فرماتے تھے۔

(موطا امام مالک ج ا ص ۱۵۰ رقم الحدیث ۳۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۹:۔ ترمذی شریف نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال صلیت مع النبی ﷺ الظهر فی السفر رکعتین وبعدها رکعتین رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعت سنت۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۵۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۰، ۱۱:۔ مسلم و ابوداؤد نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سفر میں تعریس کی رات نماز صبح قضاء ہو جانے کی بہت دراز حدیث روایت کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

صلی رکعتین قبل الصبح ثم صلی الصبح کما کان یصلی۔

ترجمہ:۔ حضور علیہ السلام نے فجر کی سنتیں فرض سے پہلے پڑھیں پھر فجر کے فرض پڑھے۔ جیسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری ابواب صلاۃ المسافر باب التطوع فی السفر ص ۱۳۷ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵:۔ بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ما اخبرنا احد انه رای النبی ﷺ صلی الضحی غیر ام هانی ذکرت ان النبی ﷺ یوم فتح مکة اغتسل فی بیتها فصلی ثمان رکعات۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سواء اور کسی نے یہ خبر نہ دی کہ اس نے حضور ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے دیکھا۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے ان کے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نفل نماز چاشت پڑھیں۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۹۸ رقم الحدیث ۳۳۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد باب صلاۃ الضحی ج ۲ ص ۲۸ رقم الحدیث ۱۲۹۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دیکھو فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام مکہ معظمہ میں مسافر ہیں۔ اس کے باوجود حضور علیہ السلام نے اپنی بہن ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا کے گھر میں نماز چاشت آٹھ رکعت پڑھی حالانکہ نماز چاشت نفل ہے۔

حدیث نمبر ۱۶:۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال فرض رسول اللہ ﷺ صلوة الحضر وصلوة السفر فکنا نصلی فی الحضر قبلها وبعدها وکنا نصلی فی السفر قبلها وبعدها۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے وطن میں بھی نماز فرض ادا فرمائی اور سفر میں بھی ہم وطن میں فرض نماز سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے اور سفر میں بھی فرض سے پہلے اور بعد نفل پڑھتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ باب التطوع فی السفر ج۱ص۳۴۱رقم الحدیث۱۰۷۲مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حدیث نمبر ۱۷:۔ بخاری شریف نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ کان یصلی التطوع وھو راکب فی غیر القبلۃ۔

ترجمہ:۔ نبی کریم ﷺ سواری پر غیر قبلہ کی طرف نماز نفل پڑھا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری باب صلاۃ التطوع علی الدواب وحیثما توجھت بہ ج۱ص۳۷۰رقم الحدیث۱۰۴۳مطبوعہ دارابن کثیر بیروت)

عقل کا تقاضا:۔ بھی یہ ہے کہ سفر میں سنت ونفل کی نہ تو معافی ہو اور نہ قصر چند وجہ سے۔

ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج کی رات نمازیں دو دو رکعت فرض کی گئیں۔ پھر سفر میں تو وہ ہی دو رہیں۔ حضر میں بعض نمازوں میں زیادتی کردی گئی اور ظاہر ہے کہ معراج میں فرض نمازیں ہی لازم کی گئیں تھیں۔ نہ کہ سنت ونوافل وغیرہ لہذا قصر صرف فرض میں ہوا نہ کہ نفل وسنت میں دوسرے یہ کہ بحالت سفر فرض نماز میں بہت پابندی ہے کہ سواری پر چلتی ریل میں، غیر قبلہ کی طرف ادا نہیں ہوسکتی سنت ونفل میں یہ کوئی پابندی نہیں سواری پر غیر قبلہ کی طرف بھی ادا ہو جاتی ہے فرض کے لئے مسافر کو سفر توڑنا پڑتا ہے۔ جس سے دیر لگتی ہے۔ اس لئے وہ نماز آدھی کردی گئی چونکہ سنت ونفل کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا سواری پر ادا ہو جاتی ہے۔ اس لئے نہ تو ان میں قصر کی ضرورت ہے۔ نہ معافی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ جب سفر میں فرض کم ہو گئے تو سنتیں بھی کم ہونی چاہئیں غلط ہے دیکھو جمع کے فرض بجائے چار کے دو رکعت ہیں، مگر سنت کوئی کم نہیں ہوئی۔ فرض علیحدہ نماز ہے اور سنت ونفل علیحدہ یعنی سنت ونفل فرض کی ایسی تابع نہیں کہ اگر فرض پورے پڑھے جاویں تو سنتیں بھی پوری ہوں اور اگر فرض میں قصر ہو تو سنتوں میں بھی قصر ہو یا بالکل معاف ہو جاویں۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر بہت ہی تھوڑے دلائل ہیں۔ جنہیں وہ ہر جگہ الفاظ بدل کر بیان کرتے ہیں ہم ان کا وکالت میں ان کے سوالات کے جوابات پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:۔ مسلم وبخاری وغیرہ نے حضرت حفص ابن عاصم سے روایت کی۔

قال صحبت ابن عمر فی طریق مکۃ فصلی لنا الظھر رکعتین ثم جآء رحلہ وجلس فرای ناسا قیاماً فقال ما یصنع ھؤلاء قلت یسبحون قال لو کنت مسبحا اتممت صلوتی صحبت رسول اللہ ﷺ فکان لایزید فی السفر علی رکعتین وابا بکر وعمر وعثمان کذالك۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ معظمہ کے راستہ میں تھا تو آپ نے ہم کو نماز ظہر دو رکعت پڑھائیں۔ پھر آپ اپنی منزل پر تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو کچھ لوگوں کو کھڑا ہوا دیکھا فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ نفل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نفل پڑھتا تو نماز ہی پوری پڑھتا میں حضور ﷺ کے ساتھ رہا تو آپ سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور میں نے حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو ایسے ہی دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نفل وسنت پڑھنا سنت رسول (علیہ السلام) وسنت خلفائے راشدین کے خلاف ہے۔ اس لئے مسافر

دو رکعت فرض پڑھے باقی کچھ نہ پڑھے۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ المسافرین وقصرھا ج ا ص ۲۴۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح البخاری ابواب تقصیر الصلوۃ باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوۃ وقبلھا ج ا ص ۱۴۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ اور خلفائے راشدین نے سفر میں کبھی دو فرض سے زیادہ نہ پڑھے۔اور تم کہتے ہو کہ مسافر چاہے قصر پڑھے یا پوری تم نے پوری نماز پڑھنے کا حکم اس حدیث کے خلاف کیوں دیا۔

دوسرے یہ کہ آپ کی اس حدیث سے نفل نہ پڑھنا ثابت ہے اور ہماری پیش کردہ بہت سی احادیث سے نفل پڑھنا ثابت ہوا، تو آپ ان بہت سی احادیث کے مقابل صرف اس ایک حدیث پر کیوں عمل کرتے ہو۔ان احادیث پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ صرف نفسانی خواہش کی وجہ سے کہ نفس امارہ پر نماز بھاری ہے۔

تیسرے یہ کہ خود سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ احادیث ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور پرنور ﷺ کو سفر میں سواری پر نفل پڑھتے دیکھا پھر ان ثبوت کی احادیث کو آپ نے کیوں قبول نہ کیا؟ صرف ایک اسی حدیث پر ہی کیوں عمل کیا؟ کیا نماز کم کرنے کا شوق ہے۔

چوتھے یہ کہ جب ثبوت ونفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو نفی پر ترجیح ہوتی ہے۔جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دو روائتیں ہیں ثبوت نفل کی بھی اور نفی کی بھی تو ثبوت کی روایت قابل عمل ہوگی نہ نفی کی۔دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کو جسمانی معراج نہیں ہوئی۔دیگر صحابہ فرماتے ہیں کہ ہوئی، آج تمام دنیا معراج جسمانی کی قائل ہے؟ کیوں؟ اس لئے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہے۔

پانچویں یہ کہ جب احادیث میں تعارض نظر آئے تو ان کے ایسے معنے کئے جاویں جن سے تعارض دور ہو جاوے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات میں تعارض ہے تو تمہاری اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ نفل نماز اہتمام سے پڑھنا ان کے لئے سفر توڑنا با قاعدہ اتر کر زمین پر کھڑے ہو کر پڑھنا چلتی سواری پر نفل درست نہ سمجھنا یہ نہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہے نہ ان خلفائے راشدین سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم چنانچہ اس حدیث کے بعض الفاظ بھی یہ ہی بتا رہے ہیں راوی فرماتے ہیں کہ آپ نے بعض لوگوں کو ڈیرے پر کھڑے ہوئے نفل پڑھتے دیکھ کر یہ فرمایا۔حالت بھی سفر کی تھی سفر بھی حج کا تھا راستہ بہت تھا جلد پہنچنا تھا۔ان حضرات کے اس طریقہ عمل سے سفر میں دشواری ہوتی تھی اس لئے آپ نے یہ فرمایا لہٰذا یہ حدیث نہ تو دوسری احادیث کے خلاف ہے نہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دوسری روایتوں کے مخالف حدیث میں مقابلہ پیدا نہ کرو بلکہ موافقت کی کوشش کرو۔

چھٹے یہ کہ تمہاری اس حدیث میں بھی سفر میں نفل پڑنے کی ممانعت نہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صرف قیاس فرما کر یہ فرمایا کہ اگر نفل کا ایسا اہتمام ضروری ہوتا تو نماز فرض ہی پوری کیوں نہ پڑھی جاتی۔

اعتراض نمبر۲:۔ جب سفر میں فرض نماز ہی بجائے چار کے دو رکعت ہوگئی۔تو سنت ونفل تو فرض سے درجہ میں کم ہیں۔چاہیئے تو وہ بھی یا تو بجائے چار کے دو ہو جاویں۔یا بالکل معاف ہو جاویں۔

جواب:۔ الحمدللہ کہ آپ قیاس کے قائل ہو گئے کہ سنت کو فرض پر قیاس کرنے لگے لیکن جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس بہتر تھا کہ مجتہدین آئمہ کی تقلید کر لی ہوتی تا کہ آپ کو ایسے قیاسات نہ کرنے پڑتے۔جناب سنت ونفل کو فرض پر قیاس نہیں کر سکتے، فرض نماز میں صرف دو رکعتیں بھری پڑھی جاتی ہیں۔باقی خالی مگر سنت ونفل کی چاروں رکعت بھری ہیں۔فرمایئے وہاں سنت ونفل فرض کی طرح کیوں نہ ہوئیں۔وہاں بھی

کہدو کہ جب فرض میں دو رکعت خالی ہیں تو چاہیئے کہ سنتیں ونفل کی چاروں رکعت خالی ہوں۔ جمعہ کی نماز میں فرض نماز بجائے چار کے دو رکعت خالی ہیں مگر سنتیں بجائے گھٹنے کے بڑھ جاتی ہیں کہ بعد فرض جمعہ چار سنتیں موکدہ ہیں چاہیئے کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دورہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں کہ وہاں بھی یہ ہی قیاس کرو کہ جب جمعہ کے فرض بجائے چار کے دورہ گئے تو چاہیئے کہ جمعہ کے بعد کی سنتیں بجائے دو کے ایک رکعت ہی رہ جاوے سنت ونفل میں قصر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلی فصل کی عقلی دلیلوں میں عرض کر چکے کہ مسافر کو سنت کے لئے سفر توڑنا نہیں پڑتا۔ سواری پر ہی پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے ان میں قصر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نوٹ ضروری:۔ یہ جو کہا گیا کہ نفل وسنت سواری پر پڑھی جاسکتی ہیں۔ سواری کا رخ کدھر ہی ہو۔ یہ مسافر کے لئے راستہ طے کرنے کی حالت میں ہے۔ جبکہ وہ جنگل میں ہو۔ شہر میں۔ یا کسی جگہ ٹھہرنے کی حالت کا یہ حکم نہیں۔ اگر مسافر کسی بستی میں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو تو سنت ونفل بھی فرض کی طرح تمام شرائط وارارکان کے ساتھ ادا کرے گا۔ غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک مسافر خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں دو چار دن کے لئے ٹھہرا ہوا ہو سنت ونفل نہ پڑھے۔

اعتراض نمبر ۳:۔ حضور ﷺ رحمۃ اللعالمین ہیں، جب رب تعالیٰ نے سفر میں اپنی فرض نماز میں رعایت کردی تو چاہیئے کہ حضور بھی اپنی سنتوں میں کمی کردیں۔ سنت کا اسی طرح رہنا حضور ﷺ کی رحمت کے خلاف ہے۔

جی ہاں چونکہ حضور ﷺ رحمت عالم ہیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے اپنی سنتیں کم نہ فرمائیں نماز رحمت ہے۔ بوجھ نہیں شاید وہابیوں کے نفس پر نماز بوجھ ہوگی۔ اس لئے انہیں ایسے سوالات سوجھتے ہیں۔ جناب اللہ کے فرض مومن کے بالغ ہونے پر لگتے ہیں اور مرنے سے پہلے چھوڑ دیتے ہیں مگر سنت رسول اللہ کسی وقت اور کسی حالت میں مومن کا ساتھ نہیں چھوڑتی مومن سنت رسول کی آغوش میں پیدا ہوتا ہے۔ سنت کے سایہ میں پرورش پاتا ہے۔ سنت کے دامن میں مرتا ہے اور ان شاء اللہ نفس تو الے محبوب ﷺ کی پشت و پناہی میں قیامت میں اٹھے گا دیکھو ختنہ عقیقہ بچے کو دو سال تک دودھ پلانا سنت ہی تو ہیں پھر مرتے وقت وضو کعبہ کو رخ ہونا مرد کا کفن تین کپڑے عورت کا کفن پانچ کپڑے یہ سب سنتیں ہی ہیں اس لئے ہمارا نام اہل فرض یا اہل واجب نہیں اہل سنت ہے ہمارے حضور ﷺ کی سنت رحمت ہے۔ بوجھ نہیں رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا رب تعالیٰ مالک الملک ہے جب چاہے جتنی چاہے رحمت دے اس کی رحمتیں یکساں نہیں ہوتیں کبھی کم کبھی زیادہ ایسے ہی فرض نماز مقیم کے لئے پوری مسافر کے لیے آدھی۔



سترھواں باب

سفر میں قصر واجب ہے

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ مسافر پر چار رکعت والی فرض نماز میں قصر فرض ہے۔ مسافر یہ نماز پوری نہیں پڑھ سکتا اگر بھول کر بجائے دو کے چار پڑھ لے تو اس کا وہی حکم ہوگا جو کوئی فجر کے فرض چار پڑھ لے اگر پہلی التحیات پڑھ کر تیسری رکعت میں کھڑا ہوا تو سجدہ سہو کرے ورنہ نماز کا اعادہ کرے لیکن اگر دیدہ دانستہ بجائے دو کے چار پڑھے تو نہ ہوگی مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ مسافر کو اختیار ہے۔ خواہ قصر پڑھے یا پوری مسافر کسی چیز کا پابند نہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسرے فصل میں اس مسئلہ پر سوالات و جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل ...... سفر میں قصر ضروری ہے

سفر میں قصر ضروری ہونے پر احناف کے پاس بہت دلائل ہیں جن میں سے کچھ پیش کیے جاتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱ '۴:۔ بخاری و مسلم، موطا امام محمد موطا امام مالک نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کچھ لفظی فرق کے ساتھ روایت کی یہ لفظ مسلم و بخاری کے ہیں۔

قالت فرضت الصلوة ركعتين ثم هاجر رسول الله ﷺ فرضت اربعاً وتركت صلوة السفر على الفريضة الاولى۔

ترجمہ:۔ فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعتیں فرض ہوئیں۔ پھر حضور ﷺ نے ہجرت کی تو نمازیں چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور نماز سفر پہلے ہی فریضہ پر رہی۔

(صحیح بخاری باب یقصر اذا خرج من موضعہ ج ۱ ص ۱۴۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی وفی نسخۃ ج ۱ ص ۳۶۹ رقم الحدیث ۱۰۴۰ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ج ۱ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۶۸۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مؤطا امام محمد باب قصر الصلوۃ فی السفر ص ۱۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (السنن الکبری للنسائی ج ۱ ص ۱۴۱ رقم الحدیث ۳۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابوداؤد تفریع ابواب صلاۃ السفر باب صلاۃ المسافر ج ۲ ص ۳ رقم الحدیث ۱۱۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۵۶ رقم الحدیث ۳۰۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۶ ص ۴۴۶ رقم الحدیث ۲۷۳۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۳ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے پہلے ہر نماز کی دو رکعتیں تھیں۔ بعد ہجرت بعض کی چار رکعتیں کر دی گئیں۔ مگر سفر کی نماز ویسے ہی رہی تو جیسے ہجرت سے پہلے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھ لیتا تو اس کی نماز نہ ہوتی۔ ایسے ہی اب بھی جو مسافر سفر میں چار فرض پڑھ لے تو بھی نماز نہ ہوگی۔ لفظ فرض اور فریضہ کو غور سے ملاحظہ کرو۔ موطا امام محمد و امام مالک کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فرضت الصلوة ركعتين ركعتين في الحضر والسفر فاقرت صلوة السفر وزيد في صلوة الحضر۔

ترجمہ:۔ اولاً سفر و حضر میں نمازیں دو دو رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر نماز سفر تو ویسے ہی رہی۔ اور نماز حضر میں زیادتی کر دی گئی۔

(مؤطا امام مالک ج ۱ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۳۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مؤطا امام محمد باب قصر الصلوۃ فی السفر ص ۱۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حدیث نمبر ۵ '۷:۔ مسلم شریف، نسائی، طبرانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال فرض الله الصلوة على لسان نبيكم في الحضر اربعاً وفي السفر ركعتين وفي الخوف ركعة۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کی زبان شریف پر وطن میں چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں خوف میں ایک رکعت

فرض کیں۔ (یعنی جماعت سے ایک رکعت)

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ج۱ ص۴۷۹ رقم الحدیث ۶۸۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر ج۳ ص۱۱۸ رقم الحدیث ۱۴۴۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

اس میں صراحۃ معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت ہی فرض ہیں۔ جیسے وطن میں فجر کی نماز۔

حدیث نمبر ۸، ۱۳:۔ مسلم بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال خرجنا مع رسول اللہ ﷺ من المدینۃ الی مکۃ فکان یصلی رکعتین۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف گئے تو حضور انور ﷺ دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ج۱ ص۴۸۱ رقم الحدیث ۶۹۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر ج۳ ص۱۱۸ رقم الحدیث ۱۴۳۸ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج۱ ص۳۴۲ رقم الحدیث ۱۰۷۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حدیث نمبر ۱۴، ۱۶:۔ بخاری، مسلم، نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین وابی بکر وعمر ومع عثمان صدراً من امارتہ ثم اتمھا۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ میں نے منیٰ میں حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں اور خلافت عثمانی کے شروع میں بھی پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوری کر دی۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا باب قصر الصلوۃ بمنی ج۱ ص۴۸۲ رقم الحدیث ۶۹۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن النسائی کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر ج۳ ص۱۱۸ رقم الحدیث ۱۴۳۹ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

حدیث نمبر ۱۷:۔ طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال افترض رسول اللہ ﷺ رکعتین فی السفر کما افترض فی الحضر اربعاً۔

ترجمہ:۔ ......فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے سفر میں دو رکعت ہی فرض فرمائیں جیسے وطن میں چار رکعت فرض کیں۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۲ ص۱۵۴ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۸، ۲۰:۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صلوۃ السفر رکعتان وصلوۃ الضحی رکعتان وصلوۃ الفطر رکعتان وصلوۃ الجمعۃ رکعتان تمام غیر قصر علی لسان محمد ﷺ۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ سفر کی نماز دو رکعتیں ہیں۔ چاشت کی نماز دو رکعتیں ہیں یہ دو رکعتیں پوری ہیں ناقص نہیں حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان شریف پر۔

(سنن ابن ماجہ ج۱ ص۳۳۸ رقم الحدیث ۱۰۶۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن النسائی کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر ج۳ ص۱۱۸ رقم الحدیث ۱۴۴۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ نماز سفر دو رکعت پڑھنا ایسا ہی ضروری ہے۔ جیسے جمعہ عیدین دو رکعت پڑھنا۔

حدیث نمبر ۲۱:۔ مسلم شریف نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کچھ از حدیث نقل کی۔ جس کے آخری الفاظ شریفہ یہ ہیں۔

فسالت رسول اللہ ﷺ فقال صدقۃ تصدق اللہ بہ فاقبلوا صدقتہ۔

ترجمہ:۔ میں نے حضور ﷺ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا صدقہ ہے جو صدقہ فرمایا اس صدقہ کو قبول کرو۔

(صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ج۱ ص۴۷۸ رقم الحدیث ۶۸۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) (صحیح ابن حبان ج۶ ص۴۴۸ رقم الحدیث ۲۷۳۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (الام للشافعی ج۱ ص۱۷۹ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج۳ ص۱۳۴ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار ج۱ ص۴۱۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث میں فاقبلو صیغہ امر ہے۔ امر وجوب کے لئے آتا ہے معلوم ہوا کہ جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھے وہ خدا تعالیٰ کے صدقہ سے منہ پھیرتا ہے رب کا صدقہ قبول کرنا اور سفر میں قصر کرنا فرض ہے۔

حدیث نمبر ۲۲:۔ طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال صليت مع رسول الله ﷺ في السفر ركعتين ومع ابى بكر ركعتين ومع عمر ركعتين ثم تفرقت بكم السبل فوالله لوددت ان اخطى من اربع ركعات ركعتين متقبلتين۔

ترجمہ:۔ میں نے سفر میں حضور ﷺ کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر صدیق عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے پیچھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر تم لوگوں کو مختلف راہوں نے متفرق کر دیا۔ قسم رب کی میں تمنی کرتا ہوں کہ مجھے بجائے چار رکعتوں کے دو مقبول رکعتوں کا حصہ ملے۔

(جامع الرضوی صحیح البھاری ابواب صلاۃ المسافر باب کم رکعۃ فی السفر ص ۲۰۴ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

ہم نے بطور نمونہ صرف بائیس حدیثیں پیش کیں۔ ورنہ اس کے متعلق بے شمار احادیث ہیں۔ اون پیش کردہ رواتیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں قصر ہی فرض ہے۔ حضور ﷺ و خلفاء راشدین نے قصر ہی پڑھی چار رکعت پڑھنے سے صحابہ نے منع فرمایا۔ یا اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

عقل کا تقاضا بھی ہے کہ سفر میں قصر فرض ہے۔ مسافر کو قصر و اتمام دونوں کا اختیار دینا عقل شرعی کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ سفر میں ہر چار رکعت والی نماز کی پہلی دو رکعتیں بالاتفاق فرض ہیں آخری دو رکعتوں کے متعلق سوال ہوتا ہے کہ وہ بھی مسافر پر فرض ہیں یا نہیں اگر فرض ہیں تو ان کے نہ پڑھنے کا اختیار کیوں فرض میں اختیار نہیں ہوتا۔ فرض و اختیار جمع نہیں ہوتے اور اگر فرض نہیں بلکہ نفل ہیں تو ایک تحریمہ سے فرض و نفل نمازوں کا ادا ہونا شرعی قاعدے کے خلاف ہے۔ جس کی مثال کسی جگہ نہ ملے گی فرض کی تکبیر تحریمہ علیحدہ ہوتی ہے نفل کی علیحدہ ایک تحریمہ سے ایک ہی نماز ہو سکتی ہے نہ کہ دو۔

بہر حال یہ اختیار کہ چاہے دو رکعت پڑھے چاہے چار شرعی عقل کے بالکل خلاف ہے نیز جیسے وطن میں چار رکعت ہی فرض ہیں کم وبیش کا اختیار نہیں ایسے ہی سفر میں صرف دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اختیار نہیں۔

دوسری فصل ...... اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر ہم غیر مقلد وہابیوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اتنے اعتراضات مع جوابات عرض کئے دیتے ہیں جو انشاء اللہ خود انہیں بھی یاد نہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱:۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

واذا ضربتم في الارض فليس عليكم جناح ان تقصروا امن الصلوة ان خفتم ان يفتنكم الذين كفروا۔

ترجمہ:۔ اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۱۰۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر فرض نہیں۔ بلکہ اس کی اجازت ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہوا کہ تم پر قصر میں گناہ نہیں، نہ قصر پڑھنے میں گناہ ہے نہ قصر نہ پڑھنے میں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت ظاہری معنی سے تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں قصر کے لئے کفار کے خوف کی شرط ہے کہ اگر تمہیں کفار سے خوف ہو تو قصر میں گناہ نہیں اور تم کہتے ہو کہ امن کے سفر میں بھی قصر کی اجازت ہے اب جو تم جواب دو گے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ لا جناح حاجی کے صفا مردہ کی سعی کے بارے میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔

فمن حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان یطوف بهما۔

ترجمہ:۔ تو جب بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس پر اس میں گناہ نہیں کہ صفا و مروہ کا طواف کرے۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۵۸)

حالانکہ صفا مروہ کا طواف حج میں واجب ہے عمرہ میں فرض ایسے ہی سفر میں قصر فرض ہے لا جناح فرضیت کے خلاف نہیں۔

تیسرے یہ کہ اگر سفر میں قصر صرف مباح ہوتا تو قرآن کریم یوں ارشاد فرماتا کہ تم پر قصر نہ کرنے میں گناہ نہیں کیونکہ مباح کی پہچان یہ ہے کہ اس کے کرنے اور نہ کرنے میں گناہ نہیں ورنہ فرض کام کرنے میں گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے نہ کرنے میں گناہ ہوتا ہے لہذا کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح ہونے کی دلیل نہیں فرض واجب بھی ایسے ہی ہوتے ہیں چوتھے یہ کہ زمانہ نبوی میں صحابہ کرام کو خیال ہوا کہ بجائے چار رکعت کے دو رکعتیں پڑھنا گناہ ہوگا یہ نماز ناقص ہے انہیں سمجھانے کے لئے یہ ارشاد ہوا لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ تمہارے لئے مفید نہیں۔

اعتراض نمبر ۲:۔ شرح سنہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت کل ذالك قد فعل رسول اللہ ﷺ قصر الصلوۃ واتم۔

ترجمہ:۔ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے سب کچھ کیا قصر بھی کیا اور پوری نماز بھی پڑھی۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر بھی سنت ہے اور پوری پڑھنی بھی سنت صرف قصر فرض نہیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن یحیٰی ہے جو تمام محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لہذا یہ حدیث بالکل قابل عمل نہیں دیکھو مرقات شرح مشکوۃ اسی حدیث کی شرح۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث ان تمام احادیث کے مخالف ہے۔ جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ جلیل القدر صحابہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیشہ سفر میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث خود ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت کے بھی خلاف ہے جو ہم نے پہلی فصل میں پیش کی آپ فرماتی ہیں کہ اولاً نماز دو دو رکعت فرض ہوئی پھر سفر میں وہ ہی دو رکعتیں فرض رہیں وطن میں بعض نمازوں میں زیادتی کر دی گئی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سفر میں دو رکعتیں فرض بھی ہوں۔ اور کبھی حضور علیہ السلام نے چار رکعت بھی پڑھ لی ہوں لہذا یہ حدیث واجب التاویل ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں لفظ سفر نہیں یعنی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں قصر و اتمام فرمایا لہذا حدیث کے معنے یہ ہیں کہ حضور انور ﷺ نے شروع اسلام میں اولاً قصر یعنی ہر نماز دو دو رکعت پڑھی پھر جب رکعتیں بڑھا دی گئیں کہ بعض چار رکعت کر دی گئیں اور بعض تین تو حضور علیہ السلام نے اتمام فرمایا یعنی دو سے زیادہ پڑھیں اس صورت میں یہ حدیث بالکل واضح بھی ہوگئی اور گذشتہ احادیث کے خلاف بھی نہ رہی۔

پانچویں یہ کہ اگر یہاں حالت سفر میں قصر و اتمام مراد تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحالت سفر قصر پڑھی اور جب کہیں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت فرمائی تو اتمام فرمایا اب بھی حدیث بالکل واضح ہے۔

لطفیہ عجیبہ:۔ غیر مقلد وہابی ہمیشہ حنفیوں سے مسلم بخاری کی حدیث کا مطالبہ کیا کرتے ہیں مگر جب انہیں خود حدیث پیش کرنا پڑے۔ تو بخاری و مسلم کی ہو یا نہ ہو صحیح ہو یا ضعیف ہر قسم کی حدیث پیش کر دینے سے شرم نہیں کرتے۔

... یہ حدیث ایسی ضعیف ہے کہ اسے صحاح ستہ نے روایت نہ کیا امام ترمذی نے بھی اس حدیث کا ذکر تک نہ کیا بلکہ وہ بھی یہ کہنے پر مجبور

ہوئے کہ قصر تو حضور ﷺ اور حضرات خلفائے راشدین سے ثابت ہے اتمام صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اپنا فعل ہے چنانچہ امام ترمذی قصر نماز کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

وقد صح عن النبی ﷺ انه كان يقصر في السفر وابوبكر وعمر وعثمان صدراً من خلافته والعمل على هذا عند اكثر اهل العلم من اصحاب النبي ﷺ وغيرهم۔

ترجمہ:۔ حضور ﷺ سے صحیح حدیث یہی ثابت ہے کہ آپ ہمیشہ سفر میں قصر کرتے تھے اور ابوبکر صدیق بھی عمر فاروق بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی اپنی شروع خلافت میں اور اس پر ہی اکثر علماء صحابہ وغیر صحابہ کا عمل ہے۔

(سنن الترمذی باب ماجاء التقصیر فی السفر ج ۲ ص ۴۲۸ رقم الحدیث ۵۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور سفر میں اتمام کے متعلق امام ترمذی نہایت ضعیف طریقے سے فرماتے ہیں۔

وقد روى عن عائشه انها كانت تتم الصلوة في السفر۔

ترجمہ:۔ ہاں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔

(سنن الترمذی باب ماجاء التقصیر فی السفر ج ۲ ص ۴۲۸ رقم الحدیث ۵۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ مرفوع حدیث قابل اعتبار ہوتی جو تم نے پیش کی۔ تو امام ترمذی حدیث مرفوع کو چھوڑ کر صرف عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے عمل شریف کا ذکر نہ فرماتے۔ پرلطف بات وہ ہے جو آگے فرماتے ہیں۔

والعمل على ما روى عن النبي ﷺ واصحابه۔

ترجمہ:۔ عمل اس پر ہے جو حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ سے مروی ہے یعنی (قصر)

(سنن الترمذی باب ماجاء التقصیر فی السفر ج ۲ ص ۴۲۸ رقم الحدیث ۵۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی قصر و اتمام دونوں کا اختیار نہ دیتی تھیں بلکہ آپ ہمیشہ سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اہل علم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فعل شریف پر عمل کیا یعنی ہمیشہ قصر پڑھنا۔

اعتراض نمبر ۳:۔ نسائی و دارقطنی اور بیہقی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت خرجت مع رسول الله ﷺ في عمرة رمضان فطر وصمت واتممت وافطرت وصمت قال احسنت يا عائشة و ماعاب علي۔

ترجمہ:۔ فرماتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رمضان کے عمرہ میں گئی تو آپ نے روزہ نہ رکھا۔ میں نے رکھا آپ نے نماز قصر پڑھی۔ میں نے پوری پڑھی یعنی اتمام کیا تو میں نے عرض کیا کہ رسول اللہ آپ نے قصر کیا میں نے پوری پڑھی آپ نے افطار کیا میں نے روزہ رکھا فرمایا اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تم نے اچھا کیا مجھ پر اعتراض نہ کیا۔

(سنن النسائی کتاب تقصیر الصلاۃ فی السفر ج ۳ ص ۲۲ رقم الحدیث ۱۴۵۶ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۲ رقم الحدیث ۵۲۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر میں جائز ہے اور اتمام بھی۔

جواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ محض غلط اور بناوٹی ہے کیونکہ حضور انور ﷺ نے کوئی عمرہ رمضان میں نہ کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کل چار عمرے کئے ہیں جو سب کے سب ذی قعدہ میں تھے البتہ حجۃ الوداع کے عمرہ کا احرام تو ذی قعدہ میں تھا اور افعال عمرہ ذی الحجہ میں ادا ہوئے۔ خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا رمضان کے عمرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہونا ایسا عجیب اور پیچیدہ مسئلہ ہے جسے وہابی صاحبان ہی حل فرما سکتے ہیں، وہابیو! پہلے اپنی بات عقل کی ترازو میں تولو بعد کو بولو۔

اعتراض نمبر ٤:۔ مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال صلی رسول اللہ ﷺ بمنی رکعتین وابوبکر وعمر بعد ابی بکر وعثمان صدراً من خلافته ثم ان عثمان صلی بعد اربعاً فکان ابن عمر اذا صلی مع الامام صلی اربعاً و اذا صلی وحده صلی رکعتین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی شروع خلافت میں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار رکعتیں منیٰ میں پڑھیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب امام کے ساتھ پڑھتے تو چار پڑھتے جب اکیلے پڑھتے تو دو پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری باب الصلوٰۃ بمنی ج ا ص ۱۴۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی و فی نسخہ ج ا ص ۳۶۷ رقم الحدیث ۱۰۳۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اگر سفر میں قصر فرض اور اتمام ناجائز ہوتا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منیٰ شریف میں اتمام کیوں کرتے؟

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بالکل خلاف ہے آپ نے تو مسافر کو قصر و اتمام کا اختیار دیا ہے کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیشہ قصر پڑھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی شروع خلافت میں جب قصر پڑھی تو اتمام نہ کیا۔ پھر جب پوری پڑھنے لگے۔ تو کبھی قصر نہ پڑھی۔ اختیار کسی بزرگ نے نہ دیا آپ کا یہ اختیار کہاں سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ شریف میں اتمام کیا عام سفروں میں نہیں، معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سفر میں اتمام کے قائل نہ تھے کسی وجہ سے صرف منیٰ شریف میں اتمام فرماتے تھے۔

تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منیٰ میں اتمام فرمانا اس لئے نہ تھا کہ آپ قصر و اتمام دونوں جائز مانتے تھے بلکہ اس کی وجہ کچھ اور تھی کیا وجہ تھی اس کے متعلق دو روائتیں ہیں امام احمد ابن حنبل نے روایت کی کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منی میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے اس کا انکار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں مکہ معظمہ میں اہل والا ہوں اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا ہے کہ جو کوئی کسی شہر میں گھر والا ہو جاوے وہ وہاں مقیم کی نماز پڑھے چنانچہ مسند امام احمد کی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

انه صلی بمنی اربع رکعات فانکر الناس علیه فقال ایها الناس انی تاهلت بمکة منذ قلمت وانی سمعت۔ الخ۔

(مرقاۃ۔ فتح القدیر)

ترجمہ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ شریف میں چار رکعت پڑھیں تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب سے میں مکہ معظمہ میں آیا ہوں میں گھر والا ہو گیا ہوں۔

اس روایت سے تین مسئلہ معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں ہر سفر میں نہیں دوسرے یہ کہ عام صحابہ نے آپ کے اس فعل پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ تمام صحابہ ہمیشہ سفر میں قصر ہی کرتے تھے اتمام کبھی نہ کرتے تھے ورنہ آپ پر اعتراض نہ کرتے تیسرے یہ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ معظمہ میں زمین خرید لی وہاں مکان بنوالیا وہاں اپنی ایک بیوی کو رکھا۔ اس لئے مکہ معظمہ آپ کا ایک قسم کا وطن بن گیا اور اپنے وطن میں اگر کوئی ایک دن کے لئے بھی جائے تو مقیم ہوگا، اور قصر نہ پڑھے گا پوری نماز پڑھے گا لہذا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل وہابیوں کے اس مسئلہ اختیار سے کوسوں دور ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زمانہ عثمانی کے نومسلم لوگوں نے حج میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھا کہ اسلام میں نمازیں دو دو رکعتیں ہی فرض ہیں جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے

کے لئے صرف منیٰ میں اتمام کیا یعنی چار رکعتیں پڑھیں چنانچہ عبدالرزاق اور دار قطنی نے ابن جریج سے روایت کی۔

بلغني انه اوفي اربعا بمنى فقط من اجل ان اعرابيا ناداه في مسجد خيف بمنى يا امير المومنين مازلت اصليها ركعتين منذ رائيتك عام الاول صليتها ركعتين فخشي عثمان ان يظن جهال الناس الصلوة ركعتين و انها كان اوفها بمنى۔

ترجمہ:۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف منیٰ میں ہی چار رکعتیں پڑھیں کیونکہ ایک دیہاتی نے مسجد خیف میں آپ کو پکار کر کہا میں تو برابر دو رکعتیں ہی پڑھ رہا ہوں جب سے کہ سال گذشتہ میں نے آپ نے کو دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خطرہ پیدا ہوا کہ جہلا نماز کی دو رکعتیں ہی سمجھ لیں گے اس لئے آپ نے منیٰ میں چار رکعتیں پڑھیں۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری ابواب صلاۃ المسافر باب کم رکعۃ فی السفر ص ۲۰۶ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

امام احمد اور عبدالرزاق کی یہ دونوں روائتیں اس طرح جمع کی جا سکتی ہیں، کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی اس غلط فہمی کا علم ہوا تو آپ نے مکہ معظمہ میں بھی اپنا گھر بار بنالیا تا کہ آپ یہاں آ کر مقیم ہوا کریں اور نماز پوری پڑھا کریں۔

لہذا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فعل شریف سے وہابی غیر مقلد کسی طرح دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

اعتراض نمبر ۵:۔ جیسے شریعت نے مسافر کو روزہ کا اختیار دیا ہے کہ روزہ رکھے یا نہ رکھے مسافر پر سفر میں نہ روزہ رکھنا فرض ہے، نہ قضا کرنا فرض ایسے ہی چاہئے کہ مسافر کو سفر میں نماز کا اختیار ہو کہ چاہے قصر کرے چاہے پوری پڑھے۔ اس پر قصر لازم کر دینا روزے کے اختیار کے خلاف ہے۔

جواب:۔ شکر ہے کہ آپ بھی قیاس کے قائل ہو گئے کہ نماز کے قصر کو روزے کی قضا پر قیاس کرنے لگے مقلد حنفی قیاس کو مانیں تو تمہارے نزدیک مشرک ہو جائیں اور آپ قیاس کریں تو پختہ توحید یئے رہیں۔ افسوس۔

جناب روزہ سفر میں معاف نہیں ہوا بلکہ مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی اجازت ملی ہے اگر سفر میں رکھے تو پورا اگر قضا کرے تو پورے کی لیکن فرض نماز سفر میں آدھی معاف ہو گئی ہے کہ چار رکعت والی نماز کی صرف دو رکعت باقی رہ گئیں باقی دو رکعتیں نہ اب پڑھیئے نہ وطن پہنچ کر معافی اور چیز ہے تاخیر کی اجازت کچھ اور لہذا نماز کے قصر کو روزے کی تاخیر پر قیاس کرنا مع الفارق ہے مسافر پر روزہ معاف نہ ہوا ورنہ اس کی قضا واجب نہ ہوتی اس پر روزہ فرض ہے۔

مگر یہ دو رکعتیں اسے معاف ہیں اس لئے ان کی قضا نہیں لہذا یہ رکعتیں اس کے لئے نفل ہیں اور نفل نماز فرض کے تحریمہ سے ادا ہونا خلاف قاعدہ شرعیہ ہے۔

مسئلہ:۔

مسافر پر فرض ہے کہ وطن میں پہنچتے ہی سفر کے رہے ہوئے روزوں کی قضاء شروع کر دے۔ اگر سفر میں آٹھ روزے قضاء ہو گئے پھر وطن پہنچ کر چار دن بعد فوت ہو گیا۔ تو قیامت میں ان چار روزوں کی پکڑ ہو گی باقی چار روزوں پر پکڑ نہیں کہ ان کے قضاء کرنے کا وقت ہی نہ پایا یہ ہی بیمار اور حائضہ عورت کا حکم ہے کہ شفا پاتے ہی روزوں کی قضاء شروع کر دیں۔

اٹھارھواں باب

نماز فجر اوجیالے میں پڑھو

حنفیوں کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نماز فجر خوب اوجیالے میں پڑھی جاوے جب سورج طلوع ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی ہو تو جماعت کھڑی ہو مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نماز فجر بالکل اول وقت یعنی بہت اندھیرے میں پڑھنا چاہیے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

نوٹ ضروری:۔ خیال رہے کہ مذہب حنفی میں دو نمازوں یعنی نماز مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا تمام نمازیں کچھ دیر سے پڑھنا افضل ہیں، نماز مغرب میں جلدی کرنا مستحب ہے۔ ایسے ہی سردی کے موسم میں نماز ظہر میں اگر ہم کو اس کتاب کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم ہر نماز کی تاخیر پر دلائل قائم کرتے صرف نماز فجر کی تاخیر پر مکمل بحث کرتے ہیں تا کہ ناظرین غور کریں کہ مذہب حنفی کتنا پختہ اور مدلل ہے۔

پہلی فصل...... نماز فجر میں اوجیالا باعث ثواب ہے

ہر زمانہ اور ہر موسم میں مستحب یہ ہے کہ نماز فجر خوب روشنی ہو جانے پر پڑھی جاوے البتہ دسویں ذی الحجہ کو حاجی لوگ مزدلفہ میں فجر اندھیرے میں پڑھیں۔ اس پر بہت احادیث شاہد ہیں جن میں سے بطور نمونہ کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۸:۔ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن حبان، ابوداؤد طیالسی و طبرانی نے کچھ فرق سے حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر وقال الترمذی ھذا حدیث صحیح۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نماز فجر خوب اوجیالا کر کے پڑھو کہ اس کا ثواب زیادہ ہے ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(سنن الترمذی باب ما جاء فی الاسفار بالفجر ج ۱ ص ۲۸۹ رقم الحدیث ۱۵۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۴۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۲۱ رقم الحدیث ۶۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ ص ۴۵۷ رقم الحدیث ۱۹۸۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۷۲ رقم الحدیث ۵۴۸ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۱۲۹ رقم الحدیث ۹۵۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۴ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۴۲۸۵۔ ۴۲۸۶۔ ۴۲۸۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۳۵۷ رقم الحدیث ۱۴۹۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۸۳ رقم الحدیث ۳۲۴۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

خیال رہے کہ اس حدیث میں اوجیالا کرنے سے مراد خوب اوجیالا کرنا ہے۔ جب کہ روشنی پھیل جاوے یہ مطلب نہیں کہ فجر یقیناً ہو جاوے کیونکہ اس کے بغیر تو نماز ہوتی ہی نہیں جس اوجیالے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے، وہ یہی روشنی ہے جو ہم نے عرض کی۔

حدیث نمبر ۹ تا ۱۰:۔ بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال ما رایت رسول اللہ ﷺ صلی صلوۃ بغیر وقتھا الا یجمع فانہ جمع بین المغرب والعشاء بجمع ویصلی صلوۃ الصبح من الغد قبل وقتھا۔

ترجمہ: میں نے حضور ﷺ کو کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوا مزدلفہ کے کہ وہاں حضور ﷺ نے مغرب و عشاء جمع فرمائی اور اس کی صبح نماز فجر اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔

(جامع الرضوی بصحیح البخاری ابواب الاوقات المستحبۃ للصلوات ج ۲ ص ۲۵۷ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ہمیشہ فجر کی نماز خوب روشنی میں پڑھتے تھے، مگر مزدلفہ میں دسویں ذوالحجہ کو اندھیرے میں یعنی

وقت معتاد سے پہلے اگر حضور ﷺ ہمیشہ ہی اول وقت فجر پڑھتے ہوتے تو مزدلفہ میں پہلے پڑھنے کے کیا معنی۔ کیونکہ اس سے پہلے تو فجر کا وقت ہوتا ہی نہیں۔

خیال رہے کہ مزدلفہ میں کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں ہوتی ہاں نماز مغرب عشاء کے وقت میں ادا ہوتی ہے اور نماز فجر اپنے وقت میں اس پر ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور اس حدیث کے یہ معنی نہیں کہ حضور ﷺ نے نماز فجر وقت سے پہلے یعنی رات میں پڑھی بلکہ روزانہ کے وقت معہود سے پہلے پڑھی اس معنی پر حدیث بالکل واضح ہے۔

حدیث نمبر ۱۱ تا ۱۴:۔ ابوداؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ، اسحاق ابن راہویہ، طبرانی نے معجم میں حضرت رافع ابن خدیج سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ لبلال یا بلال نور بصلوۃ الصبح حتی یبصر القوم مواضع نبلھم من الاسفار۔

ترجمہ:۔ فرماتے ہیں کہ حکم دیا حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو فرمایا اے بلال رضی اللہ عنہ نماز صبح میں اوجیالا کر لیا کرو یہاں تک کہ لوگ اوجیالے کی وجہ سے اپنے پھینکے ہوئے تیر گرنے کی جگہ دیکھ لیا کریں۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب وقت صلاۃ الصبح ج ۱ص ۳۱۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے نماز فجر ایسے وقت پڑھنے کا حکم دیا۔ جبکہ تیر انداز اپنے تیر گرنے کی جگہ کا مشاہدہ کر سکے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب خوب روشنی پھیل جاوے۔

حدیث نمبر ۱۵:۔ دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ من نور بالفجر نور اللہ فی قبرہ وقلبہ وقیل فی صلوتہ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جو نماز فجر روشنی میں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کی قبر اور اس کے دل میں روشنی کرے ایک روایت میں ہے کہ اس کی نماز میں روشنی کرے۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری ابواب الاوقات المستحبۃ للصلوات ج ۲ص ۲۵۷ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۶ تا ۱۷:۔ طبرانی نے اوسط میں اور بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزال امتی علی الفطرۃ ما اسفر بصلوۃ الفجر۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میری امت دین فطرت پر رہے گی۔ جب تک کہ نماز فجر اوجیالے میں پڑھے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب وقت صلاۃ الصبح ج ۱ص ۳۱۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۸ تا ۲۳:۔ طحاوی، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے تھوڑے سے فرق سے حضرت یسار ابن سلامہ سے روایت کی۔

قال دخلت مع ابی علی ابی برزۃ یسئل لہ ابی عن صلوۃ رسول اللہ ﷺ فقال کان ینصرف من صلوۃ الصبح والرجل یعرف وجہ جلیسہ وکان یقرء فیھا بالستین الی المائۃ۔

ترجمہ: میں نے اپنے والد کے ساتھ حضرت ابو برزہ صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، میرے والدان سے حضور ﷺ کی نماز کے متعلق پوچھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نماز صبح سے اس وقت فارغ ہوتے تھے جب ہر شخص اپنے ساتھی کا چہرہ پہچان لیتا تھا حالانکہ حضور انور ﷺ ساٹھ سے سو آیتوں تک پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم ج ۱ص ۳۳۸ رقم الحدیث ۴۶۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۴ص ۴۲۰ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ص ۲۶۸ رقم الحدیث ۸۱۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن خزیمہ باب کراھیۃ النوم قبل صلاۃ العشاء والحدیث بعدھا بذکر خبر مفسر ج ۱ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۳۴۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ص ۱۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱ص ۴۵۲ رقم الحدیث ۱۹۷۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۲۴:۔ طحاوی شریف نے حضرت عبد الرحمٰن ابن یزید سے روایت کی۔

قال کنا نصلی مع ابن مسعود فکان یسفر بصلوۃ الصبح۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھتے تھے آپ خوب اوجیالے میں نماز پڑھتے تھے۔
(طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ص ۱۸۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۵:۔ بیہقی نے سنن کبری میں ابوعثمان نہدی سے روایت کی۔

قال صلیت خلف عمر الفجر فما سلم حتی ظن الرجال ذو والعقول ان الشمس طلعت فلما سلم قالوا یا امیر المومنین کادت الشمس تطلع قال فتکلم بشئی لم افھمہ فقلت ای شئی قال قالوا لو اطلعت الشمس لم تجدنا غافلین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز فجر پڑھی تو آپ نے نہ سلام پھیرا یہاں تک کہ عقل والے لوگوں نے سمجھا کہ سورج نکل آیا جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین سورج نکلنے ہی والا ہے آپ نے کچھ فرمایا جو میں نے سمجھ سکا میں نے لوگوں سے پوچھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا فرمایا لوگوں نے بتایا کہ یہ فرمایا اگر سورج نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔
(جامع الرضوی صحیح البھاری ابواب الاوقات المستحبۃ للصلوات ج ۲ص ۲۵۶ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۲۶:۔ بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال صلی بنا ابوبکر صلوۃ الصبح فقراء آل عمران فقالوا کادت الشمس تطلع قال لو طلعت لم تجدنا غافلین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز فجر پڑھائی اس میں سورہ آل عمران پڑھی لوگوں نے کہا کہ سورج نکلنے کے قریب ہے آپ نے فرمایا کہ اگر نکل آتا تو ہم کو غافل نہ پاتا۔
(جامع الرضوی صحیح البھاری ابواب الاوقات المستحبۃ للصلوات ج ۲ص ۲۵۶ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۲۷ تا ۲۸:۔ طحاوی اور ملاخسر ومحدث نے اپنی مسند میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حماد رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال ما اجتمع اصحاب رسول اللہ ﷺ علی شئی کاجتماعھم علی التنویر فی الفجر والتعجیل فی المغرب قال الطحاوی لا یصح ان یجتمعوا علی خلاف ما کان علیہ رسول اللہ ﷺ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ کسی مسئلہ پر ایسے متفق نہ ہوئے جیسے نماز فجر کی روشنی اور نماز مغرب کی جلدی پر متفق ہوئے اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے خلاف عمل پر متفق ہوجاویں۔
(طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ص ۱۸۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (جامع الرضوی صحیح البھاری ابواب الاوقات المستحبۃ للصلوات ج ۲ص ۲۵۷ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و عمر فاروق رضی اللہ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے حتی کہ لوگوں کو سورج نکل آنے کا شبہ ہوجاتا تھا اور صحابہ کرام کا متفقہ عمل اس پر تھا کہ نماز فجر خوب روشنی میں پڑھی جاوے۔

حدیث نمبر ۲۹:۔ طحاوی شریف نے حضرت علی ابن ربیعہ سے روایت کی۔

قال سمعت علیا یقول یا قنبر اسفر اسفر۔

ترجمہ: فرماتے ہیں میں نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ فرماتے تھے اے قنبر اوجیالا کرو اوجیالا کرو۔
(طحاوی شرح معانی الآثار ج ۱ص ۱۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اوجیالے میں نماز فجر پڑھتے تھے جیسا کہ اسفر دوبار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے۔

ہم نے یہاں یہ انتیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں۔ اگر زیادہ تحقیق مقصود ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البھاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

بہر حال پتہ لگا کہ اوجیالے میں فجر پڑھنا سنت رسول اللہ سنت صحابہ اور صحابہ کرام کا اتفاقی عمل ہے۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ فجر کی نماز اوجیالے میں پڑھی جاوے چند وجہ سے ایک یہ کہ فجر کے لغوی معنی ہیں اوجیالا اور روشنی لہذا نماز فجر اوجیالے میں پڑھنے سے کام نام کے مطابق ہوگا۔ اور اندھیرے میں پڑھنا۔ نام کے مخالف ہے۔ دوسرے یہ کہ اوجیالے میں نماز پڑھنا زیادتی جماعت کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ اکثر مسلمان صبح کو دیر سے اٹھتے ہیں۔ اگر جلدی بھی اٹھیں تو اس وقت استنجاء بعض کو غسل وضو کرنا۔ سنتیں پڑھنا ہوتا ہے بعض لوگ اس وقت سنتوں کے بعد استغفار اور کچھ اعمال اذکار کرتے ہیں۔ اول وقت فجر کی جماعت کر لینے میں بہت سے لوگ جماعت سے یا تکبیر اولیٰ سے رہ جاتے ہیں۔ اوجیالے میں پڑھنے سے تمام نمازی بخوبی جماعت کی تکبیر اولیٰ میں شرکت کرسکتے ہیں دیکھو نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ کو دراز قرات سے اس لئے منع فرمادیا تھا کہ ان کے مقتدیوں پر بار ہوتی تھی۔ جس چیز سے جماعت گھٹ جاوے اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے جو جماعت کی زیادتی کا سبب ہو وہ بہتر ہے اندھیرا جماعت کی کمی کا سبب ہے۔ اسفار جماعت کی زیادتی اور مسلمانوں کی آسانی کا ذریعہ لہذا اسفار بہتر ہے۔ تیسرے یہ کہ اندھیرے میں مسلمانوں کو مسجد میں آنا دشوار ہوگا۔ اوجیالے میں آسان چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب اندھیرے میں عین نماز کی حالت میں شہید کیا گیا تو صحابہ کرام نے فجر میں بہت اوجیالا کرنے کا اہتمام کیا۔ دیکھو طحاوی شریف، صحیح البہاری اور ابن ماجہ وغیرہ۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کو چند امور میں نماز مغرب سے مناسبت ہے۔ مغرب رات کی پہلی نماز ہے فجر دن کی پہلی نماز۔ مغرب کاروبار بند ہونے کا وقت ہے فجر کاروبار کھلنے کا وقت مغرب نیند کا فجر بیداری کا پیش خیمہ ہے ہمیشہ وقت فجر وقت مغرب کے برابر ہوتا ہے یعنی جس میں زمانہ میں جتنا وقت مغرب کا ہوگا اتنا ہی فجر کا جب نماز فجر نماز مغرب کے مناسب ہوئی تو جیسے نماز مغرب اوجیالے میں پڑھنا افضل ہے ایسے ہی نماز فجر اوجیالے میں پڑھنا بہتر ہے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراض وجواب

تاخیر فجر پر اب تک وہابیوں غیر مقلدوں کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہم کو معلوم ہو سکے وہ ہم تفصیل وار مع جواب عرض کرتے ہیں اگر بعد میں اور کوئی اعتراض معلوم ہوا۔ تو انشاء اللہ تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱: ۔ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال یا علی ثلث لاتوخرها الصلوة اذا اتت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لها کفواً۔

ترجمہ: کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ۔ نماز جب اس کا وقت آجاوے۔ جنازہ جب حاضر ہو۔ لڑکی کا نکاح جب اس کے لیے کفول جاوے۔

(سنن الترمذی ج ا ص ۳۲۰ رقم الحدیث ۱۷۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نیز اسی ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ الوقت الاول من الصلوة رضوان اللہ والوقت الاخر عفو اللہ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ نماز کا اول وقت رب کی رضا وخوشنودی ہے اور نماز کا آخر وقت اللہ تعالیٰ کی معافی ہے۔

(سنن الترمذی ج ا ص ۳۲۱ رقم الحدیث ۱۷۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۴۳۶ رقم الحدیث ۱۸۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اول وقت پڑھنی چاہیئے۔ حنفی لوگ فجر دیر میں پڑھ کر رب تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی نماز عشاء اور گرمیوں کی ظہر میں تاخیر مستحب و بہتر جانتے ہو تم بھی خدا کی خوشنودی سے محروم ہو جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا۔

دوسرے یہ کہ ان حدیثوں میں اول وقت سے وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ مطلق وقت کا اول یعنی جب نماز کا مستحب وقت شروع ہو جائے تب دیر نہ لگاؤ۔ نماز فجر میں روشنی ہی اول وقت ہے جیسے نماز عشاء کے لئے انتہائی رات اول وقت ہے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ مسلم و بخاری اور تمام محدثین نے روایت کی کہ حضور ﷺ ہمیشہ نماز فجر غلس یعنی اندھیرے میں پڑھتے تھے لہذا حنفیوں کا دیر سے فجر پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ غلس کے معنی ہیں اندھیرا خواہ وقت کے اعتبار سے اندھیرا ہو یا مسجد کا اندھیرا حضور ﷺ نماز فجر روشنی میں ہی پڑھتے تھے۔ مگر مسجد میں اندھیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف بہت گہری بنی ہوئی تھی۔ چھت میں روشندان وغیرہ نہ تھے اب بھی اگر مسجد میں روشندان نہ ہوں تو اندر بہت اندھیرا رہے کیونکہ بہت گہری بنی ہوئی ہے۔ صحن دور ہے اس صورت میں یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے۔ دوسرے یہ کہ اگر غلس سے صبح کا اندھیرا ہی مراد ہو تو یہ حضور ﷺ کا فعل شریف ہے۔ اور قول شریف وہ ہے جو ہم پہلی فصل میں بتا چکے ہیں یعنی حضور ﷺ نے اندھیرے میں فجر پڑھی مگر ہم کو اوجیالے میں پڑھنے کا حکم دیا۔ اور جب حدیث قولی و فعلی میں تعارض معلوم ہو تو حدیث قولی کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ فعلی حدیث میں خصوصیت کا احتمال ہے دیکھو سرکار ﷺ نے خود نو بیویاں نکاح میں رکھیں۔ مگر ہم کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ ہم حکم پر عمل کر کے صرف چار بیویاں رکھ سکتے ہیں آپ کے فعل پر عمل نہ کریں گے۔ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ قول عمل پر راجح ہے۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے کہ عام صحابہ کرام اوجیالے میں فجر پڑھتے تھے، حالانکہ انہوں نے حضور ﷺ کا یہ عمل شریف دیکھا تھا معلوم ہوا کہ حدیث قولی کو ترجیح دے کر اس پر عمل کرتے تھے۔ دوسری حدیث کو لائق عمل نہ سمجھتے تھے۔

چوتھے یہ کہ نماز فجر کا اندھیرے میں ہونا قیاس شرعی کے خلاف ہے اوجیالے میں ہونا قیاس کے مطابق لہذا اوجیالے والی حدیث کو ترجیح ہوگی۔ کیونکہ جب احادیث میں تعارض ہو تو اس حدیث کو ترجیح ہوتی ہے جو مطابق قیاس ہو۔

دیکھو ایک حدیث میں ہے۔ الوضوء مما مسته النار (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۹ رقم الحدیث ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت) آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو واجب ہوتا ہے دوسری حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے کھانا کھا کر نماز پڑھ لی وضو نہ کیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۴ رقم الحدیث ۳۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) پہلی حدیث خلاف قیاس ہے۔ دوسری مطابق قیاس لہذا دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی پہلی حدیث کی تاویل کی گئی کہ وہاں وضو سے مراد کھانا کھا کر ہاتھ دھونا کلی کرنا ہے ایسے ہی یہاں تاویل کی جاوے کہ غلس سے مراد مسجد کا اندھیرا ہے نہ کہ وقت کا بہر حال ترجیح روشنی کی حدیث کو ہے۔

ہمارا اعلان ہے کہ کوئی وہابی صاحب ایسی مرفوع حدیث پیش کریں جس میں فجر اندھیرے میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ جیسے کہ ہم نے اوجیالے میں فجر پڑھنے کی ایک دو نہیں بہت احادیث پیش کر دیں جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔

پانچویں یہ کہ اندھیرے کی تمام احادیث بیان جواز کے لئے ہیں اور اوجیالے کی تمام احادیث بیان استحباب کے لئے لہذا دونوں حدیثیں موافق ہیں مخالف نہیں یعنی اندھیرے میں فجر پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر عمل فرمایا اور اوجیالے

میں فجر پڑھنا مستحب ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس کا حکم دیا۔

اعتراض نمبر ۳:۔ مسلم و بخاری نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔

قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی الصبح فتنصرف النساء متلففات بمر وطهن مایعرفن من الغس۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نماز صبح سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی مسجد سے واپس ہوتیں اور اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتی تھیں۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۶ رقم الحدیث ۶۴۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ نماز فجر اتنی جلدی شروع کرنا سنت ہے کہ جب ساٹھ یا سو آئتیں پڑھ کر نماز سے فارغ ہو تو کوئی نمازی اندھیرے کی وجہ سے پہچانا نہ جاسکے حنفی اتنا اوجیالا کر کے فجر پڑھتے ہیں کہ شروع نماز کے وقت ہی لوگ پہچانے جاتے ہیں ان کا یہ عمل سنت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اس کے جوابات اعتراض نمبر ا کے جواب میں گزر چکے کہ یا تو یہ مسجد کا اندھیرا ہوتا تھا نہ کہ وقت یا یا اس عمل شریف پر حضور علیہ السلام کے فرمان اور حکم کو ترجیح ہے وغیرہ یہاں ایک جواب اور بھی ہوسکتا ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ شریف میں عورتوں کو جماعت نماز میں حاضری کا حکم تھا ان کے لحاظ سے نماز فجر جلدی پڑھی جاتی تھی، کہ وہ بیویاں پردہ سے گھر چلی جاویں پھر عہد فاروقی میں عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا تو یہ رعایت بھی ختم ہوگئی عورتوں کو جماعت سے روکنے کی پوری تحقیق اور اس کی وجہ ہماری کتاب اسلامی زندگی میں ملاحظہ کرو۔

اعتراض نمبر ٤:۔ ترمذی شریف نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت ما صلی رسول اللہ ﷺ صلوۃ لوقتها الاخر مرتین حتی قبضه اللہ۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے دو دفعہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ رب نے آپ کو وفات دی۔

(سنن الترمذی ج ا ص ۳۲۸ رقم الحدیث ۱۷۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں خصوصاً نماز فجر اول وقت پڑھنا حضور علیہ السلام کی دائمی سنت ہے یہ حکم منسوخ نہ ہوا حضور علیہ السلام نے آخر حیات شریف تک اس پر عمل کیا افسوس کہ حنفی ایسی دائمی سنت سے محروم ہیں جو حضور علیہ السلام نے ہمیشہ کی۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح بھی نہیں اور اس کی اسناد متصل بھی نہیں کیونکہ اس حدیث کو اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا اور اسحاق ابن عمر نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کبھی ملاقات نہ کی، لہٰذا درمیان میں راوی رہ گیا ہے اس لئے امام ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ فرمایا۔

قال ابو عیسی هذا حدیث غریب ولیس اسناده بمتصل۔

ترجمہ: بوعیسیٰ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد متصل نہیں۔

(سنن الترمذی ج ا ص ۳۲۸ رقم الحدیث ۱۷۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس کے حاشیہ میں ہے۔

لانه لم یثبت ملاقاۃ اسحق مع عائشة (رضی اللہ تعالیٰ عنها)

ترجمہ: کیونکہ اسحاق کی ملاقات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ثابت نہ ہوئی۔

(حاشیہ ترمذی ج ا ص ۲۴ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)

لہٰذا یہ حدیث قابل عمل نہیں افسوس ہے کہ وہابی ہم سے تو بالکل صحیح اور ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود ایسی ضعیف اور نا قابل

کئی حدیثیں پیش کر دینے میں تامل نہیں کرتے۔

دوسرے یہ کہ یہ حدیث بہت احادیث کے خلاف ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بہت دفعہ نمازیں آخر وقت پڑھیں ہیں جب حضرت جبریل علیہ السلام نماز کے اوقات عرض کرنے آئے تو انہوں نے دو دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نمازیں پڑھائیں پہلے دن تمام نمازیں اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں ایک دفعہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نماز کے اوقات پوچھتے تو آپ نے اسے دو دن اپنے پاس ٹھہرایا ایک دن نمازیں اول وقت میں پڑھائیں دوسرے دن آخر وقت تعریس کی رات میں حضور علیہ السلام نے فجر کی نماز قضا پڑھی غزوہ خندق میں حضور علیہ السلام نے کئی نمازیں قضا کر کے پڑھیں عام طور پر سفر میں حضور علیہ السلام نماز ظہر آخر وقت اور عصر اول وقت پڑھتے تھے ایسے ہی مغرب آخر وقت عشاء اول وقت پڑھتے تھے ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے بالکل آخر وقت تشریف لائے اور بہت جلد فجر پڑھائی بعد میں فرمایا کہ آج ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے کہ رب تعالیٰ نے اپنا دست قدرت ہمارے سینہ اقدس پر رکھا۔ (مشکوۃ باب المساجد)

غرضیکہ حضور علیہ السلام نے بارہا نمازیں آخر وقت میں پڑھیں اور اس حدیث میں ہے کہ آپ نے کوئی نماز آخر وقت میں دو بار بھی نہ پڑھی لہذا یہ روایت نا قابل عمل ہے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے، پھر تم نماز عشاء آخر وقت یعنی تہائی رات گئے پڑھنا مستحب کیوں کہتے ہو اور گرمیوں میں ظہر آخر وقت میں مستحب کیوں بتاتے ہو۔ جو جواب تمہارا ہے وہ ہی جواب ہمارا۔

اعتراض نمبر ۵:۔ تم نے جو حدیث پیش کی تھی کہ فجر کو اوجیالے میں پڑھو اس میں اوجیالے سے مراد صبح صادق کی وہ روشنی ہے جس سے وقت فجر آجانا یقینی ہو جاوے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ نماز فجر شک کی حالت میں نہ پڑھو بلکہ جب یقین ہو جاوے کہ وقت ہو گیا تب پڑھو وہاں اسفاق سے وہ روشنی مراد نہیں جو حنفیوں نے سمجھی یعنی خوب اوجیالا بہت سے محدثین نے اس حدیث کا یہ ہی مطلب بیان کیا۔

جواب:۔ ہرگز نہیں کیونکہ اتنا اوجیالا کرنا تو فرض ہے شک کی حالت میں نماز فجر پڑھنا جائز ہی نہیں اور یہاں فرمایا گیا کہ اس اوجیالے کا ثواب زیادہ ہے یعنی یہ اوجیالا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ لہذا اس اجیالے سے مراد وہ ہی روشنی صبح ہے جس میں فجر پڑھنا مستحب ہے اور جو ہم نے معنے کئے۔ وہ ہی درست ہیں۔ حدیث سمجھنے کے لئے تفقہ ضروری ہے۔



انیسواں باب

ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

وقت ظہر سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے نصف النہار کے سایہ کے علاوہ دوگنا ہوجاوے سردیوں میں نماز ظہر جلدی پڑھنا اور گرمیوں میں کچھ دیر سے پڑھنا کہ دوپہر کی تیزی جاتی رہے کچھ ٹھنڈک ہوجاوے سنت ہے مگر غیر مقلد وہابی نماز ظہر چلچلاتی دوپہر میں ہی پڑھ لیتے ہیں اور ایک مثل سایہ کے بعد عصر پڑھ لیتے ہیں طرح طرح حنفیوں کو بہکاتے ہیں کہ تمہارا مذہب حدیث کے خلاف ہے اس لئے اس باب کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں، پہلی فصل میں اس کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات مع جوابات، حنفیوں کو چاہیے کہ اپنے دلائل اور وہابیوں کے جوابات یاد رکھیں۔

پہلی فصل ......ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو

سردیوں میں چونکہ دوپہر ٹھنڈی ہوتی ہے لہذا اس زمانہ میں سورج ڈھلتے ہی ظہر پڑھنی سنت ہے لیکن گرمیوں میں دیر سے پڑھنی سنت جبکہ ٹھنڈک ہوجاوے اور دوپہر کا جوش کم ہوجاوے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۵:۔ بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اشتد الحر فا بردوا بالصلوۃ وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جب گرمی تیز ہو تو نماز ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(صحیح البخاری باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحرج ۱ص ۱۹۸ رقم الحدیث ۵۱۰ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم ج ۱ص ۴۳۲ رقم الحدیث ۶۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی ج ۱ص ۲۹۵ ۔۲۹۶ رقم الحدیث ۱۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ص ۲۳۸ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۳۸۵ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبری للبیہقی باب تاخیر الظھر فی شدۃ الحرج ۱ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۱۸۹۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یستحب ان یصلی صلاۃ الظھر فیہ ج ۱ص ۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمبر ۶ تا ۱۰:۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسلم بخاری، نسائی بیہقی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔

ان النبی ﷺ قال شدۃ الحر من فیح جھنم فابردوا بالظھر واشتکت النار الی ربھا فقالت رب اکل بعضی بعضا فاذن لھا بنفسین نفس فی الشتاء ونفس فی الصیف الخ۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے لہذا ظہر ٹھنڈی کرو آگ نے رب کی بارگاہ میں شکایت کی عرض کیا کہ مولا میرے بعض نے بعض کو کھا ڈالا تو رب نے اس کے دو سانسوں کی اجازت دی ایک سانس سردی میں ایک سانس گرمی میں۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۱ص ۴۳۷ رقم الحدیث ۱۹۰۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۳۸۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۱ص ۴۳۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (الام للشافعی ج ۱ص ۷۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ص ۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۱:۔ نسائی شریف میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کان الحر ابرد بالصلوۃ واذا کان البرد عجل۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب گرمی زیادہ ہوتی تھی تو حضور ﷺ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور جب سردی ہوتی تھی تو جلد پڑھ لیتے تھے۔

(سنن نسائی ج ۱ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۴۹۹ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں ظہر جلد پڑھنا سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۱۲ تا ۱۹:۔ بخاری، ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طحاوی، ابوعوانہ، بیہقی نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد الموذن ان یوذن للظھر فقال النبی ﷺ ابرد ثم اراد ان یوذن فقال ابرد حتی راینا فیئی التلول فقال النبی ﷺ ان شدۃ الحرمین فیح جھنم فاذا شتد الحر فابردوھا بالصلوۃ قال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور انور ﷺ کے ساتھ تھے موذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی تو حضور ﷺ نے فرمایا ٹھنڈا کرو پھر انہوں نے اذان کا قصد کیا تو فرمایا ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا تو فرمایا نبی ﷺ نے کہ گرمی کی تیزی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ پس جب گرمی تیز ہو تو نماز ٹھنڈی کیا کرو، ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن وصحیح ہے۔

(صحیح البخاری باب الابراد بالظھر فی شدۃ الحرج ا ص ۱۹۹ رقم الحدیث ۵۱۱ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۰ ا رقم الحدیث ۴۰۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح مسلم ج ا ص ۴۳۱ رقم الحدیث ۶۱۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی ج ا ص ۲۹۶۔۲۹۷ رقم الحدیث ۱۵۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۶۰ رقم الحدیث ۴۴۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۳۲۸۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۴۳۸ رقم الحدیث ۱۹۰۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار ج ا ص ۱۸۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۰:۔ طحاوی شریف نے حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ رای النبی ﷺ یعجلھا فی الشتاء ویوخرھا فی الصیف۔

ترجمہ: انہوں نے دیکھا نبی ﷺ کو ظہر کی نماز سردیوں میں جلدی پڑھتے تھے اور گرمیوں میں دیر سے پڑھتے تھے۔

(شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یستحب ان یصلی صلاۃ الظھر فیہ ج ا ص ۱۸۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے متعلق اور بھی بہت سی احادیث پیش کی جا سکتی ہیں، مگر اختصاراً انہی بیس حدیثوں پر اکتفا کرتا ہوں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری طحاوی وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ۔ خیال رہے کہ نماز جمعہ کا وقت بھی ظہر کی طرح ہے۔ کہ گرمیوں میں ٹھنڈک کر کے پڑھی جاوے بعض لوگ سخت گرمی میں بھی جمعہ کی نماز بالکل اول وقت پڑھ لیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے غیر مقلد وہابی تو زوال سے پہلے بھی نماز جمعہ پڑھ لینے سے گریز نہیں کرتے۔ بخاری شریف نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

قال کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحرا برد بالصلوۃ یعنی الجمعۃ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب سخت ٹھنڈک ہوتی تو حضور ﷺ نماز جلد پڑھتے تھے۔ اور جب گرمی تیز ہوتی تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے یعنی نماز جمعہ۔

(صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ج ا ص ۳۰۷ رقم الحدیث ۸۶۴ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

غرضیکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی طرح سردیوں میں جلد اور گرمیوں میں کچھ دیر کر کے گرمی کی تیزی ٹوٹ جانے پر پڑھنی چاہئیے۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ نماز ظہر گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے پڑھنا چاہئیے کہ تیز گرمی میں ظہر پڑھنا مسلمانوں کی تکلیف کا باعث ہے، اس سے جماعت گھٹ جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ گرمیوں میں عام کاروباری لوگ دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولہ یعنی دوپہر میں آرام کرتے ہیں اور دوپہر کی تپش گھر میں گزارنا چاہتے ہیں اگر اس حالت میں نماز ظہر پڑھی جاوے تو وہ لوگ سنت قیلولہ سے بھی محروم رہیں گے اور ان پر اس وقت مسجد کی حاضری گراں بھی پڑے گی ایسے موقعہ پر شریعت مطہرہ آسانی کر دیتی ہے۔

نتیجہ:۔ مذکورہ بالا احادیث شریفہ اور دلیل عقل سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر کا وقت دو مثل سایہ تک رہتا ہے اور عصر کا وقت دو مثل سایہ سے شروع ہوتا ہے اس کی چند دلیلیں ہیں۔

ایک یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے اور ظاہر ہے کہ تمام

جگہ خصوصاً ملک عرب میں ایک مثل سایہ کے بعد دوپہر کی تپش ٹوٹتی ہے ایک مثل تک سخت بھڑک رہتی ہے۔ اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ احادیث غلط ہوں گی۔

دوسرے یہ کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ نے اس وقت نماز ظہر پڑھی۔ جب ٹیلوں کا سایہ نمودار ہو گیا ایک مثل سایہ کے وقت ٹیلے کا سایہ نمودار نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھیلاوے کی وجہ سے اس کا سایہ ایک مثل کے بعد ظاہر ہو سکتا ہے اگر ایک مثل پر وقت ظہر نکل جاوے تو یہ حدیث بھی غلط ہو گی۔

تیسرے یہ کہ نماز عصر کا وقت ہمیشہ ظہر کے وقت سے کم ہونا چاہے۔ اگر ایک مثل پر وقت عصر ہو جایا کرے تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی ظہر سے بڑھ جاوے گا یہ قانون شرعی کے خلاف ہے کیونکہ بخاری شریف نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مرفوع نقل فرمائی کہ حضور انور ﷺ نے اپنی امت کی مثال یہود نصاریٰ کے مقابل اس طرح دی کہ کوئی شخص کسی مزدور کو صبح سے دوپہر تک ایک قیراط پر رکھے دوسرے کو دوپہر سے نماز عصر تک ایک قیراط پر رکھے تیسرے کو نماز عصر سے سورج ڈوبنے تک دو قیراط اجرت پر رکھے پہلے مزدور یہود ہیں دوسرے مزدور نصاریٰ اور تیسرے مزدور مسلمان کہ ان کے عمل کا وقت تھوڑا مزدوری دوگنی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

الا فانتم الذین یعملون من صلوۃ العصر الی مغرب الشمس الا لکم الاجر مرتین۔

ترجمہ: خبردار ہو کہ تم ہی وہ لوگ ہو جو نماز عصر سے سورج ڈوبے تک کام کرتے ہو تمہاری مزدوری دوگنی ہے۔

(سنن الترمذی ج۵ ص۱۵۳ رقم الحدیث ۲۸۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح البخاری باب من ادرک رکعۃ من العصر قبل الغروب ج۱ ص۲۰۳ رقم الحدیث ۵۳۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مسند ابو داؤد الطیالسی ص۲۵۰ رقم الحدیث ۱۸۲۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۱۰ رقم الحدیث ۶۶۳۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

اگر عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا تو ظہر کے برابر بلکہ کبھی اس سے زیادہ ہوتا اس صورت میں مسلمانوں کی یہ مثال بیان نہ فرمائی جاتی۔ لہذا نماز عصر کا وقت ظہر سے کم ہونا چاہیے یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب وہ دو مثل سایہ سے شروع ہو اگر ایک مثل پر عصر شروع ہو جاوے تو بخاری شریف کی یہ حدیث بھی غلط ہو جاتی ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ عصر دو مثل پر شروع ہو جاتی ہے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر غیر مقلد وہابیوں کے بعض اعتراضات تو وہ ہیں۔ جن کے جوابات ہم اس سے پہلے باب میں دے چکے ہیں جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت میں پڑھنا افضل ہے یا جیسے تین چیزوں میں دیر نہ لگاؤ نماز، توبہ، لڑکی کی نکاح بعض اعتراضات ان کے علاوہ ہیں ہم وہ اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

اعتراض نمبر ۱:۔ ابوداؤد، ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دراز حدیث روایت کی جس میں ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے دو دن نماز پڑھائی، ایک دن ہر نماز اول وقت پڑھی دوسرے دن ہر نماز آخر وقت میں اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

وصلی بی العصر حین صار ظل کل شئی مثلہ۔

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے پہلے دن عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔

(سنن ابوداؤد باب فی المواقیت ج۱ ص۱۰۷۔۱۰۸ رقم الحدیث ۳۹۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی ﷺ ج۱ ص۲۷۸۔۲۷۹ رقم الحدیث ۱۴۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر کا وقت ایک مثل سایہ پر شروع ہو جاتا ہے اور ظہر کا وقت اس سے پہلے نکل جاتا ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اسی حدیث میں اس جگہ یہ بھی ہے۔

فلما كان الغد صلى بى الظهر حين كان ظله مثله۔

ترجمہ: جب دوسرا دن ہوا تو مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے نماز ظہر پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو گیا۔

(سنن ابوداود باب فی المواقیت ج۱ص۱۰۷۔۱۰۸رقم الحدیث ۳۹۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی ﷺ ج۱ص ۲۷۸۔۲۷۹رقم الحدیث ۱۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

فرمایئے پہلے دن ایک سایہ پر نماز عصر پڑھائی اور دوسرے دن خاص اس ہی وقت نماز ظہر پڑھائی حالانکہ وقت عصر ظہر کا وقت نکل جانے کے بعد شروع ہوتا ہے اگر ایک مثل سایہ پر وقت عصر داخل ہو جاتا ہے تو دوسرے دن اسی وقت نماز ظہر کیوں پڑھائی گئی دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اسی جگہ یہ الفاظ ہیں۔

وصلى بى العصر حين كان ظله مثليه۔

ترجمہ: اور دوسرے دن مجھے نماز عصر جب پڑھائی جبکہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔

(سنن ابوداود باب فی المواقیت ج۱ص۱۰۷۔۱۰۸رقم الحدیث ۳۹۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلاۃ عن النبی ﷺ ج۱ص ۲۷۸۔۲۷۹رقم الحدیث ۱۴۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عصر کا آخری وقت دو مثل سایہ ہے۔ حالانکہ آخری وقت سورج کا غروب تیسرے یہ کہ اس حدیث میں اول دن کی نماز عصر میں صرف ایک مثل سایہ کا ذکر ہے اور دوسرے دن کے آخر عصر میں دو مثل سایہ کا ذکر ہے اصل سایہ کا جو دوپہر کے وقت ہوتا ہے بالکل ذکر نہیں حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ ایک مثل یا دو مثل اصل سایہ کے علاوہ ہونا چاہیئے تو جو تمہارا جواب ہے وہ ہمارا۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ایک مثل سایہ پر نماز عصر پڑھا دی گئی اور جو حدیثیں ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں ان میں ذکر ہے کہ حضور ﷺ نے گرمی میں نماز ظہر ٹھنڈی کر کے اور ٹیلے کا سایہ پڑ جانے پر ادا فرمائی جو ایک مثل کے بعد ہوتا ہے تو حدیثیں آپس میں متعارض ہوئیں لہذا ہماری پیش کردہ حدیثوں کو ترجیح ہو گی کیونکہ وہ قیاس شرعی کے مطابق ہیں اور یہ حدیث قابل عمل نہیں کیونکہ قیاس شرعی کے خلاف ہے تعارض کے وقت حدیث کو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔

پانچویں یہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ عمل پہلے واقع ہوا کیونکہ شب معراج کو صبح کو ہوا جب کہ نماز فرض ہی ہوئی تھی اور حضور ﷺ کا عمل جو ہم ثابت کر چکے ہیں یعنی ٹھنڈک میں نماز پڑھنا بعد کا عمل ہے لہذا تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے ہماری پیش کردہ احادیث اس کی ناسخ اس لئے یہ حدیث قابل عمل نہیں۔

چھٹے یہ کہ شرعی قاعدہ ہے کہ یقینی چیز شک سے زائل نہیں ہو سکتی یقین کو یقین ہی دفعہ کر سکتا ہے اس قاعدہ پر صدہا مسائل نکالے گئے ہیں سورج ڈھلنے سے وقت ظہر یقیناً آ گیا اور ایک مثل سایہ پر اس وقت کا نکلنا مشکوک ہے تو اس شک سے وقت ظہر نہ نکلے گا۔ اور وقت عصر داخل نہ ہو گا۔ دو مثل پر ظہر کا نکل جانا یقینی ہے۔ لہذا یہ ہی حکم قابل عمل ہے نہ کہ تمہارا قول۔

اعتراض نمبر ۲:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ظہر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ فرش بہت گرم ہوتا تھا۔ ہم اس پر سجدہ نہ کر سکتے تھے اسی لئے سجدے کی جگہ کپڑا یا ٹھنڈی بجری رکھتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ نماز ظہر گرمیوں میں بھی اول وقت پڑھنی چاہیئے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جن میں گرمیوں کی ظہر کی تاخیر کرنے ٹھنڈی کرنے کا حکم ہے اور وہ حدیثیں قیاس شرعی کے مطابق لہذا وہ ہی قابل عمل ہیں۔ یہ حدیث ناقابل عمل یا منسوخ ہے۔

دوسرے یہ کہ فرش کی گرمی خصوصاً ملک عرب میں بہت دیر تک یعنی ایک مثل سایہ کے بعد تک رہتی ہے یہ گرمی پہلے کی ہوتی تھی۔ وقت ٹھنڈا ہو چکا تھا لہذا یہ حدیث ان احادیث کے بالکل خلاف نہیں۔ جن میں ٹھنڈک کا حکم ہے جہاں تک ہو سکے احادیث میں مطابقت کی جاوے۔

اعتراض نمبر ۳:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ عصر اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ بعد نماز عصر اونٹ ذبح کر کے بوٹیاں بنا کر بھون کر آفتاب ڈوبنے سے پہلے کھا لیتے تھے اور ہم میں بعض لوگ نماز عصر کے بعد تین میل مسافت طے کر کے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے اور ابھی سورج چمکتا ہوتا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف وغیرہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ عصر کی نماز دو مثل سے پہلے پڑھی جاتی تھی کیونکہ دو مثل کے بعد اتنا وقت نہیں بچتا کہ یہ کام کئے جاویں۔ (عام وہابی)۔

جواب:۔ یہ تمام حدیثیں درست ہیں مگر آپ کا یہ مذکورہ نتیجہ نکالنا غلط دو مثل کے بعد عصر پڑھ کر تین میل فاصلہ بخوبی طے ہو سکتا ہے اہل عرب بہت تیز رفتار ہیں ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دس منٹ میں ایک میل چل لیتے ہیں۔ تین میل آدھ گھنٹے میں چلے جاتے ہیں عصر کا وقت بعض زمانہ میں دو گھنٹہ سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی اونٹ کا ذبح کر لینا اور بھون کر کھا لینا۔ غروب آفتاب سے پہلے ہو سکتا ہے۔ اہل عرب ذبح اور گوشت صاف کرنے پکانے میں بہت ہی پھرتیلے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ ہے۔

اعتراض نمبر ٤:۔ مسلم بخاری میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال ما کنا نقیل ولا نتغدی الا بعد الجمعۃ۔

ترجمہ: ہم صحابہ نہ قیلولہ کرتے تھے نہ ناشتہ کھاتے تھے مگر جمعہ کے بعد۔

(صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب القائلۃ بعد الجمعہ ج ۱ ص ۳۱۸ رقم الحدیث ۸۹۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز سخت گرمی میں بھی بہت جلد پڑھنی چاہیئے کہ دوپہر کا آرام بلکہ صبح کا ناشتہ بھی بعد نماز کیا جاوے پھر تم کیسے کہتے ہو کہ گرمیوں میں جمعہ ٹھنڈا کر کے پڑھو۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث ظاہری معنی سے تمہارے خلاف ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ نماز جمعہ ناشتہ اور قیلولہ یعنی دوپہر کے آرام سے پہلے پڑھی جاوے تو چاہیئے کہ فجر کے بعد فوراً جمعہ پڑھ لیا جاوے کیونکہ ناشتہ تو بالکل سویرے ہوتا ہے تم بھی اتنی جلدی جمعہ پڑھ لینے کے قائل نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہم جمعہ کی تیاری کی وجہ سے نماز سے پہلے نہ ناشتہ کرتے تھے نہ دوپہر کا آرام بعد نماز یہ سب کچھ کرتے تھے یعنی نماز کی وجہ سے ناشتہ اور آرام پیچھے کر دیتے تھے نہ کہ ناشتہ اور آرام کی وجہ سے جمعہ پہلے پڑھ لیتے تھے جیسا کہ تم سمجھے۔

تیسرے یہ کہ اس حدیث میں سردیوں کے جمعہ کا ذکر ہے کہ اس زمانہ میں دن چھوٹا ہوتا ہے دوپہر میں گرمی نہیں ہوتی اس لئے سورج ڈھلتے ہی جمعہ پڑھ لیتے تھے دوپہر کا کھانا اور آرام بعد جمعہ کرتے تھے اب بھی مدینہ والے ایسا ہی کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

ان النبی ﷺ کان یصلی الجمعۃ حین تزول الشمس۔

ترجمہ: حضور ﷺ آفتاب ڈھلنے کے بعد جمعہ پڑھتے تھے۔

(صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب وقت الجمعہ اذا زالت الشمس ج ۱ ص ۳۰۷ رقم الحدیث ۸۶۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابوداؤد باب فی وقت الجمعہ ج ۱ ص ۲۸۴ رقم الحدیث ۱۰۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الترمذی باب ماجاء فی وقت الجمعہ ج ۲ ص ۳۷۷ رقم الحدیث ۵۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لہذا اس مذکورہ حدیث کے معنی یہ نہیں کہ نماز جمعہ سورج ڈھلنے سے پہلے پڑھ لی جاتی تھی چونکہ نماز جمعہ نماز ظہر کی نائب ہے لہذا ظہر کے وقت میں ہی ادا ہوگی اور گرمیوں میں ٹھنڈی کر کے سردیوں میں سورج ڈھلتے ہی پڑھی جاوے گی ظہر کی طرح اب احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔

بیسواں باب

اذان وتکبیر کے الفاظ

شریعت میں اذان واقامت کے (تکبیر) الفاظ اور احکام تقریباً یکساں ہیں جو الفاظ اذان کے ہیں وہ ہی تکبیر کے صرف حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوٰۃ دوبار زیادہ ہے ترجیع نہ اذان میں ہے نہ اقامت میں، اذان کے کل پندرہ کلمے ہیں، اور اقامت کے سترہ کلمے جیسا کہ عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے۔ مگر غیر مقلد وہابیوں کی اذان بھی اس اذان سے علیحدہ ہے اور اقامت بھی اس اقامت کے سوا ہے وہ اذان کی دونوں شہادتوں کو دو دو بار کے بجائے چار چار بار کہتے ہیں اولاً دو بار آہستہ پھر بلند آواز سے اسے ترجیع کہتے ہیں یعنی پہلے اشهد ان لآاله الا الله آہستہ کہتے ہیں پھر ترجیع کر کے ایسے ہی اشهد ان محمد رسول الله کو اس حساب سے ان کے نزدیک اذان کے کلمات پندرہ کے بجائے انیس ہیں اور اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک بار کہتے ہیں اس طرح کہ دونوں شہادتیں اور حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح ایک ایک بار ان کے نزدیک اقامت کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہیں اور دعوی کرتے ہیں کہ اسلامی اذان واقامت وہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر اس وجہ سے لعن طعن کرتے ہیں اور اس ذات کریم کو گالیاں دیتے ہیں پہلی فصل میں اس مروجہ اسلامی اذان کا ثبوت دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات اللہ رسول قبول فرماوے۔

پہلی فصل ......موجودہ اذان واقامت کا ثبوت

حق یہ ہے کہ اذان اقامت کے کلمات دو دو ہیں نہ اذان میں ترجیع ہے نہ اقامت (تکبیر) کے کلمات ایک ایک پہلی تکبیر چار بار آخر میں کلمہ لا الہ الا اللہ ایک بار باقی تمام الفاظ دو دو دلائل حسب ذیل ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۶: ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان۔ بیہقی۔ دارقطنی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

انه قال كان الاذان على عهد رسول الله ﷺ مرتين مرتين والاقامة مرة مرة غير انه يقول قدقامت الصلوة الخ۔

ترجمہ: وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور تکبیر ایک ایک بار اس کے سواء کے تکبیر میں قد قامت الصلوٰۃ بھی کہتے تھے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۱۹۳ رقم الحدیث ۳۷۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۱ رقم الحدیث ۵۱۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۳۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (سنن النسائی باب تثنیۃ الاذان ج ۲ ص ۳ رقم الحدیث ۶۲۸ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۵۷۰ رقم الحدیث ۱۶۷۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی باب تثنیۃ قولہ قد قامت الصلوۃ وافراد ما قبلھا ج ۱ ص ۴۱۳ رقم الحدیث ۱۸۱۳ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مشکوۃ المصابیح باب الاذان الفصل الاول ص ۶۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس حدیث کے متعلق ابن جوزی جیسے ناقد فرماتے ہیں۔

هذا اسناد صحيح سعيد المقبرى وثقه ابن حبان وغيره۔

ترجمہ: یہ اسناد صحیح ہے۔ سعید المقبری کی ابن حبان نے توثیق کی۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری باب لاترجیع فی الاذان ج ۲ ص ۲۷۹ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان میں ترجیع نہیں ورنہ اذان کے کلمات دو دو نہ ہوتے شہادتیں چار چار بار ہوتیں اقامت کے ایک

بار ہونے کا جواب دوسری فصل میں عرض کیا جاوے گا۔

حدیث نمبر ۷:۔ طبرانی نے معجم اوسط ابومحذورہ موذن رسول اللہ ﷺ کے پوتے حضرت ابراہیم ابن اسماعیل ابن عبدالملک ابن ابی محذورہ سے روایت کی۔

قال سمعت جدی عبدالملک ابن ابی محذورۃ یقول انہ سمع اباہ محذورہ یقول القی علی رسول اللہ ﷺ الاذان حرفاً حرفاً اللہ اکبر اللہ اکبر الی اخرہ ولم یذکر فیہ ترجیعاً۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا عبدالملک ابن ابی محذورہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے اپنے والد ابومحذورہ کو فرماتے سنا کہ حضور انور ﷺ نے مجھے اذان کا ایک ایک لفظ بتایا اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک اس میں ترجیع کا ذکر نہ فرمایا۔

(جامع الرضوی صحیح البھاری باب لاترجیع فی الاذان ج ۲ ص ۷۹ طبع سن ۱۹۹۲ء)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں ترجیع کا حکم حضور ﷺ نے نہ دیا لہذا ترجیع سنت کے خلاف ہے۔

حدیث نمبر ۸'۹:۔ ابن ابی شیبہ ترمذی نے حضرت ابن ابی لیلیٰ تابعی سے کچھ اختلاف الفاظ سے روایت کی۔

قال کان عبداللہ ابن زید الانصاری موذن رسول اللہ ﷺ یشفع الاذان والاقامۃ۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن زید انصاری حضور ﷺ کے مؤذن اذان اور تکبیر دو دو بار کہتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۸۷ رقم الحدیث ۲۱۳۹ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الترمذی ج ا ص ۳۷۱ رقم الحدیث ۱۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے دو مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ اذان میں ترجیع نہیں دوسرے یہ کہ اقامت یعنی تکبیر کے کلمات دو دو بار کہے جاویں نہ ایک ایک بار۔

حدیث نمبر ۱۰:۔ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

انہ کان یقول الاذان مثنی مثنی والاقامۃ مثنی مثنی ومربرجل یقیم مرۃ مرۃ فقال اجعلھا مثنی مثنی لا ام لک۔

ترجمہ: آپ فرماتے تھے کہ اذان بھی دو دو بار ہے تکبیر بھی دو دو بار اور آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ایک شخص پر گزرے جو اقامت ایک ایک بار کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اسے دو دو بار کر تیری ماں نہ رہے۔

(جامع الرضوی صحیح البھاری باب الاقامۃ مثل الاذان مثنی مثنی ج ۲ ص ۸۱ طبع سن ۱۹۹۲ء)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۱۸۷ رقم الحدیث ۲۱۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۱:۔ ابوداؤد شریف نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث بیان فرمائی جس میں عبداللہ ابن زید انصاری کی خواب کا واقعہ مذکور ہے جو انہوں نے اذان کے متعلق دیکھی تھی انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ میں نے فرشتے کو خواب میں دیکھا جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے **اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ الخ** کہا پھر کچھ ٹھہرے کر آذان کی طرح تکبیر بھی کہی الخ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

قال فقال رسول اللہ ﷺ لقنھا بلالاً فاذن بھا۔

ترجمہ: اذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر تلقین کرو پس حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان انہی کلمات سے دی۔

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۴۰ رقم الحدیث ۵۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نہ تو خواب والے فرشتے نے آذان میں ترجیع کی تعلیم دی نہ اسلام کی پہلی اذان میں ترجیع بھی۔ جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی موجودگی میں عبداللہ ابن زید کی تعلیم سے کہی یہ بھی معلوم ہوا کہ اقامت بھی آذان کی طرح دو دوبار ہے۔ لیکن اس میں قد قامت الصلوۃ بھی ہے۔

حدیث نمبر ۱۲'۱۳:۔ بن ابی شیبہ اور بیہقی نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی۔

قال حدثنا اصحاب محمد ﷺ ان عبداللہ ابن زید الانصاری جاء الی النبی ﷺ فقال یارسول اللہ ﷺ رایت فی المنام کان رجلا قام و علیہ بردان اخضران فقام علی حائط فاذن مثنی مثنی واقام مثنی مثنی۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور ﷺ کے بہت صحابہ نے خبر دی کہ عبداللہ ابن زید انصاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا جیسے ایک مرد کھڑا ہوا اس پر دو سبز کپڑے ہیں۔ پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان بھی دو دو بار دی تکبیر بھی دو دو بار کہی۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی باب ماروی فی تثنیۃ الاذان والاقامۃ ج ۱ ص ۴۲۰ رقم الحدیث ۱۸۲۹ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خیال رہے کہ اذان کی تعلیم رب تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خواب میں فرشتہ کے ذریعہ دی اس خواب میں نہ تو اذان میں ترجیع ہے نہ اقامت ایک ایک بار معلوم ہوا کہ حنفی اذان و تکبیر وہ ہے جس کی رب نے تعلیم دی۔

حدیث نمبر ۱۴'۱۶:۔ دارقطنی، عبدالرزاق، طحاوی شریف نے حضرت اسود ابن یزید سے روایت کی۔

ان بلالاً کان یثنی الاذان ویثنی الاقامۃ و کان یبداء بالتکبیر ویختم بالتکبیر۔

ترجمہ: بے شک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان بھی دو دو بار کہتے تھے اور اقامت بھی دو دو بار ان دونوں کو تکبیر سے ہی شروع کرتے تھے تکبیر پر ہی ختم کرتے تھے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۱ ص ۴۶۲ رقم الحدیث ۱۷۹۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۷:۔ طبرانی نے اپنی کتاب مسند الشامیین میں حضرت جنادہ ابن ابی امیہ سے روایت کی۔

عن بلال انہ کان یجعل الاذان والاقامۃ سواء مثنی مثنی۔

ترجمہ: وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آذان واقامت دونوں برابر کہتے تھے یعنی دو دو بار۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری باب الاقامۃ مثل الاذان مثنی مثنی ج ۲ ص ۲۸۲ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

حدیث نمبر ۱۸:۔ دارقطنی نے حضرت ابو جحیفہ سے روایت کی۔

ان بلالاً کان یوذن للنبی ﷺ مثنی مثنی ویقیم مثنی مثنی۔

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کے سامنے اذان دو دو بار کہتے تھے اور اقامت دو دو بار۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۲۴۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حدیث نمبر ۱۹:۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن ابراہیم سے روایت کی۔

قال کان ثوبان یوذن مثنی مثنی۔

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اذان دو دو بار بلکہ تھے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حدیث نمبر ۲۰:۔ طحاوی نے حضرت عبید مولیٰ سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان سلمۃ ابن الاکوع کان یثنی الاذان و الاقامۃ۔

ترجمہ: حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ اذان و اقامت دو دو بار کہتے تھے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ہم نے یہ بیس حدیثیں بطور نمونہ پیش کیں ورنہ اس کے متعلق بہت زیادہ احادیث ہیں اگر تفصیل دیکھنی ہو تو صحیح البہاری طحاوی شریف وغیرہ کا مطالعہ فرماؤ، ان احادیث سے حسب ذیل چیزیں معلوم ہوئیں۔

(۱) عبداللہ ابن زید ابن عبداللہ ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی خواب جو اسلامی اذان کی اصل ہے اس میں نہ تو ترجیع کا ذکر ہے نہ اقامت ایک ایک بار کا بلکہ وہ ہی اذان و تکبیر مذکور ہے جو عام طور پر رائج ہے۔

(۲) فرشتے نے جو اذان کی تعلیم دی اس میں ترجیع بھی نہیں اور اقامت ایک ایک بار بھی نہیں وہ ہی ہماری اذان ہے۔

(۳) حضور علیہ السلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ وغیرہم ہمیشہ وہ ہی اذان و اقامت دیتے تھے جو عام مسلمانوں میں مروج ہے یعنی حنفی اذان و اقامت۔

(۴) جلیل القدر صحابہ و تابعین جیسے حضرت علی عبداللہ ابن عمر سلمہ ابن اکوع عبداللہ ابن زید ابراہیم نخعی حضرت عبید ابو حجیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہم یہ ہی اذان کہتے اور کہلواتے تھے جو مروجہ ہے ترجیع یا اقامت ایک ایک بار کے قائل نہ تھے۔

(۵) حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ایک ایک اقامت کہنے والے پر ناراض ہوتے تھے دو دو بار کہلواتے تھے اگر ترجیع یا اقامت ایک بار سنت ہوتی تو یہ حضرات جو مزاج شناس رسول سنت کے متبع بدعت سے متنفر تھے انہوں نے اس کو کیوں ترک کیا اور کرنے والوں کو کیوں روکا اور پر کیوں ملامت کی۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اذان کی شہادتوں میں ترجیع نہ ہو کیونکہ اذان میں اصل چیز صلوۃ اور فلاح ہے کہ اذان نماز ہی کے ارکان و دعوت کے لئے ہے باقی کلمات تکبیر و شہادت وغیرہ برکت یا تمہید یا نماز کی ترغیب کے لئے ہیں جب صلوۃ اور فلاح میں تکرار اور ترجیع نہیں جو اصل اذان ہے تو ان کلمات میں بھی ترجیع نہ ہونی چاہیے۔ جو اس کے تابع ہیں۔

دوسرے یہ کہ اذان کا مقصد ہے نماز کی عام اطلاع اس لئے اذان بلند مقام پر اونچی آواز سے کہنی چاہیے کانوں میں انگلیاں لگائی جاویں تا کہ آواز خوب اونچی نکلے اب ان دونوں شہادتوں کو اولاً آہستہ آہستہ کہنا مقصد اذان کے بالکل خلاف ہے۔ اس کا ہر کلمہ بلند آواز سے چاہیے دیکھو آذان کے اول میں تکبیر چار دفعہ کہی جاتی ہے۔ مگر چاروں بار خوب اونچی آواز سے اگر شہادتیں بھی چار دفعہ ہوتیں تو چاروں بار اونچی آواز سے ہوتیں۔

تیسرے یہ کہ اقامت اذان ہی کی طرح ہے حتی کہ اسے بعض احادیث میں اذان فرمایا گیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا بین کل اذانین صلوۃ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی آذان و اقامت کے درمیان ہاں فرق صرف قد قامت الصلوۃ کا ہے کہ اقامت میں ہے اذان میں نہیں تو چاہیے کہ اقامت کے الفاظ بھی اذان کی طرح دو دو بار رہوں۔ چوتھے یہ کہ اذان میں بعض الفاظ مکرر آئے ہیں کہ اول میں بھی آخر میں بھی جیسے تکبیر اور کلمہ اور بعض الفاظ غیر مکرر ہیں کہ صرف ایک جگہ آئی جیسے صلوۃ فلاح جو الفاظ مکرر ہیں وہ پہلی بار دو گنے ہیں دوسری بار اس کے نصف تکبیر پہلی بار چار دفعہ ہے اور پچھلی بار دو دفعہ شہادت توحید پہلی بار دو دفعہ ہے تو آخر بار ایک دفعہ تو چاہیے کہ تکبیر میں بھی ایسا ہی ہو۔ لہذا حنفی اذان و اقامت جو آج عام مسلمانوں میں رائج ہے۔ بالکل صحیح اور سنت کے مطابق ہے۔ اس پر طعن کرنا جہالت و حماقت ہے۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر سوالات مع جوابات

حنفی اذان و اقامت پر غیر مقلد وہابی اب تک جو اعتراضات کر سکے ہیں اور جن کی اطلاع ہم کو پہنچی ہے وہ تمام مع جوابات عرض کرتے

ہیں، اگر آئندہ اور نئے اعتراضات ہمارے علم میں آئے تو انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے جوابات بھی عرض کردیئے جائیں گے۔

اعتراض نمبر ۱:۔ مسلم شریف نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوری اذان کی حدیث نقل کی، کہ حضور ﷺ نے انہیں بنفس نفیس اذان کی تلقین فرمائی اس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

ثم تعود فنقول اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله۔

ترجمہ: دونوں شہادتوں کے بعد پھر بولو اور کہو اشہد ان لا الہ اللہ الخ۔

اشهد ان محمد رسول الله۔

اشهد ان محمد رسول الله۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ رقم الحدیث ۳۷۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور انور ﷺ نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کی شہادتیں میں ترجیع سکھائی لہذا اذان میں ترجیع سنت ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایات سخت متعارض ہیں اس حدیث میں تو وہ ترجیع کا ذکر فرماتے ہیں اور ان ہی کی جو روایت ہم پہلی فصل میں بحوالہ طبرانی پیش کر چکے ہیں اس میں ترجیع کا ذکر بالکل نہیں طحاوی شریف نے انہیں ابی محذورہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث نقل کی اس میں اول اذان میں بجائے چار کے دوبار تکبیر کا ذکر ہے۔لہذا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت تعارض کی وجہ سے ناقابل عمل ہے جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی یہ ترجیع والی حدیث تمام ان مشہور حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں پیش کر چکے ہیں جن میں ترجیع کا ذکر نہیں۔لہذا احادیث مشہورہ قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث واحد۔

تیسرے یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں کبھی اذان میں ترجیع نہ فرمائی لہذا ان کا عمل زیادہ قابل قبول ہے۔

چوتھے یہ کہ اس حدیث میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے ترک کر دیا۔ان کا عمل ترجیع پر نہ تھا بلکہ ترجیع کے خلاف تھا۔لہذا وہ ہی زیادہ قوی ہے۔

پانچویں یہ کہ یہ حدیث ابومحذورہ رضی اللہ عنہ قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے مطابق لہذا وہ احادیث قابل عمل ہیں نہ کہ یہ حدیث جیسا کہ تعارض کا حکم ہے۔

چھٹے وہ جواب ہے جو عنایہ شرح ہدایہ نے دیا کہ سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو زمانہ کفر میں توحید و رسالت سے سخت نفرت تھی اور حضور علیہ السلام کی بہت مخالفت جب یہ اسلام لائے اور حضور علیہ السلام نے انہیں اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے شرم کی وجہ سے **اشهد ان لا اله الا الله** اور **اشهد ان محمد رسول الله** آہستہ آہستہ کہا۔بلند آواز سے نہ کیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں دوبارہ بلند آواز سے یہ کلمات ادا کرنے کا حکم دیا یہ دوبارہ کہلوانا اس وقت تھا۔تعلیم کے لئے اور شرم دور کرنے کے لئے لہذا یہ حکم عارضی ہے۔جیسے اگر آج کوئی شخص آہستہ آہستہ اذان کہہ دے۔تو دوبارہ بلند آواز سے کہلواتی جاتی ہے۔اس صورت میں ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہماری پہلی فصل کی حدیثوں کے خلاف نہیں۔

ساتویں وہ جواب ہے جو فتح القدیر نے دیا کہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے یہ دونوں شہادتیں بغیر مد کے کہدی تھیں اس لئے دو بار مد کے ساتھ کہلوائیں۔ بہر حال یہ ترجیع ایک خصوصی واقعہ تھا۔ نہ کہ سنت اسلام۔

اعتراض نمبر ۲:۔ ابوداؤد، نسائی اور دارمی نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان النبی ﷺ علمه الاذان تسع عشرة کلمة والاقامة سبع عشرة کلمة۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ نے انہیں اذان ۱۹ کلمے اور تکبیر ۱۷ کلمے سکھائے۔

(سنن الدارقطنی کتاب الصلوۃ ج اص ۲۳۷ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے کلمے انیس ہیں یہ ترجیع سے ہی بنتے ہیں اگر اذان میں ترجیع نہ ہو، تو کل پندرہ کلمے ہیں۔ لہذا ترجیع اذان میں چاہیے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اگر اس حدیث سے اذان کی ترجیع ثابت ہوتی ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اقامت کے کلمات دو دو بار ہیں۔ اگر تمہاری طرح ایک ایک بار کلمات ہوتے تو اس کے کلمات بجائے سترہ کے تیرہ ہوتے کیا آدھی حدیث پر ایمان لاتے ہو آدھی کے انکاری ہو۔

ترجیع اذان کے تمام وہ جوابات ہیں جو اعتراض نمبر ا کے ماتحت گزر گئے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کو ترجیع ایک خاص وجہ سے تعلیم دی تھی۔ وغیرہ۔

اعتراض نمبر ۳:۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال ذکروا النار والناقوس فنکروا الیهود و النصاری فامر بلال ان یشفع الاذان ویوتر الاقامة۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ صحابہ نے اعلان نماز کے لئے آگ اور ناقوس کی تجویز کی تو یہود و عیسائیوں کا ذکر بھی کیا کہ وہ بھی ان چیزوں سے اعلان عبادت کرتے ہیں تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان دو دو بار کہیں اور اقامت ایک ایک بار۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب بدء الاذان ج اص ۲۸۵ رقم الحدیث ۳۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان ج اص ۲۱۹ رقم الحدیث ۵۷۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار کہے جاویں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ اقامت کے سارے کلمات ایک ایک بار ہوں مگر تم کہتے ہو کہ اقامت میں اولاً تکبیر چار بار ہو قد قامت الصلوۃ دو بار ہو پھر تکبیر دو بار ہو لہذا جو جواب تمہارا ہے وہ ہی ہمارا۔ اگر کہو کہ دوسری حدیثوں میں قد قامت الصلوٰۃ کو دو بار کہنے کا حکم ہے تو حنفی کہینگے کہ دوسری احادیث میں یہ بھی ہے کہ اقامت کے تمامی کلمات دو بار کہے جاویں وہ احادیث قابل عمل کیوں نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی خواب کا بالکل ذکر نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ جب صحابہ نے آگ یا ناقوس کے ذریعہ اعلان نماز کا مشورہ کیا اور بعض صحابہ نے فرمایا کہ اس میں یہود و نصاریٰ سے مشابہت ہے۔ اسلامی اعلان ان کے خلاف چاہیے تو فوراً ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان واقامت کا حکم دیا گیا تو اس اذان واقامت سے موجودہ مروجہ شرعی اذان مراد نہیں بلکہ لغوی اذان یعنی اعلان نماز مراد ہے جو محلہ میں جا کر کیا جاوے اور اقامت سے مراد بوقت جماعت مسجد والوں کو جمع کرنے کے لئے کیا جاوے کہ آجاؤ جماعت کھڑی ہو رہی ہے۔ چونکہ یہ اعلام ایک ہی بار کافی تھا۔ اس لئے ایک بار کا ذکر ہوا پھر اس کے بعد عبداللہ

ابن زید رضی اللہ عنہ کی خواب کا واقعہ پیش آیا جس سے مروجہ اذان واقامت قائم کی گئی وہ اعلانات چھوڑ دیئے گئے تیسرے یہ کہ حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ کی خواب میں فرشتے نے جو اقامت کی تعلیم دی اس میں الفاظ واقامت دو دو بار ہیں۔ اور وہ خواب ہی اذان واقامت کی اصل ہے۔ لہذا وہ ہی روایت قابل عمل ہے۔ دوسری روایات جو اس کے خلاف ہیں واجب التاویل ہیں یا نا قابل عمل۔ خیال رہے کہ یہ خواب صرف حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نہیں بلکہ اس کے علاوہ سات صحابہ نے یہ ہی خواب دیکھا۔ گویا یہ حدیث متواتر کے حکم میں ہوگئی۔

چوتھے یہ کہ روایات کا اسی پر اتفاق ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما نے اذان میں ترجیع اپنے آخر دم تک نہ کی۔ دیکھو مرقاۃ شرح مشکوۃ نیز ان بزرگوں کی اقامت میں اقامت کے کلمات دو دو ہی رہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے مشہور مؤذن حضرت ابن ام مکتوم اپنی ساری عمر نہ تو اذان میں ترجیع کریں نہ تکبیر کے کلمات ایک ایک بار کہیں حالانکہ انہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ حکم دیا ہو۔ لہذا ترجیع وغیرہ کی ساری روایتیں واجب التاویل ہیں۔ پانچویں یہ کہ یہ روایات قیاس شرعی کے مخالف ہیں اور ہماری پیش کردہ احادیث قیاس کے موافق لہذا انہیں کو ترجیح ہوگی۔ جب احادیث میں تعارض ہو تو قیاس سے ترجیح ہوتی ہے۔ دیکھو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الوضو مما مسته النار آگ کی پکی چیز استعمال کرنے سے وضو واجب ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۹ رقم الحدیث ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت) دوسری روایت میں آیا کہ حضور علیہ السلام نے گوشت کھا کر نماز پڑھی وضو نہ فرمایا ان احادیث میں تعارض ہوا، تو قیاس کی وجہ سے دوسری حدیث کو ترجیح ہوئی اب کوئی نہیں کہتا کہ کھانا کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یہ کلی قانون ہے۔

☆............☆

اکیسواں باب

متنفل کے پیچھے فرض نماز

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز ادا نہیں ہوتی ہاں فرض والے کے پیچھے نفل نماز ہو جاتی ہے فرض نماز میں یہ بھی ضروری ہے کہ امام بھی فرض پڑھ رہا ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ امام و مقتدی دونوں ایک ہی نماز پڑھیں ظہر والا عصر والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ فرض نماز نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔

نوٹ ضروری:۔ بالغ مسلمان کی کوئی نماز نابالغ بچے کے پیچھے جائز نہیں، نہ فرض نہ تراویح نہ نفل کیونکہ بچے پر نماز فرض نہیں محض نفل ہے اور بچے کی نفل شروع کرنے کے بعد بھی نفل ہی رہتی ہے۔ اگر بچہ نفل شروع کر کے توڑ دے تو اس پر اسی کی قضاء ضروری نہیں۔ لیکن بالغ کی نفل شروع ہو کر ضروری ہو جاتی ہے۔ کہ اگر توڑ دے تو قضاء لازمی ہے اس لئے بالغ کوئی نماز بچہ کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک یہ سب کچھ جائز ہے۔ اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں۔ پہلی فصل میں اس مسئلہ کا ثبوت، دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات۔

پہلی فصل...... متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز ناجائز ہے

فرض نماز نفل والے کے پیچھے ادا نہیں ہو سکتی اس پر بہت سی احادیث شریفہ اور قیاس شرعی شاہد ہیں جن میں کچھ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ا تا ٤:۔ ترمذی، احمد، ابوداؤد (شافعی) مشکوۃ نے باب الاذان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والموذن موتمن اللھم ارشد الائمة و اغفر للموذنین۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے امام ضامن ہے اور مؤذن امین ہے۔ اے اللہ اماموں کو ہدایت دے اور موذنوں کو بخش دے۔

(سنن ابوداؤد باب ما یجب علی الموذن من تعاھد الوقت ج ا ص ۱۴۳ رقم الحدیث ۵۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ا ص ۴۷۷ رقم الحدیث ۱۸۳۸ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الترمذی ج ا ص ۴۰۲ رقم الحدیث ۲۰۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۲ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (مشکوۃ المصابیح باب فضل الاذان الفصل الثانی ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مسند الشافعی ص ۵۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۳۱۶ رقم الحدیث ۲۴۰۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (مسند حمیدی ج ۲ ص ۴۳۸ رقم الحدیث ۹۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الام للشافعی ج ا ص ۱۵۹ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام سارے مقتدیوں کی نمازوں کو اپنی نماز کے ضمن میں لئے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ شئے ادنیٰ کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے نہ کہ ادنیٰ شئے اعلیٰ کو فرض نفل کو اپنے اندر لے سکتا ہے کہ نفل سے اعلیٰ ہے نفل فرض کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ فرض سے ادنیٰ ہے ایسے ہی ہر فرض نماز اپنے مثل فرض کو اپنے ضمن میں لے سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے فرض کو لہذا اگر امام نماز عصر پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے ظہر کی قضاء نہیں پڑھی جا سکتی کہ نماز عصر نماز ظہر کو اپنے ضمن میں نہیں لے سکتی کہ یہ دونوں نمازیں علیحدہ ہیں۔

حدیث نمبر ۵:۔ امام احمد نے حضرت سلیم سلمی سے روایت کی۔

انہ اتی النبی ﷺ فقال یا رسول اللہ ﷺ ان معاذ ابن جبل یاتینا بعد ما ننام ونکون فی اعمالنا بالنھار فینادی بالصلوۃ فنخرج الیہ فیطول علینا فقال لہ علیہ السلام یا معاذ لا تکن فتانا امام ان تصلی معی واما ان تخفف علی قومك۔

ترجمہ: حضرت سلیم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہمارے پاس ہمارے سو جانے کے بعد آتے ہیں۔ ہم لوگ دن میں اپنے کاروبار میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر نماز کی اذان دیتے ہیں۔ ہم نکل کر ان کے پاس آتے ہیں وہ نماز بہت دراز پڑھاتے ہیں تو ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذ رضی اللہ عنہ فتنہ کا باعث نہ بنو یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا اپنی قوم کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۷۴ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

خیال رہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نماز عشاء حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑھ کر اپنی قوم میں پہنچ کر انہیں پڑھاتے اور دراز پڑھاتے تھے جس کی شکایت بارگاہ نبوی میں ہوئی۔ جس کا واقعہ یہاں ذکر ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت نہ دی کہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنی قوم کو پڑھائیں۔ کیونکہ نفل والے کے پیچھے فرض جائز نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ یا میرے پیچھے پڑھو، تو قوم کو نہ پڑھاؤ۔ یا قوم کو پڑھاؤ تو میرے پیچھے نہ پڑھو۔

حدیث نمبر ٦:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حماد سے انہوں نے حضرت ابراہیم نخعی سے روایت کی۔

قال اذا دخلت فی صلوۃ القوم وانت لا تنوی صلوتھم لاتجزك وان صلی الامام صلوته و نوی الذی خلفه غیرھا اجزات الامام ولم تجزھم رواہ الامام محمد فی الاثار۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جب تم قوم کی نماز میں شامل ہوا اور تم ان کی نماز کی نیت نہ کرو۔ تو تمہیں یہ نماز کافی نہیں اور اگر امام ایک نماز پڑھے اور پیچھے والا مقتدی دوسری نماز کی نیت کرے تو امام کی نماز ہو جائے گی اور پیچھے والے کی نہ ہوگی۔

(جامع الرضوی صحیح البخاری ابواب من لاتجوز الصلاۃ خلفہ ج ۲ ص ۶۵ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

اس سے معلوم ہوا کہ علماء ملت کا بھی یہی مسلک ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز نہیں پڑھی جاسکتی۔ ایسے ہی ایک فرض کے پیچھے دوسرا فرض ادا نہیں ہوسکتا۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا نہ ہو کیونکہ امام پیشوا ہے مقتدی اس کا تابعدار امام کی نماز اصل ہے مقتدی کی نماز اس پر متفرع اس لئے امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن مقتدی کے سہو سے نہ امام پر سجدہ سہو واجب نہ خود اس مقتدی پر امام کی قرات مقتدی کے لئے کافی ہے۔ مگر مقتدی کی قرات امام کے لئے کافی نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک تو مطلقاً وہابیوں کے نزدیک سورہ فاتحہ کے سوا میں اگر امام بے وضو نماز پڑھاوے تو مقتدی کی نماز بھی نہ ہوگی لیکن اگر مقتدی بے وضو نماز پڑھ لے تو امام کی نماز درست ہوگی۔ امام سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو مقتدی پر سجدہ تلاوت واجب ہے مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہے مقتدی سنے یا نہ سنے۔ لیکن اگر مقتدی امام کے پیچھے سجدہ کی آیت تلاوت کرے تو نہ امام پر سجدہ تلاوت واجب ہو نہ خود اس مقتدی پر۔ اگر امام مقیم ہو اور مقتدی مسافر تو مقتدی کو پوری نماز پڑھنی پڑے گا۔ لیکن اگر امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم تو امام پوری نماز نہ پڑھے گا۔ بلکہ قصر کرے گا۔ اس قسم کے بہت مسائل ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مقتدی اور اس کی نماز تابع ہے امام اور امام کی نماز اصل و متبوع ہے متبوع تابع سے یا تو برابر ہو یا اعلیٰ اور نفل نماز فرض نماز سے درجہ کم ہے۔ تو چاہئے کہ نفل کے پیچھے فرض ادا نہ ہوں تاکہ اعلیٰ و افضل ادنی کے تابع نہ ہو جاوے اسی طرح ایک فرض دوسرے فرض کے پیچھے نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ایک نوع دوسرے نوع کے تابع نہیں ہوسکتی۔ جب نماز عید پڑھانے والے امام کے پیچھے نماز فجر نہیں ہوسکتی مغرب

پڑھانے والے کے پیچھے وتر نہیں ہو سکتے تو ظہر والے کے پیچھے عشاء کی قضاء بھی نہیں ہو سکتی غرضکہ ضروری یہ ہے کہ یا تو امام و مقتدی کی نماز ایک ہو یا مقتدی کی نماز امام کی نماز سے ادنیٰ ہو کہ امام فرض پڑھ رہا ہو۔

دوسری فصل......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

ہم اس پر غیر مقلد وہابیوں کی وکالت میں ان کی طرف سے وہ اعتراضات بھی عرض کئے دیتے ہیں جو وہ کیا کرتے ہیں اور وہ بھی جواب تک ان کو سوجھے بھی نہ ہوں گے اور ان تمام کے جوابات دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر۱:۔ عام محدثین نے حدیث روایت کی کہ معراج کی رات نماز پنجگانہ فرض ہوئیں اس کے بعد دو دن حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور کو پانچوں نمازیں پڑھائیں پہلے دن ہر نماز اول وقت میں دوسرے دن آخر وقت میں اور پھر عرض کیا کہ حضور ﷺ ان وقتوں کے درمیان ان نمازوں کے اوقات ہیں۔ دیکھو حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں اور حضرت جبریل علیہ السلام کے لئے نفل کیونکہ نماز پنجگانہ فرشتوں پر فرض نہیں مگر اس کے باوجود جبریل علیہ السلام امام ہیں اور حضور ﷺ مقتدی معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض نماز درست ہے بلکہ اسلام میں پہلی نماز ایسی ہی ہوئی۔ یعنی نفل کے پیچھے فرض اور یہ فعل سنت نبوی بھی ہے اور سنت جبریلی بھی۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ بتاؤ جبریل علیہ السلام یہ نمازیں پڑھانے رب کے حکم سے آئے تھے یا خود اپنی طرف سے آگئے بغیر حکم الٰہی۔ دوسری بات تو باطل ہے کیونکہ حضرت جبریل علیہ السلام بغیر حکم الٰہی کبھی نہیں آتے رب فرماتا ہے۔

وما نتنزل الا بامر ربك۔

ترجمہ: ہم رب کے حکم کے بغیر نہیں اترتے۔

(پارہ۱۶سورہ۱۹آیت نمبر۶۴)

لہذا ماننا پڑے گا کہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے جب حضرت جبریل علیہ السلام کو رب نے ان نمازوں کا حکم دیا تو ان پر فرض ہو گئیں۔ رب کا حکم ہی فرض بنانے والی چیز ہے۔ لہذا ان نمازوں میں نفل کے پیچھے فرض نہ پڑھے گئے۔

دوسرے یہ کہ ان دو دنوں میں نہ حضور ﷺ پر یہ نمازیں فرض تھیں نہ صحابہ پر کیونکہ اگرچہ معراج کی رات نمازیں فرض کر دی گئیں۔ لیکن ابھی ان کا طریقہ ادا اور وقت کی تعلیم نہ دی گئی قانون تشریح سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے نہ تو حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے یہ نمازیں پڑھیں نہ ان دونوں کی نمازیں قضا کیں لہذا حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کے پیچھے نفل پڑھے الحمدللہ کہ تمہارا اعتراض جڑ سے اکھڑ گیا۔

اعتراض نمبر ۲:۔ مسلم و بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال كان معاذ ابن جبل يصلي مع النبي ﷺ ثم ياتي قومه فيصلي بهم۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم باب القراءۃ العشاء ج ا ص ۳۴۰ رقم الحدیث ۴۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح البخاری کتاب الاذان باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ فخرج فصلی ج ا ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۶۶۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

دیکھو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ عشاء کے فرض حضور ﷺ کے پیچھے پڑھ لیتے تھے پھر اپنی قوم میں آ کر پڑھاتے تھے آپ کی نماز نفل تھی اور سارے مقتدیوں کی نماز فرض۔ معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض پڑھنا سنت صحابہ ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے پیچھے نفل پڑھتے ہوں اور قوم کے ساتھ فرض ادا کرتے ہوں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میں حضور ﷺ کے پیچھے فرض پڑھ لیا کرتا ہوں اور مقتدیوں کے آگے نفل کی نیت کرتا ہوں لہذا آپ کے لئے یہ حدیث بالکل بے فائدہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں آیا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ کام حضور ﷺ کی اجازت سے کیا کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی ہو کہ فرض میرے پیچھے پڑھ لیا کرو اور نفل مقتدیوں کے ساتھ یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا جو کہ واقعہ میں درست نہ تھا بارہا صحابہ کرام سے اجتہادی غلطی ہوئی۔

تیسرے یہ کہ ہم پہلی فصل میں حدیث پیش کر چکے ہیں کہ جب حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی اطلاع دی گئی تو حضور ﷺ نے انہیں اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ یا تو میرے ساتھ نماز پڑھا کرو یا مقتدیوں کو ہلکی نماز پڑھایا کرو۔ معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد سنت نبوی کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل عمل ہے۔

اعتراض نمبر ۳:۔ بیہقی اور بخاری نے انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہی واقعہ روایت کی۔اس کے الفاظ یہ ہیں۔

قال کان معاذ یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم یرجع الی قومه فیصلی بهم العشاء وهی له نافلة۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ نماز عشاء پڑھ لیتے تھے۔پھر اپنی قوم کی طرف لوٹتے تھے تو انہیں عشاء پڑھاتے تھے یہ نماز ان کی نفل ہوتی تھی۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اذا اطول الامام وکان للرجل حاجۃ فخرج فصلی ج ۱ ص ۲۴۸ رقم الحدیث ۶۶۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے ساتھ نفل نہ پڑھتے تھے بلکہ فرض ہی پڑھتے تھے اور مقتدیوں کے آگے نفل ادا کرتے تھے۔لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آپ حضور ﷺ کے پیچھے نفل اور مقتدیوں کے ساتھ فرض پڑھتے تھے۔

جواب:۔ آپ کی یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ نقل کر کے اپنے اندازے اور قیاس سے فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اس میں یہ نہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی نیت و ارادے کا پتہ دیا ہو دوسرے کی نیت کی متعلق اس سے بغیر پوچھے یقین سے نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس میں یہ ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے اجازت دی۔لہذا یہ حدیث کسی طرح آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

اعتراض نمبر ۴:۔ بخاری شریف نے حضرت عمرو ابن سلمہ سے ایک طویل حدیث روایت کی جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہماری قوم ایک گھاٹ پر رہتی تھی۔جہاں سے قافلے گزرا کرتے تھے میں حجازی قافلوں سے نبی کریم ﷺ کے حالات اور قرآنی آیات پوچھتا رہتا تھا فتح مکہ کے بعد میرے والد مدینہ منورہ حاضر ہو کر اپنی قوم کی طرف سے اسلام لائے وہاں سے نماز کے احکام معلوم کئے ان سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اذان کوئی دے دیا کرے مگر نماز وہ پڑھائے جسے زیادہ قرآن کریم یاد کو۔جب واپس ہوئے تو انہیں پتہ لگا کہ مجھے قرآن کریم سب سے زیادہ یاد تھا۔مجھے امام بنادیا۔اس وقت میری عمر چھ سات سال تھی میں قوم کو نماز پڑھاتا تھا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

و کانت علی بردۃ کنت اذا سجدت قلصت عنی فقالت امراء ۃ من الحی الا تغطون عنا است قارئکم فاشتروا فقطعولی قمیصاً۔

(مشکوۃ باب الامامۃ الفصل الثالث ص ۱۰۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی کہ جب میں سجدہ کرتا تو کھل جاتی تھی تو قبیلے کی ایک عورت نے کہا کہ اپنے قاری صاحب کے

چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو لوگوں نے میرے لئے کپڑا خرید کر قمیص سی دی۔

دیکھو عمرو ابن سلمہ صحابی ہیں اور تمام صحابہ ان کے پیچھے نماز فرض پڑھتے ہیں عمرابن سلمہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف چھ سال ہے ان پر کوئی نماز فرض نہیں بچے کی نفل بھی بہت ادنیٰ ہوتی ہے لیکن جوان بڈھے ان کے پیچھے فرض ادا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ نفل والے کے پیچھے فرض ادا ہو جاتے ہیں۔

جواب:۔ اس کے وہی جوابات ہیں جو اعتراض نمبر ۲ کے ماتحت گزر گئے کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے فرمانے سے چونکہ یہ حضرات تازہ اسلام لائے تھے۔ احکام شرعی کی خبر نہ تھی بے خبری میں ایسا کیا۔ اگر آپ اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہو تو یہ بھی مان لو کہ ننگے امام کے پیچھے بھی نماز جائز ہے کیونکہ عمرو ابن سلمہ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میرا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ سجدہ میں چادر ہٹ جاتی اور چوتڑ ننگے ہو جاتے تھے۔ اس کے باوجود یہ حضرات نمازیں پڑھتے رہے کسی نے نماز نہ لوٹائی کیوں مسائل شرعیہ سے بے خبری کی وجہ سے افسوس ہے کہ آپ حضرات آنکھ بند کر کے حدیث پڑھتے ہیں۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کے متعلق وہابیوں کے پاس صریح مرفوع حدیث موجود نہیں نہ حدیث قولی نہ فعلی یوں ہی چند شبہات کی بنا پر اس مسئلہ کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر محض عداوت سے تبرا کرتے ہیں اور ان کی جناب میں گستاخیاں گالی گلوچ کہتے ہیں۔



بائیسواں باب

خون اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے

شرعی مسئلہ یہ ہے کہ یہ آٹھ چیزیں وضو توڑ دیتی ہیں جو چیز پیشاب یا پاخانہ کی راہ سے نکلے غفلت کی نیند، غشی، نشہ، جنون، نماز میں ٹھٹھہ لگا کر ہنسنا، بہتا ہوا خون، منہ بھر کر قے ان کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔

مگر غیر مقلد وہابیوں کے نزدیک نہ تو بہتا ہوا خون وضو توڑے نہ منہ بھر کر قے۔ لہذا کوئی حنفی کسی غیر مقلد کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔ کیونکہ یہ لوگ بدعقیدہ بھی ہیں اور ان کے وضو کا بھی اعتبار نہیں کیا خبر کہ قے کر کے یا نکسیر وغیرہ کر کے آئیں اور بغیر وضو کے مصلے پر کھڑے ہو جائیں چونکہ غیر مقلد اس مسئلہ پر بھی بہت شور مچاتے ہیں اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس کا ثبوت اور دوسری فصل میں اس پر اعتراضات مع جوابات رب تعالیٰ قبول فرماوے۔

پہلی فصل...... قے اور بہتا ہوا خون بھی وضو توڑتا ہے

حنفیوں کے نزدیک منہ بھر کر قے اور جسم سے خون کا نکل کر ظاہر بدن پر بہہ کر پہنچ جانا وضو توڑ دیتا ہے، ظاہر بدن وہ ہے جس کا دھونا، غسل میں فرض ہے، دلائل ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱:۔ دارقطنی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول الله ﷺ الوضوء من كل دم سائل۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ وضو واجب ہے ہر بہتے ہوئے خون سے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۲۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

نمبر ۲:۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت قال رسول الله ﷺ من اصابه قيء اورعاف او قلس او مذى فلينصرف وليتوضاء۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے جس کسی کو قے یا نکسیر یا مذی آجاوے تو نماز سے علیحدہ ہو جاوے اور وضو کرے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نمبر ۳:۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ کی خدمت میں فاطمہ بنت ابی جیش رضی اللہ عنہا حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ مجھے استحاضہ کا خون اتنا ہے کہ میں کبھی پاک نہیں ہوتی کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا کہ یہ حیض کا خون نہیں ہے رگ کا خون ہے لہذا۔

اجتنبي الصلوة ايام محيضك ثم اغتسلي و توضي لكل صلوة و ان قطر الدام على الحصير۔

ترجمہ: حیض کے زمانہ میں نماز سے بچو۔ پھر غسل کر دو اور ہر نماز کے لئے وضو کرو پھر نماز پڑھو اگرچہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔

(سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی المستحاضة التی قد عدت ایام اقرائها قبل ان یستمر بها الدم ج ۱ ص ۲۰۴ رقم الحدیث ۶۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون وضو توڑ دیتا ہے ورنہ حضور علیہ السلام ان بی بی صاحبہ پر معذور کے احکام جاری نہ فرماتے اور ہر نماز کے وقت ان پر وضو لازم نہ فرماتے دیکھو جسے ریح یا قطرے کی بیماری ہو وہ۔ ہر نماز کے وقت ایک وضو کر کے نماز پڑھتا ہے کیونکہ ریح اور پیشاب وضو توڑنے والی چیز ہے۔

نمبر ٤:۔ ابن ماجہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

عن النبی ﷺ قال من قاء اورعف فی صلوته فلینصرف ولیتوضاء ولین علی صلوته مالم یتکلم۔

ترجمہ: آپ نبی ﷺ سے روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے وہ نماز سے علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ص ۳۸۵ رقم الحدیث ۱۲۲۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

نمبر ٥، ٦:۔ ترمذی وابوداؤد نے حضرت طلق ابن علی سے روایت کی۔

قال اعرابی یارسول اللہ الرجل منا یکون فی الفلاۃ فتکون منه رویحة ویکون فی الماء قلة فقال ﷺ اذا قاء احدکم فلیتوضاء۔ ملخصا۔

ترجمہ: ایک بدوی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص جنگل میں ہوتا ہے اس کی ریح نکل جاتی ہے اور پانی میں تنگی ہوتی ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی قے کرے تو وضو کرے (ملخصا)

(سنن الترمذی باب ماجاء فی الوضوء من القی ءوالرعاف ج ۱ص ۱۴۳ رقم الحدیث ۸۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

کذافی جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱ص ۲۴۳ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

نمبر ۷:۔ ترمذی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

ان رسول اللہ ﷺ قاء فتوضاء فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالك له فقال صدق انا صببت له وضوء ہ وحدیث حسین اصح شیئی فی ھذا الباب۔

ترجمہ: ایک بار نبی ﷺ کو قے آئے تو آپ نے وضو کیا پھر میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا تو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بیان کی کہ آپ نے فرمایا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سچ کہا پانی میں نے ہی ڈالا تھا یعنی میں نے ہی وضو کرایا تھا حسین کی یہ حدیث نہایت ہی صحیح ہے اس بارے میں۔

(سنن الترمذی باب ماجاء فی الوضوء من القی ءوالرعاف ج ۱ص ۱۴۴۔۱۴۵ رقم الحدیث ۸۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نمبر ۸:۔ طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

رفعه قال اذا رعف احدکم فی صلوته فلینصرف فلیغسل عنه الدم ثم لیعدوضوء ہ۔

ترجمہ: آپ مرفوع فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں نکسیر آجاوے تو علیحدہ ہوجاوے اور خون کو دھووے پھر وضو لوٹائے۔

(طبرانی کبیر ج ۱۱ص ۱۶۵ رقم الحدیث ۱۱۳۷۴ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

نمبر ۹:۔ دارقطنی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قاء احدکم اورعف وھو فی الصلوۃ او احدث فلینصرف ولیتوضاء۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب تم میں سے کسی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے یا اور کوئی حدث کرے تو علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے۔

(سنن الدارقطنی ج ۱ص ۱۵۷ رقم الحدیث ۳۰ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

نمبر ۱۰:۔ بن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال من رعف فی صلوۃ فلینصرف فلیتوضاء فان لم یتکلم بنی علی صلوته وان تکلم استانف۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ جسے نماز میں نکسیر آجاوے تو وہ علیحدہ ہوجاوے اور وضو کرے پھر اگر کلام نہ کیا ہو تو باقی نماز پوری کرے اور اگر کلام کرلیا ہو تو نئے سرے سے پڑھے۔

(سنن الدارقطنی ص ۱۵۷ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

نمبر ۱۱:۔ امام مالک نے حضرت یزید ابن قسط لیثی سے روایت کی۔

انه رای سعید ابن المسیب رعف وهو یصلی فاتی حجرة ام سلمة زوج النبی ﷺ فاتی الوضوء فتوضاء ثم رجع فبنی علی ما قد صلی۔

ترجمہ: انہوں نے حضرت سعید ابن مسیب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ انہیں نماز میں نکسیر آ گئی تو آپ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں آئے تو انہیں کچھ پانی دیا گیا انہوں نے وضو کیا پھر واپس ہوئے اور بقیہ نماز پوری کی۔

(موطا امام مالک باب العمل فیمن غلبه الدم من جرح او رعاف ج ۱ ص ۴۰ رقم الحدیث ۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نمبر ۱۲:۔ بوداؤد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

قالت قال النبی ﷺ اذا احدث احدکم فی صلوته فلیا خذ بانفه ثم لینصرف۔

ترجمہ: فرماتی ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب نماز میں کسی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وہ اپنی ناک پکڑے پھر چلا جاوے۔

(جامع الرضوی صحیح البہاری ابواب نواقض الوضوء باب الوضوء من الرعاف ج ۲ ص ۸۴ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

اس حدیث میں حضور ﷺ نے نمازی کو تدبیر یہ بتائی کہ اگر نماز میں کسی کی ریح نکل جاوے تو اپنے عیب کو چھپانے کے لئے ناک پر ہاتھ رکھ لے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی نکسیر پھوٹ گئی پھر مسجد سے نکل کر وضو کی جگہ جا کر وضو کر لے، اگر نکسیر سے وضو نہ ٹوٹتا تو یہ تدبیر بے فائدہ ہوتی ہم نے بطور نمونہ بارہ حدیثیں پیش کر دیں ورنہ اس کے متعلق بہت احادیث موجود ہیں اگر شوق ہو تو صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماؤ۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ بہتا خون اور منہ بھر قے وضو توڑ دے کیونکہ وضو طہارت اور پاکی ہے ناپاکی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا چاہئے اسی لئے پیشاب پاخانہ اور ریح سے وضو جاتا رہتا ہے بہتا خون، منہ بھر قے ناپاک ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **او دما مسفوحا** (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۴۵) اسی لئے بہتے خون والا جانور ذبح سے حلال ہوتا ہے۔ تاکہ ناپاک خون اللہ کے نام پر نکل جاوے۔ تو جیسے پیشاب پاخانہ اور ریح نکلنے پر وضو ٹوٹ جاتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ ناپاک چیز نکلی ایسے ہی بہتا ہوا خون اور قے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جانا چاہئے کیونکہ یہ بھی نجس ہے جو جسم سے نکلا نیز استحاضہ اور بواسیر کے خون سے اور مرد کی پیشاب کی جگہ سے خون نکلنے سے بالاتفاق وضو ٹوٹ جاتا ہے، استحاضہ کے خون کے متعلق تو حدیث مرفوع بھی وارد ہے۔ جیسا کہ ہم اس فصل میں عرض کر چکے ہیں جب یہ تین قسم کے خون وضو توڑ دیتے ہیں تو لامحالہ دوسری جگہ سے خون نکل کر بھی وضو توڑے گا۔

دوسری فصل ...... اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلد وہابیوں کے پاس اس مسئلہ پر کوئی قوی دلیل نہیں صرف کچھ شبہات اور وہمیات ہیں مگر تکمیل بحث کے لئے ہم ان کے جوابات بھی دیئے دیتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:۔ احمد و ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ لا وضوء الا من صوت اوریح۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ نہیں ہے وضو مگر آواز سے یا آہستہ ریح سے۔

(سنن الترمذی باب ما جاء فی الوضوء من الریح ج ۱ ص ۱۰۹ رقم الحدیث ۷۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ وضو صرف ریح سے ٹوٹتا ہے خون قے اس کے علاوہ ہے لہذا اس سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہئے الا حصر کے لئے ہے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ تم بھی کہتے ہو کہ پیشاب، پاخانہ، بلکہ عورت یا شرمگاہ کو چھونے سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور الا کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے ریح کے کسی چیز سے وضو نہ جاوے تو جو تمہارا جواب ہے

وہ ہی ہمارا جواب ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو ریح نکلنے کا شبہ ہو تو بغیر آواز یا بدبو یا یقینی احساس ہوئے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مسلم شریف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اذا وجد احدکم فی بطنہ شیئاً فاشکل علیہ اخرج منہ شیئی ام لا فلا یخرجن من المسجد حتی یسمع صوتا او یجد ریحا۔

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ میں کچھ حرکت پائے اس لئے اسے شبہ ہو جاوے کہ کچھ ہوا نکلی یا نہیں تو مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔

(صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب الدلیل علی ان من تیقن الطھارۃ ثم شک فی الحدث فلہ ان یصلی بطھارتہ تلک ج ا ص ۲۷۶ رقم الحدیث ۳۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جسے ریح نکلنے کا شبہ ہو حدیث کا منشا کچھ اور ہے اور آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲:۔ حاکم نے حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

انہ کان فی غزوۃ ذات الرقاع فرمی رجل منہ فترفہ الدم فرکع وسجد ومضی فی صلوتہ۔

ترجمہ: کہ آپ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک صحابی کے تیر لگا ان کے خون نکلا مگر انہوں نے رکوع کیا سجدہ کیا اور نماز پوری کر لی۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب اذا القی علی ظھر المصلی قذر او جیفۃ لم تفسد علیہ صلاتہ ج ۳ ص ۲۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابی کو عین نماز کی حالت میں تیر لگا خون نکلا مگر انہوں نے نماز نہ توڑی بلکہ رکوع سجدہ کر کے نماز مکمل کر لی، اگر خون نکلنا وضو توڑتا تو اسی وقت آپ نماز توڑ کر وضو کرتے پھر نماز یا نئے سرے سے پڑھتے یا وہ ہی پوری فرماتے معلوم ہوا کہ خون وضو نہیں توڑتا۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ جب ان صحابی کے تیر لگا۔ خون بہا تو یقیناً ان کے کپڑے اور جسم خون آلودہ ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود نماز پڑھتے ہی رہے تو چاہیے کہ آپ خون پیشاب پاخانہ سے بھرے ہوئے کپڑوں میں نماز جائز کہو حالانکہ تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ نمازی کا بدن و کپڑا پاک ہونا چاہیے لہذا یہ حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ ان صحابی نے حضور ﷺ کی اجازت سے یہ عمل کیا معلوم ہوتا ہے دوسری واقفیت انہیں نہ تھی۔ اس لئے ایسا کر گزرے۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان مرفوع و موقوف حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے لہذا نا قابل عمل ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے بدن و کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **والرجز فاھجز** (پارہ ۲۹ سورہ ۷۴ آیت نمبر ۵) گندگی سے دور رہو۔ اور فرماتا ہے **وثیابک فطھر** (پارہ ۲۹ سورہ ۷۴ آیت نمبر ۴) اپنے کپڑے پاک رکھو۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے گندے جسم اور گندے کپڑوں میں نماز پڑھ لی۔ لہذا یہ حدیث ہرگز قابل عمل نہیں۔

پانچویں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ صحابی جن کا یہ واقعہ ہے کون فقیہ ہیں یا غیر فقیہ ہیں اگر فقیہ ہیں تو انہوں نے اجتہاد سے یہ کام کیا جو حدیث مرفوع اور تمام فقہاء صحابہ کے خلاف ہے اور جو اجتہاد حدیث کے خلاف ہو وہ واجب ترک ہے اور اگر غیر فقیہ ہیں تو ان سے یہ ہوا بہر حال حدیث کسی طرح قابل عمل نہیں۔

تیسرا اعتراض:۔ اگر خون وضو توڑتا ہے تو چاہیے کہ تھوڑا خون بہتا نہ ہو وہ بھی وضو توڑ دے جیسے پیشاب ناقص وضو ہے بہے یا صرف ایک قطرہ ہی نکلے جب تھوڑا خون یعنی نہ بہنے والا وضو نہیں توڑتا تو زیادہ خون بھی ناقص وضو نہیں ایسے ہی۔ قے اگر ناقص وضو ہے تو

خواہ منہ بھر کر ہو یا تھوڑی وض توڑ دیتی ہے یہ فرق تم نے کہاں سے نکالا؟

جواب:۔ الحمدللہ آپ قیاس کے قائل تو ہوئے کہ زیادہ خون کو تھوڑے خون پر اور خون کو پیشاب پر قیاس کرنے لگے مگر جیسے آپ ہیں ویسے ہی آپ کا قیاس۔ جناب گندگی کا نکلنا وضو توڑتا ہے۔ پیشاب مطلقاً گندا ہے تھوڑا ہو زیادہ خون بہنے والا گندا ہے رب تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ او دماً مسفوحاً (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۴۵) نہ بہنے والا گندا نہیں آپ کا یہ قیاس قرآنی آیت کے خلاف ہے نیز ہر گندگی اپنے معدن میں جہاں وہ پیدا ہوتی ہے پاک ہوتی ہے معدن سے نکل کر ناپاک ہوتی ہے دیکھو آنتوں میں پاخانہ اور مثانہ میں پیشاب بھرا ہے۔ مگر پاک ہے اس لئے آپ کی نماز درست ہوتی ہے اگر یہ ناپاک ہوتے تو نماز کسی طرح جائز نہ ہوتی کہ گندگی اٹھائے ہوئے کی نماز نہیں ہوتی ایسے ہی گندا انڈا جو اندر سے خون ہو گیا ہو جیب میں ڈال کر نماز پڑھ سکتے ہیں اس کے اندر کا خون چونکہ اپنے معدن میں ہے پاک ہے۔ جب یہ سمجھ لیا تو اب پیشاب اور خون نکلنے میں فرق سمجھو پیشاب کی جگہ مثانہ ہے وہ مثانہ سے ہٹ کر پیشاب کی نالی میں آکر چمکتا ہے لہذا نجس ہے اگر چہ ایک بوند ہو مگر خون سارے جسم میں دوڑ رہا ہے اور کھال کے نیچے اس کا معدن ہے۔ اگر کہیں سوئی چبھ گئی اور خون چمک گیا مگر بہا نہیں تو وہ اپنی معدن میں رہ کر چمکا ہے ناپاک نہیں ہاں جب بہے تو سمجھو کہ اپنے معدن سے علیحدہ ہو گیا اور ناپاک اس فرق کی بنا پر پیشاب تو چمک کر بھی وضو توڑ دیتا ہے مگر خون بہہ کر توڑے گا۔ غرضکہ خون کا نکلنا اور ہے چمکنا کچھ اور لہذا خون کو پیشاب پر قیاس کرنا مع الفارق ہے۔

اعتراض نمبر ۴:۔ عینی شرح بخاری نے ایسی بہت سی حدیثیں نقل کیں۔

ان النبی ﷺ قاء ولم یتوضاء۔

ترجمہ: بے شک نبی ﷺ نے قے کی اور وضو نہ کیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اگر قے وضو توڑتی تو حضور ﷺ قے کر کے وضو کیوں نہ فرماتے؟

جواب:۔ ماشاءاللہ کیسا نفیس اعتراض ہے جناب یہ بھی احادیث میں آتا ہے۔ حضور ﷺ بیت الخلاء سے تشریف لائے اور وضو کے لئے پانی پیش کیا گیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے وضو نہ کیا تو کہہ دینا کہ پیشاب پاخانہ بھی وضو نہیں توڑتا جناب وضو نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت وضو کی ضرورت نہ تھی۔ وضو ٹوٹ جانے پر فوراً وضو کرنا واجب نہیں ہاں اگر حضور ﷺ فرماتے کہ قے وضو نہیں توڑتی تو آپ پیش کر چکتے تھے۔ اگر یہ احادیث اس مسئلہ کی دلیل ہو سکتیں تو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ ضرور پیش فرماتے امام ترمذی نے خون و قے کے ناقض وضو ہونے پر نہایت صحیح حدیث پیش کی اور ناقض نہ ہونے پر کوئی حدیث بیان نہ کی۔ صرف علماء کا مذہب بیان فرمایا معلوم ہوا کہ ان کی نظر میں قے و خون کے وضو نہ توڑنے کی کوئی حدیث نہیں۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ پر حدیث پیش کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵:۔ قے و خون کے متعلق آپ نے جو احادیث پیش کیں جن میں ارشاد ہوا کہ جس نمازی کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وہ وضو کرے وہاں وضو سے مراد خون و قے سے کپڑا دھو لینا ہے نہ کہ شرعی وضو جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ الوضوء مما مسته النار آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو ہے (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۹ رقم الحدیث ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت) وہاں وضو سے مراد ہاتھ دھونا کلی کرنا ہے نہ کہ شرعی وضو کیونکہ کھا کر ہاتھ دھونا کلی کرنا سنت ہے یہ ناقض وضو نہیں ایسے ہی یہاں ہے لہذا تمہارے دلائل غلط ہیں۔

جواب:۔ واقعی آپ کا یہ سوال ایسا ہے کہ جو آج تک کسی کو نہ سوجھا ہوگا۔ ذہن نے بہت رسائی کی اسی کا نام تحریف ہے اولاً تو آپ نے یہ غور نہ کیا کہ وہاں وضو کے عرفی معنے خود حضور علیہ السلام نے بیان فرما دیئے کہ ایک بار کھانا تناول کر کے ہاتھ دھوئے کلی کی اور فرمایا ھذا وضوء مما مسته النار آگ کی پکی چیز کھانے سے وضو یہ ہے یہاں آپ یہ معنے چھوڑ کر غیر معروف معنے کیوں مراد لے رہے ہو۔ نیز اس حدیث میں یہ ہے کہ جس کو نماز میں قے یا نکسیر آجاوے تو وضو کرے اور نماز کی بنا کرے یعنی باقی نماز پوری کرے اگر کپڑا دھونا مراد ہوتا تو نماز کی بنا جائز نہ ہوتی بلکہ دوبارہ پڑھنی پڑتی جس کا کپڑا نماز میں نجس ہو جاوے اور وہ دھوئے وہ بنا نہیں کر سکتا دوبارہ پڑھے گا۔ لہذا آپ کی یہ توجیہہ محض باطل ہے۔

تیئسواں باب

ناپاک کنواں پاک کرنا

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ اگر کنوئیں گھڑے یا گھڑے وغیرہ میں تھوڑی سی بھی ناپاکی گر جاوے تو ان کا پانی نجس ہو جاوے گا کہ نہ پیا جا سکتا ہے نہ اس سے وضو وغیرہ جائز ایک قطرہ پیشاب کنویں کو گندا کر دیتا ہے سمندر تالاب یا بہتا پانی ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جب پانی دو مٹکے ہو تو اس میں خواہ کتنی ہی نجاست پڑ جاوے ناپاک نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے لہذا ان کے نزدیک کنویں میں خوب گو موتو کنواں پاک ہے شوق سے اس کا پانی پیئے۔ وضو کرو پھر طرہ یہ ہے کہ اس مسئلے پر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتے ہیں کہ انہوں نے گندگی گر جانے پر کنویں کو پاک کیوں نہیں قرار دیا۔ مسلمانوں کو پیشاب کیوں نہ پینے دیا۔ حنفیوں کو چاہئے کہ نہ تو غیر مقلد وہابیوں کے پیچھے نماز پڑھیں نہ ان کے کنوؤں کا پانی بے تحقیق پئیں۔ ان کے کنویں اکثر گندے ہوتے ہیں جس سے یہ لوگ کپڑے دھوتے ہیں نہاتے اور وضو کرتے ہیں نہ ان کے بدن پاک نہ کپڑے پاک چونکہ اس مسئلہ کا یہ لوگ بہت مذاق اڑاتے اور آوازے کستے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ احادیث کے بالکل خلاف ہے اس لئے ہم اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اس مسئلہ کے دلائل دوسری فصل میں اس پر سوالات مع جوابات۔

پہلی فصل ...... کنوئیں کا ناپاک ہونا

کنواں خواہ کتنا ہی گہرا ہو اور اس میں کتنا ہی پانی ہو۔ اگر اس میں ایک قطرہ شراب یا پیشاب یا چوہا بلی وغیرہ گر کر مر جاوے تو ناپاک کئے اس کا پانی استعمال کے قابل نہیں اس کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہیں۔ جن میں سے ہم بطور نمونہ چند حدیثیں پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر ۱ تا ٤:۔ مسلم، نسائی، ابن ماجہ، طحاوی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن رسول اللہ ﷺ انہ نہی ان یبال فی المآء الراکد ثم یتوضاء فیہ۔

ترجمہ: منع فرمایا نبی ﷺ نے اس سے کہ ٹھہرے پانی میں پیشاب کیا جاوے پھر اس سے وضو کیا جاوے۔

(صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب النھی عن البول فی الماء الراکد ج ۱ ص ۲۳۵ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب الطھارۃ باب النھی عن البول فی الماء الراکد ج ۱ ص ۳۴ رقم الحدیث ۳۵ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۲۴ رقم الحدیث ۳۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۶۰ رقم الحدیث ۱۲۵۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۰ رقم الحدیث ۱۵۰۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

نمبر ۵ تا ۹:۔ مسلم و طحاوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال النبی ﷺ لایغسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب فقال کیف یفعل یا ابا ھریرۃ قال یتنا ولہ تناولا۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ کوئی شخص ٹھہرے پانی میں جنابت سے غسل نہ کرے ابو سائب نے پوچھا کہ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پھر جنبی کیا کرے فرمایا علیحدہ پانی لے لے۔

(صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ج ۱ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۲۸۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۷ رقم الحدیث ۶۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ ابن حبان (صحیح ابن حبان ج ۴ ص ۶۰ ـ ۶۱ رقم الحدیث ۱۲۵۱ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت) عبد الرزاق (مصنف۔

عبدالرزاق ج ۱ ص ۸۹ رقم الحدیث ۲۹۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت) وغیرہم بہت محدثین نے مختلف راویوں سے بالفاظ مختلفہ روایت فرمائی۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گڑھے کنویں اور تمام ٹھہرے ہوئے پانیوں میں نہ پیشاب کرے۔ نہ جنابت کا غسل اگر ایسا کرلیا گیا تو پانی گندا ہوکر قابل استعمال نہ رہے گا۔ اگر دو مٹکے پانی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوتا تو حضور ﷺ یہ ممانعت نہ فرماتے۔

نمبر ۱۰ تا ۱۲:۔ ترمذی، حاکم (مستدرک) ابن عساکر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ سے روایت کی۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اذا ولغ الکلب فی الاناء غسل سبع مرات اولھن بالتراب واذا ولغ الھرۃ غسل مرۃ اللفظ لابن عساکر۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب برتن میں کتا چاٹ جاوے تو سات بار دھویا جاوے پہلی بار مٹی سے مانجھا جاوے اور جب بلی چاٹ جاوے تو ایک بار دھویا جاوے۔

(مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۵۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی ج ۱ ص ۱۵۱ رقم الحدیث ۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۲۴۷ رقم الحدیث ۱۱۰۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ان احادیث سے پتہ لگا کہ اگر برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن سات بار دھویا جاوے اور ایک بار مٹی سے بھی مانجھا جاوے اور اگر بلی برتن سے پانی پی لے تو ایک بار ہی دھویا جاوے برتن خواہ چھوٹا ہو جیسے ہانڈی لوٹا یا بڑا جس میں دو چار مٹکے پانی آجاوے اگر دو مٹکے پانی کسی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا تو وہ برتن کیوں ناپاک ہوجاتا ہے۔ جس میں یہ پانی ہے کتے کا منہ تو پانی میں پڑا اور پانی برتن سے لگا ہوا ہے جب برتن نجس ہوگیا تو پانی یقیناً نجس ہوگیا خواہ دو مٹکے ہو یا کم و بیش۔

نمبر ۱۳ تا ۱۵:۔ دار قطنی، طحاوی نے ابوالطفیل سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

ان غلاما وقع فی بیر زمزم فنزحت۔

ترجمہ: زمانہ صحابہ میں چاہ زمزم میں ایک لڑکا گر گیا تو کنویں کا پانی نکالا گیا۔

(سنن الکبری للبیہقی باب ماجاء فی نزح زمزم ج ۱ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۱۱۸۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدار قطنی ج ۱ ص ۳۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

نمبر ۱۶ تا ۱۷:۔ ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے حضرت عطاء سے روایت کی عطا تابعی ہیں۔

ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر بہ ابن الزبیر فنزح ماء ھا فجعل الماء لاینقطع فنظر فاذا عین تجری من قبل الحجر الاسود فقال ابن الزبیر حسبکم۔

ترجمہ: کہ ایک حبشی چاہ زمزم میں گر کر مرگیا حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا پانی نکالا گیا پانی ختم نہ ہوتا تھا اندر دیکھا تو ایک چشمہ آب سنگ اسود کی طرف سے آرہا تھا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کافی ہے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۰ رقم الحدیث ۱۷۲۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

نمبر ۱۸:۔ بیہقی نے حضرت قتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

عن ابن عباس ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فانزل رجلاً الیہ فاخرجہ ثم قال الزحوا ما فیھا من مآء۔

ترجمہ: وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ چاہ زمزم میں ایک حبشی گر کر مرگیا تو آپ نے ایک آدمی کو اتارا جس نے اسے نکالا پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو پانی کنویں میں ہے اسے نکال دو۔

(سنن الکبری للبیہقی باب ماجاء فی نزح زمزم ج ۱ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۱۱۸۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

ان احادیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اگر کنوئیں میں کوئی خون والا جاندار مرجاوے تو کنواں نجس ہوجاوے گا۔ دوسرے یہ کہ ناپاک کنوئیں کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کا پانی نکال دیا جاوے اس کی دیواریں وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں، تیسرے

یہ کہ اگر کنوئیں کا پانی ٹوٹ نہ سکے تو پرواہ نہ کی جاوے جو پانی فی الحال موجود ہے وہ ہی نکال دیا جاوے جو بعد میں آ تا رہے اس کا مضائقہ نہیں چوتھے یہ کہ جس ڈول ورسی سے ناپاک کنوئیں کا پانی نکالا جاوے اسے دھونا ضروری نہیں کنوئیں کے ساتھ وہ بھی پاک ہو جاویں گے اگر غیر مقلد وہابی ان احادیث میں غور فرمالیں۔ تو امام صاحب کو گالیاں دینا، حنفیوں کا مذاق اڑانا آوازے کسنا چھوڑ دیں۔

نمبر ۱۹:۔ طحاوی شریف نے امام شعبی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحو هما یقع فی البئر قال ینزح منها اربعون دلواً۔

ترجمہ: امام شعبی چڑیا، بلی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر یہ کنوئیں میں مرجاویں تو چالیس ڈول پانی نکالا جاوے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۴۹ رقم الحدیث ۱۷۵۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

نمبر ۲۰:۔ طحاوی نے حضرت حماد ابن سلیمان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

انه قال فی دجاجة وقعت فی بیر فماتت قال ینزح قدر اربعین دلواً او خمسین ثم یتوضاء منها۔

ترجمہ: آپ فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں مرغی گر کر مرجائے تو اس سے چالیس یا پچاس ڈول نکالے جاویں پھر اس سے وضو کیا جاوے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۸ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمبر ۲۱:۔ طحاوی شریف نے حضرت میسرہ اور زادان سے روایت کی۔

عن علی رضی اللہ عنه قال اذا سقطت الفارة او الدابة فی البیر فاخرجهما حتی یغلبك المآء۔

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب چوہا یا کوئی اور جانور کنوئیں میں مرجائے تو اس کا پانی نکالو یہاں تک کہ پانی تم پر غالب آجائے۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۴۹ رقم الحدیث ۱۷۱۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

نمبر ۲۲:۔ طحاوی نے حضرت ابراہیم نخعی تابعی سے روایت کی۔

عن ابراهیم فی البیر تقع فیها الفارة قال ینزح منها دلاء۔

ترجمہ: ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ جب کنوئیں میں چوہا گر جاوے تو اس سے کچھ ڈول نکالے جاویں۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نمبر ۲۳:۔ شیخ علاؤالدین محدث نے بحوالہ طحاوی شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ (واللہ اعلم)

عن انس انه قال فی الفارة اذا ماتت فی البیر و اخرجت من ساعتها ینزح منها عشرون دلواً۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب چوہا کنوئیں میں گر جاوے اور فوراً نکال لیا جائے تو بیس ڈول نکالے جاویں۔

(جامع الرضوی صحیح البہاری ج ۱ ابواب طہارۃ البیر ص ۱۴۸ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

نمبر ۲۴:۔ بوبکر ابن ابی شیبہ نے حضرت خالد ابن مسلمہ سے روایت کی۔

ان علیا سئل عمن بال فی بیر قال ینزح۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس بارے میں کہ کوئی کنوئیں میں پیشاب کر دے فرمایا کہ کنوئیں کا پانی نکالا جائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۵۰ رقم الحدیث ۱۷۲۰ امطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۷ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہ چوبیس روائتیں بطور نمونہ پیش کی گئیں، جن سے معلوم ہوا کہ گندی چیز گر جانے سے کنواں نجس ہو جاتا ہے اور پانی کا نکالنا اس کی پاکی ہے، اگر زیادہ تحقیق دیکھنی ہو تو طحاوی شریف اور صحیح البہاری شریف کا مطالعہ فرماویں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست پڑنے سے نجس ہو جاویں کیونکہ جب نجاست لگ جانے سے کپڑا جسم برتن وغیرہ تمام چیزیں نجس ہو جاتی ہیں تو پانی جو پتلی چیز ہے جس میں نجاست بہت زیادہ سرایت کر جاتی ہے۔ بدرجہ اولیٰ ناپاک ہو جانا چاہیئے۔ نیز

جب دو مٹکے دودھ، تیل، پتلا گھی، شہد، کسی نجاست پڑنے سے نجس ہوجاتے ہیں۔ تو پانی ان چیزوں سے زیادہ پتلا ہے وہ بھی ضرور ناپاک ہوجانا چاہیئے۔ ورنہ فرق بیان کرو کہ دو مٹکے دودھ کیوں ناپاک ہوجاتا ہے اور اتنا پانی کیوں نجس نہیں ہوتا اس لئے سرکار محمد ﷺ فرماتے ہیں کہ سوکر جاگو تو بغیر ہاتھ دھوئے پانی میں نہ ڈال دو۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۳۳رقم الحدیث ۲۷۸مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) ، (مؤطاامام مالک ج۱ص۲۱رقم الحدیث ۳۷مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) پانی خواہ دو قلے ہو یا کم وبیش دیکھو بے وضو آدمی کو پانی میں ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا ہاں ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں تانبے شیشے کے برتن صرف پونچھ دینے سے پاک ہوجاتے ہیں ناپاک جوتا صرف چلنے پھرنے اور مٹی سے رگڑ جانے سے پاک ہوجاتا ہے نجس زمین صرف سوکھ جانے اور اثر نجاست جاتے رہنے سے پاک ہوجاتی ہے۔ نجس کپڑا وجسم دھونے سے پاک ہوتے ہیں ایسے ہی ناپاک کنواں پانی نکالنے سے پاک ہوجاتا ہے ناپاک دودھ تیل پاک دودھ وتیل کے ساتھ ملکر بہ جانے سے پاک ہوجاتے ہیں۔ بہر حال حق یہ ہے کہ کنواں وغیرہ نجاست گرنے سے نجس ہوجاتا ہے۔ پھر ان کے پاک کرنے کے مختلف طریقے ہیں۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک غیر مقلد وہابی اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات کرسکے ہیں ہم ان کے جوابات تفصیل وار عرض کرتے ہیں اگر اس کے بعد کوئی اور اعتراض ہمارے علم میں آیا وت ان شاء اللہ اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں اس کا جواب بھی دے دیا جاوے گا۔

اعتراض نمبر ۱ :۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال قیل یارسول اللہ انتوضاء من بیر بضاعة وھی بیر یلقی فیھا الحیض ولحوم الکلاب والنتن فقال رسول اللہ ﷺ ان المآء طھور لاینجسه شیی ء۔

ترجمہ: فرماتے ہیں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ کیا ہم بضاعہ کنوئیں سے وضو کرسکتے ہیں بضاعہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کی کپڑے کتوں کے گوشت اور بدبودار چیزیں ڈالی جاتی تھیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرسکتی۔

(سنن الترمذی باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیٔ ج۱ص۹۵رقم الحدیث ۶۶مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

بضاعہ مدینہ پاک میں ایک کنواں تھا۔ جس میں ہر قسم کی گندگی حتی کہ مرے کتے بھی پھینک دیئے جاتے تھے مگر اس کے باوجود سرکار نے کنوئیں کی گندگی حتی ناپاکی کا حکم نہ دیا تعجب ہے کہ حضور ﷺ تو بضاعہ کنوئیں کو کتے حیض کے کپڑے اور ہر قسم کی گندگی گرنے پر بھی ناپاک نہیں فرماتے مگر امام ابوحنیفہ ایک قطرہ پیشاب گرجانے پر بھی سارا کنوآں ناپاک کہہ دیتے ہیں حنفیوں کا یہ مسئلہ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ کیا ابوحنیفہ حضور ﷺ سے زیادہ پاک وستھرے تھے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ یہاں پانی میں کوئی قید نہیں کہ کتنا پانی ناپاک نہیں تو چاہیئے کہ گھڑے لوٹے میں بھی حیض کے کپڑے کتوں کے گوشت ڈال کر پیا کرو کیونکہ پانی کو کوئی چیز ناپاک کرتی ہی نہیں۔

دوسرے یہ کہ اگر یہاں پانی سے کنوئیں کا پانی ہی مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ کنوئیں کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی تو بھی آپ کے خلاف ہے کیونکہ تم کہتے ہو کہ اگر نجاست سے کنوئیں کے پانی کا رنگ یا بو مزہ بدل جاوے تو نجس ہوجاوے گا وہ کونسا کنواں ہے جو مرے کتوں حیض کے کپڑوں اور بدبودار چیزوں کے گرنے کے باوجود ان کا رنگ بو مزہ نہ بدلے دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر ایک مرغی بھی کنوئیں میں پھول پھٹ جاوے تو پانی میں سخت تعفن آجاتا ہے اس حدیث کی رو سے آپ کا فتوٰی دینا چاہیئے کہ وہابیوں کے کنوؤں میں مردار کتے سور حیض کے کپڑے خوب ڈالے جاویں اور تم اسی بدبودار پانی کو پیتے رہو تم نے بد اور مزہ بدلنے کی قید کہاں سے لگائی۔

تیسرے یہ کہ یہ حدیث تمام ان احادیث کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ حضور علیہ السلام ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے کو بھی منع فرماتے ہیں اور یہاں مردار کتے ڈالنے سے ممانعت نہیں فرماتے لہذا یہ حدیث قابل عمل نہیں تمام مشہور حدیثوں کے خلاف ہے۔

چوتھے یہ کہ یہ حدیث قیاس شرعی کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے ہیں اور جب احادیث میں تعارض ہو تو جو حدیث خلاف قیاس ہو وہ واجب الترک ہے اور جو مطابق قیاس ہو وہ واجب العمل ہے لہذا ان احادیث پر عمل کرو جو ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے۔

پانچویں یہ کہ بضاعہ کنواں ہمارے ملک کے کنوؤں کی طرح نہ تھا۔ بلکہ اس کے نیچے پانی جاری تھی جیسا کہ آج مکہ معظمہ کے کنوئیں نہر زبیدہ پر بنے ہوئے ہیں اور مدینہ منورہ کے کنوئیں نہر زرقا پر واقع ہیں بظاہر کنوئیں معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت وہ آب رواں کی نہریں ہیں چونکہ پانی جاری تھا اس لئے جو گندگی گری بہ گئی پاک وصاف پانی آ گیا نہ اس میں بو تھی نہ کوئی گندگی جاری نہر اور جاری دریا کا حکم یہ ہی ہے۔ چنانچہ امام طحاوی نے امام واقدی سے نقل کیا۔

ان بیر بضاعة كانت طريقا للمآء الى البساطين فكان الماء لا يستقر فيها۔

ترجمہ: بضاعہ کنواں پانی کا راستہ تھا جو باغوں میں جاتا تھا اس میں پانی ٹھہرتا نہ تھا۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس صورت میں تمام احادیث متفق ہو گئیں اور مسئلہ بالکل حل ہو گیا۔ لہذا کنواں گندگی گرنے سے نجس ہو جاتا ہے۔

اعتراض نمبر ۲: ترمذی شریف نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

قال سمعت رسول الله ﷺ وهو يسئل عن المآء يكون في الفلاة من الارض ومايتوبه من السباع والدواب قال اذا كان المآء قلتين لم يحمل الخبث۔

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ میں نے سنا نبی ﷺ کو حالانکہ آپ سے اس پانی کے متعلق سوال ہوا جو جنگلوں میں ہوتا ہے جس پر درندے اور جانور وار ہوتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا جب پانی دو مٹکے ہو تو نجاست کو نہیں اٹھاتا۔

(سنن الترمذی ج ۱ ص ۹۷ رقم الحدیث ۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ دو مٹکے پانی نجاست گرنے سے نجس نہیں ہوتا امام ترمذی نے محمد ابن اسحاق سے روایت کی کہ دو قلے پانی مشکیزہ ہوتے ہیں جب پانچ مشکیزے پانی نجس نہیں ہوتا تو کنوئیں میں سینکڑوں مشکیزے پانی ہوتا ہے وہ کیسے نجس ہو سکتا ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث تمہارے بھی خلاف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مٹکے پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی نجاست گرے خبث میں مقدار نجاست کی قید نہیں تو چاہیے کہ اگر دو مٹکے میں چار مٹکے پیشاب پڑ جاوے اور اس کا بو مزہ رنگ سب پیشاب کا سا ہو جاوے تب بھی وہ پانی پیتے رہیں رنگ و بو نہ بدلنے کی قید تم نے کہاں سے لگائی؟ یہ بھی حدیث کے خلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ لم یحمل الخبث کے یہ معنے کیسے ہوئے کہ نجس نہیں ہوتا اس کے معنے ہیں نجاست برداشت نہیں کرتا۔ یعنی نجس ہو جاتا ہے جب یہ احتمال بھی موجود ہے تو تمہارا استدلال باطل ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ ہی معنے کئے جائیں کہ دو مٹکے پانی کبھی نجس نہیں ہوتا تو یہ حدیث ان تمام حدیثوں کے خلاف ہے جو ہم پہلی فصل میں بیان کر چکے کہ حضور ﷺ نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا خواہ دو مٹکے پانی ہو یا کم و بیش اور سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چاہ زمزم میں ایک حبشی گرنے پر اس کا پانی نکلوایا یہ کیوں وہاں تو ہزاروں مٹکے پانی تھا۔ لہذا یہ حدیث لائق عمل نہیں چوتھے یہ کہ قلتیں قلہ کا تثنیہ ہے قلہ مٹکے کو بھی کہتے ہیں اور انسان کی قد و قامت کو بھی اور پہاڑ کی چوٹی کو بھی یہاں قلہ کے معنی انسانی قد و قامت

ہے۔اور اس سے گہرائی کا اندازہ بتانا مقصود نہیں بلکہ لمبائی کا اندازہ بیان کرنا مقصود ہے یعنی جب پانی بہہ رہا ہو اور دو قامت انسان کی بقدر اسے بہنے کے لئے فاصلہ مل جاوے تو اب کسی چیز سے نجس نہ ہوگا کیونکہ وہ پانی نہروں کی طرح رواں جاری ہے گندگی کو بہالے جاوے گا۔فوراً دوسرا پانی آوے گا۔اس معنی سے احادیث میں تعارض بھی نہیں ہوگا۔اور ہر حدیث واجب العمل بھی ہوگی۔یہ وجہ بہت بہتر ہے۔کیونکہ اگر قلہ کے معنی ہوں مٹکا تو پتہ نہ چلے گا کہ کتنا بڑا مٹکا کہاں کا مٹکا اور پانچ مشک مقدار کرنا بھی درست نہیں کہ حدیث میں مقدار مذکور نہیں۔نیز یہ خبر نہیں کہ مشکیزہ کتنا بڑا اور کہاں کا غرض یہ کہ حدیث مجمل ہوگی مجمل پر عمل ناممکن ہے پانچویں یہ کہ اس حدیث میں وہ صورت مراد ہے کہ دو قلے پانی زمین پر خوب پھیلا ہوا بڑے حوض کی مقدار میں ہو یعنی سو ہاتھ سطح ہوگئی ہو۔اب چونکہ یہ پانی تالاب کے حکم میں ہوگیا لہذا معمولی گندگی گرنے سے ناپاک نہ ہوگا۔اس صورت میں بھی احادیث میں تعارض نہیں۔

اعتراض نمبر ۳:۔ حنفیوں کا ڈول بڑے کمال والا ہے کہ ناپاک سے ناپاک کنوئیں سے صرف ناپاک پانی چھانٹ کر نکال لاتا ہے پاک پانی چھوڑ آتا ہے۔حیرت ہے کہ جب کنوئیں میں چڑیا مرگئی جس سے سارا کنواں ناپاک ہوگیا اور حنفیوں نے اس میں سے صرف تیس ڈول نکالے تو یا تو کہو کہ سارا کنواں ناپاک ہی نہ ہوا تھا۔صرف تیس ڈول پانی ناپاک تھا جسے یہ کراماتی ڈول چھانٹ کر نکال لایا۔اگر کل کنواں ہوگیا تھا۔تو تیس ڈول نکل جانے سے سارا پانی پاک کیسے ہوگیا؟

جواب: ۔یہ کرامت وہابیوں کے ڈول میں بھی ظاہر ہوتی ہے۔جب کنویں کا پانی بدمزہ رنگ بدل جانے کی وجہ سے ناپاک ہوجاوے اور کنواں چشمہ والا ہو جس کا پانی ٹوٹ نہ سکے اب وہابی صاحبان اسے پاک کریں۔بتاؤ اس صورت میں کل کنواں ناپاک ہوا ہے یا کچھ ڈول اگر کچھ ڈول پانی ناپاک ہوا ہے تو وہابیوں کا ڈول واقعی کراماتی ہے کہ چھانٹ چھانٹ کر صرف گندا پانی نکال لایا اور پاک پانی کو ہاتھ نہ لگایا اور اگر کل کنواں ناپاک ہوا تھا تو کنویں کا کل پانی نکالا بھی نہیں پانی کے آس پاس کی دیواریں دھوئی بھی نہ گئیں اور کنواں پاک ہوگیا یہ کیسے ہوا اس کا جواب وہابی دیں گے وہ ہی ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔جناب عالی چڑیا مرجانے سے سارا ہی کنواں ناپاک ہوجاتا ہے۔مگر ناپاک چیزوں کے پاک کرنے کے طریقے مختلف ہیں کوئی چیز سوکھ کر کوئی چل کر کوئی بہہ کر کوئی صرف پونچھ دینے سے پاک ہوجاتی ہے۔ایسے ہی اس کنوئیں کا پانی صرف آسانی کے لئے چالیس ڈول نکال دینے سے پاک ہوجاتا ہے۔دیکھو منی ناپاک ہے۔لیکن جب کپڑے میں الگ کر خشک ہوجاوے تو صرف مل کر جھاڑ دینے سے کپڑا پاک ہوجاتا ہے تمہارا بھی یہ عقیدہ ہے۔کہیے یہ کپڑا بغیر دھوئے پاک کیسے ہوگیا۔صرف آسانی کے لئے ایسے ہی آسانی کے لئے صرف چالیس ڈول نکال دینے سے سارا کنواں پاک ہوجاتا ہے۔

اعتراض نمبر ٤:۔ اگر چڑیا یا چوہا مرنے سے کنواں ناپاک ہوجاتا ہے تو ناپاک پانی کی وجہ سے کنوئیں کی دیوار بھی نجس ہوگئی اور جب اسے پاک کرنے کے لئے ڈول ڈالا گیا تو وہ ڈول و رسی بھی نجس ہوگئی تو چاہیے تو یہ تھا کہ اسے پاک کرنے کو دیوار بھی دھوتی جاتی اور ڈول رسی بھی پاک کی جاتی۔

جواب:۔ اس اعتراض کا جواب اعتراض نمبر۳ کے جواب میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر شریعت آسانی کرتی ہے کنوئیں کی دیواریں اور ڈول اور رسی دھونے میں سخت دشواری تھی۔اس لئے اس کی معافی دی گئی۔تم بھی اپنے گندگے کنویں پاک کرتے وقت نہ کنوئیں کی دیواریں دھوتے ہو نہ ڈول و رسی آپ کا یہ قیاس حدیث کے مقابل ہے اور نص کے مقابل قیاس دوڑانا جائز نہیں ہم پہلی فصل میں بتا چکے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم صحابہ رضی اللہ عنہم نے چاہ زمزم پاک کیا مگر نہ اس کی دیواریں دھوئیں نہ ڈول و رسی۔

چوبیسواں باب

نماز جمعہ وعیدین گاؤں میں نہیں ہوتی

مسئلہ شرعی یہ ہے کہ نماز جمعہ ونماز عیدین گاؤں میں نہیں ہوتی۔ ان تینوں نمازوں کے لئے شہر یا شہر کی ملحقہ جگہ ہونا شرط ہے نہ گاؤں والوں پر جمعہ وعیدین لازم ہے اور نہ وہاں گاؤں میں یہ نمازیں جائز ہیں۔ ہاں اگر گاؤں والے شہر آکر یہ نمازیں پڑھ جائیں تو ثواب پائینگے مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ جمعہ وعیدین ہر جگہ جائز ہے نماز ظہر کی طرح ہر گاؤں شہر میں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ کی بھی دو فصلیں کی جاتی ہیں۔ پہلی فصل میں اس ممانعت کا ثبوت دوسری فصل میں اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات۔

نوٹ:۔ ضروری خیال رہے کہ شہر وہ بستی ہے جہاں کوچے و بازار ہوں۔ ضروریات کی چیزیں مل جاتی ہوں۔ اور وہاں کوئی حاکم بھی رہتا ہو جہاں یہ نہ ہو وہ گاؤں ہے۔

پہلی فصل

نماز جمعہ وعیدین کے لئے دوسری شرائط جماعت، خطبہ وغیرہ کی طرح شہر یا فناء شہر بھی شرط ہے کہ یہ نمازیں صرف شہر میں ہوں گی گاؤں میں نہیں ہو سکتیں دلائل ملاحظہ ہوں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

نمبر(۱):۔

یا یھا الذین امنوا اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ و ذروا البیع۔

اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کی اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور تجارتیں چھوڑ دو۔

(پارہ ۲۸ سورہ ۶۲ آیت نمبر ۹)

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اذان جمعہ ہو جانے پر دو حکم دیئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا دوسرے تجارتی کاروبار چھوڑ دینا جس سے اشارتاً معلوم ہوا کہ جمعہ وہاں ہی ہوگا۔ جہاں تجارتی کاروبار ہوں اور ظاہر ہے کہ تجارتی کاروبار بازاروں منڈیوں میں ہی ہوتی ہیں اور بازار و منڈیاں شہروں ہی میں ہوتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱ تا ۳:۔ عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں ابو عبید نے غریب میں مروزی نے کتاب الجمعہ میں امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

قال لا جمعۃ و لا تشریق الا فی مصر جامع۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۸ رقم الحدیث ۵۱۷۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

حدیث نمبر ۴:۔ ابن ابی شیبہ نے ان ہی امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال لا جمعۃ و لا تشریق و لا صلوۃ فطر و لا اضحی الا فی مصر جامع او مدینۃ عظیمۃ۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ نہ تو جمعہ ہوتا ہے نہ تکبیر تشریق نہ عید بقر عید کی نماز مگر بڑے شہر میں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۳۹ رقم الحدیث ۵۰۵۹ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۵:۔ بیہقی نے عرفہ میں انہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال لا تشریق و لا جمعة الا فی مصر جامع۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ جمعہ اور تکبیر تشریق نہیں ہو سکتے مگر بڑے شہر میں۔

(سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۵۴۰۵ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۶:۔ فتح الباری میں شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال لیس علی اهل القری جمعة انما الجمعة علی اهل الامصار مثل المدائن۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا گاؤں والوں پر نماز جمعہ فرض نہیں جمعہ مدائن جیسے شہر والوں پر فرض ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۳۹ رقم الحدیث ۵۰۶۰ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

حدیث نمبر ۷، ۹:۔ مسلم، بخاری، ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

کان الناس یتنا بون الجمعة من منازلهم والعوالی فیاتون فی الغبار والعرق الخ۔

ترجمہ: لوگ نماز جمعہ کے لئے اپنی منزلوں اور گاؤں سے مدینہ منورہ آتے تھے انہیں غبار لگ جاتا تھا اور پسینہ آجاتا تھا۔

(صحیح البخاری کتاب الجمعۃ ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۸۱ رقم الحدیث ۸۴۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۷۸ رقم الحدیث ۱۰۵۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۶۳ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۱۸۹ رقم الحدیث ۵۴۵۵ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

حدیث نمبر ۱۰:۔ ترمذی نے حضرت ثویر سے انہوں نے قباوالوں میں سے ایک صاحب سے انہوں نے اپنے والد سے جو صحابی رسول اللہ ﷺ ہیں روایت کی۔

قال امرنا النبی ﷺ ان نشهدالجمعة من قبا۔

ترجمہ: فرمایا ہم قباوالوں کو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ نماز جمعہ کے لئے قبا سے چل کر مدینہ آئیں۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۷۴ رقم الحدیث ۵۰۱ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۱:۔ ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ نبی کریم ﷺ سے راوی۔

قال الجمعة علی من اواه اللیل الی اهله۔

ترجمہ: فرمایا جمعہ اس پر فرض ہے جو جمعہ پڑھ کر رات تک اپنے گھر واپس پہنچ جائے۔

(سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۷۴ رقم الحدیث ۵۰۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۱۲:۔ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔

ان اهل قباء کانوا یجمعون مع رسول اللہ ﷺ یوم الجمعة۔

ترجمہ: قبا والے لوگ جمعہ کے دن نبی ﷺ کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجہ باب ماجاء من این یوتی الجمعۃ ج ۱ ص ۳۵۶ رقم الحدیث ۱۱۲۴ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (صحیح البہاری باب این یوتی الجمعۃ ج ۱ ص ۵۳۱ طبع سنہ ۱۹۲۲ء)

حدیث نمبر ۱۳، ۱۴:۔ موطا امام مالک باب جمعۃ فی العوالی اور موطا امام محمد باب صلوۃ العیدین وامر الخطبہ میں بروایت ابن شہاب عن ابی عبید موٰلی ابن از ہر ہے۔

قال شهدت العید مع عثمان فصلی ثم انصرف وقال انه قد اجتمع لکم فی یومکم هذا عیدان فمن احب من اهل العالیة ان ینتظر الجمعة فینتظرها و من احب ان یرجع فقد اذنت له۔

ترجمہ: فرمایا میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوا آپ نے نماز پڑھی پھر لوٹے اور فرمایا کہ آج کے دن

میں دو عیدیں جمع ہوگئی ہیں تو گاؤں والوں میں سے جو صاحب جمعہ کا انتظار کرنا چاہیں وہ کریں اور جو واپس جانا چاہیں میں انہیں اجازت دیتا ہوں۔☆

(مؤطاامام محمد باب صلوۃ العیدین وامر الخطبہ ص ۱۳۹۔۱۴۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان آخری احادیث سے معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں قبا اور دیگر گاؤں سے لوگ نماز جمعہ وعیدین پڑھنے کے لئے مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے۔ خواہ وہ اپنے گاؤں میں یہ نمازیں نہ پڑھ لیتے تھے اگر گاؤں میں نماز جمعہ جائز ہوتی تو یہ حضرات وہاں ہی پڑھ لیا کرتے گرد وغبار تپش اور پسینہ کی زحمتیں اٹھا کر جمعہ وعیدین کے لئے مدینہ طیبہ نہ آیا کرتے۔ بخاری کے لفظ ینتابون اور موطا کے لفظ ان یرجع سے معلوم ہوا کہ گاؤں والوں پر جمعہ فرض نہیں ورنہ ان کے باری باری آنے کے کیا معنی اور صرف عید پڑھ کر جو جمعہ کے دن تھی بغیر جمعہ پڑھے لوٹ جانے کا کیا مطلب؟

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمعہ گاؤں اور جنگلوں میں ہو نہ کہ صرف شہر میں ہو کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کا حج الوداع بروز جمعہ ہوا یعنی ۹ ذی الحجہ عرفہ کے دن جمعہ تھا۔ جس میں ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کا اجتماع تھا مگر حضور ﷺ نے نہ تو خود میدان عرفات میں جمعہ پڑھا نہ مکہ کے حاجیوں کو اس کا حکم دیا نیز صحابہ کرام نے بہت ملک فتح کئے مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ ان حضرات نے گاؤں میں جمعے قائم کئے ہوں چنانچہ فتح القدیر باب الجمعہ میں ہے۔

ولهذا لم ينقل عن الصحابة حين فتحوا البلاد و اشتغلوا بنصب المنابر والجمع الا فی الامصار۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہیں منقول نہ ہوا کہ جب انہوں نے علاقے فتح کیے تو انہوں نے شہروں کے سوا کہیں اور عید اور جمعے قائم کئے ہوں۔

(فتح القدیر باب الجمعہ ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اگر جمعہ ظہر کی طرح ہر جگہ ہو جایا کرتا تو یہ حضرات ہر جگہ ہی جمعے قائم کرتے جیسے جمعہ کے لئے خطبہ جماعت وغیرہ شرط ہے جو نماز ظہر کے لئے شرط نہیں نیز جمعہ مسافر اور عورت و بیمار پر فرض نہیں ظہر سب پر فرض ہے ایسے ہی اگر جمعہ کے لئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے غرضکہ جمعہ سارے احکام میں ظہر کی طرح نہیں۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراض وجوابات

اعتراض نمبر ۱:۔ قرآن کریم سے نماز جمعہ کی فرضیت بطریق اطلاق ثابت ہے وہاں شہر کی قید نہیں تو تم مذکورہ احادیث کی وجہ سے قرآن میں قید کیسے لگا سکتے ہو۔ قرآنی مطلق حدیث واحد سے مقید نہیں ہو سکتا۔

حاشیہ......☆

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابن ادريس عن هشام عن الحسن ومحمد انهما قالا الجمعة فی الامصار۔

ترجمہ: ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری اور محمد بن سیرین نے کہا جمعہ شہروں میں فرض ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۳۹ رقم الحدیث ۵۰۶۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا غندر عن مغيرة عن ابراهيم قال لا جمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع۔

ترجمہ: مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شہر کی جامع مسجد کے سوا جمعہ اور تشریق فرض نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۳۹ رقم الحدیث ۵۰۶۶ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن شریف میں نماز جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں لگائی گئی نہ وقت کی نہ خطبہ کی نہ جماعت کی نہ جگہ کی تو چاہیئے کہ نماز جمعہ دن رات فجر مغرب ہر وقت میں پڑھ لیا کرو نیز خطبہ کی بھی پابندی نہ ہو۔ جنگل اور گھر میں اکیلا آدمی بھی جمعہ پڑھ سکے حالانکہ آپ لوگ بھی اس کے قائل نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیت جمعہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور مجمل کی تفصیل حدیث واحد سے بھی ہوسکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ احادیث واحد نہیں عرفات میں حضور ﷺ کا جمعہ نہ پڑھنا تمام ان حاجی صاحبان نے دیکھا۔ جنگی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی جس فعل شریف کو اتنے صحابہ دیکھیں وہ خبر واحد کیونکر ہوگی۔ چوتھے یہ کہ خود قرآن کریم میں شہر کے شرط ہونے کی طرف اشارہ موجود ہے کہ رب نے حکم جمعہ کے ساتھ فرمایا وذروا البیع جیسا کہ ہم پہلی فصل میں عرض کر چکے ہیں۔

اعتراض نمبر ۲:۔ بخاری وغیرہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسجد نبوی شریف کے بعد سب سے پہلا جمعہ مسجد عبدالقیس میں ہوا جو بحرین کے ایک قریہ جوائی میں واقع ہے معلوم ہوا کہ قریہ یعنی گاؤں میں جمعہ ہوسکتا ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عربی میں قریہ صرف گاؤں کو نہیں کہتے مطلقاً بستی کو کہتے ہیں گاؤں ہو یا شہر قرآن کریم میں بہت جگہ شہر کو قریہ کہا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔

ترجمہ: کفار بولے کہ یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ اتارا گیا۔

(پارہ ۲۵ سورہ الزخرف آیت نمبر ۳۱)

دیکھو اس آیت میں مکہ معظمہ وطائف کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ یہ بڑے شہر ہیں مکہ معظمہ کی شہریت تو قرآن سے ثابت ہے۔ **وھذا البلاد الامین** اور فرماتا ہے۔

واسئل القریۃ التی کنا فیھا۔

ترجمہ: آپ پوچھیں اس شہر سے جس میں ہم تھے۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۸۲)

دیکھو اس آیت میں مصر کو قریہ فرما گیا جو عظیم الشان شہر ہے۔

حتی اذا اتیا اھل قریۃ ن استطعما اھلھا۔

ترجمہ: یہ دونوں (موسیٰ وخضر علیہما السلام) ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں سے کھانا مانگا۔

(پارہ ۱۶ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۷۷)

اس آیت میں انطاکیہ کو قریہ فرمایا گیا حالانکہ بڑا شہر ہے بہرحال قریہ شہر کو بھی کہتے ہیں جوائی گاؤں نہ تھا بلکہ شہر تھا۔ چنانچہ صحاح میں ہے۔

ان جوالی حصن بالبحرین۔

ترجمہ: جوائی بحرین میں ایک قلعہ ہے۔

(فتح القدیر باب الجمعہ ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اور ظاہر ہے کہ قلعہ شہروں میں ہوتا ہے (فتح القدیر) مبسوط میں ہے۔

انھا مدینۃ بالحرین۔

ترجمہ: وہ بحرین میں ایک شہر ہے۔

(فتح القدیر باب الجمعہ ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بہر حال جن لوگوں نے کہا ہے کہ جواثی قریہ ہے ان کی مراد قریہ سے شہر ہے دوسرے یہ کہ اگر یہاں قریہ بمعنی گاؤں ہو تو اس کی پہلی حالت مراد ہے یعنی پہلے وہ گاؤں تھا جمعہ قائم ہونے کے وقت شہر بن چکا تھا لہذا شہر والی روائتیں بھی درست ہیں گاؤں والی بھی تیسرے یہ کہ اگر جمعہ قائم ہونے کے وقت بھی گاؤں تھا۔ تو وہاں جمعہ پڑھنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اپنے اجتہاد سے تھا نہ کہ حضور ﷺ کے حکم سے ان بزرگوں کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ (از فتح القدیر وغیرہ)

(فتح القدیر باب الجمعۃ ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اعتراض نمبر ۳:۔ بیہقی شریف میں بروایۃ عبدالرحمٰن ابن کعب عن کعب ابن مالک ہے فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے جمعہ ہم کو سعد ابن زارہ نے مقام حرہ بنی بیاضہ پر پڑھایا پوچھا گیا کہ وہاں کتنے آدمی رہتے تھے۔ تو فرمایا صرف چالیس آدمی تھی حضرت کعب جب بھی اذان سنتے تو حضرت سعد کو دعائیں دیتے تھے دیکھو سعد بن زارہ بھی صحابی ہیں اور حضرت کعب ابن مالک بھی ان بزرگوں نے مع دوسرے صحابہ کرام ایسی جگہ جمعہ پڑھایا جہاں صرف چالیس کی بستی تھی۔ معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ جائز ہے۔

جـــــواب:۔ یہ واقعہ حضور ﷺ کی ہجرت سے پہلے کا ہے جب کہ جمعہ ابھی فرض بھی نہ ہوا تھا۔ بیعت عقبہ کے بعد جب مدینہ منورہ میں اسلام پھیلا اور کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جیسے یہود ہفتہ کے دن اور عیسائی اتوار کے دن اپنے عبادت خانوں میں جمع ہو کر عبادتیں کرتے ہیں ہم بھی عروبہ کے دن جمع ہو کر عبادات کیا کریں۔ چنانچہ حضرت اسعد ابن زرارہ نے حرہ بنی بیاضہ میں ایک خاص جگہ مسجد کی شکل کی بنائی اور وہاں عروبہ کے دن جمع ہونا نماز و وعظ کرنا شروع کر دیا اور اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا یعنی مسلمانوں کے اجتماع کا دن یہ نماز ان بزرگوں کی اپنی اجتہادی نماز تھی۔ نہ کہ موجودہ اسلامی جمعہ پھر رب تعالیٰ ن اسی دن میں نماز جمعہ فرض فرمائی اس کی تحقیق بیہقی میں اسی مقام پر اور فتح القدیر میں جمعہ کی بحث میں ملاحظہ کرو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نماز مروجہ جمعہ ہی کی نماز تھی۔ تو حرہ بنی بیاضہ مستقل گاؤں نہ تھا۔ بلکہ مدینہ منورہ کے مضافات میں سے تھا۔ یعنی فنائے شہر کے جنگلوں میں بھی جمعہ وعیدین جائز ہیں۔

اعتراض نمبر ۴:۔ بخاری شریف میں حضرت یونس سے مروی ہے کہ جناب رزیق ابن حکیم نے ابن شہاب کو خط لکھا کہ کیا میں اپنی زمین ایلہ میں جمعہ پڑھ لیا کروں جہاں چند سوڈانی وغیرہ مسلمان رہتے ہیں انہوں نے جواب دیا ضرور دیکھو محمد ابن شہاب نے رزیق کو ایک بہت چھوٹے سے گاؤں ایلہ میں جمعہ پڑھنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ جمعہ گاؤں میں جائز ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب بخاری شریف کی اسی مقام سے معلوم ہو جاتا ہے کہ محمد ابن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ اپنے اجتہاد سے دیا ہے نہ کہ کسی حدیث کی بنا پر انہیں مسئلہ معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ ظہر کی طرح جمعہ میں بھی ہر جگہ ہو جاتا ہوگا لہذا یہ حکم دے دیا چنانچہ بخاری میں اس جگہ شہاب کا پورا خط نقل کیا ہے جس میں اس فتوے کی یہ دلیل نقل فرمائی ہے کہ مجھ سے سالم نے ان سے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے قیامت میں اپنے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوا الخ اس سے معلوم ہوا کہ ابن شہاب کو گاؤں میں جواز جمعہ کی کوئی حدیث نہ ملی صرف اس حدیث سے استنباط کیا۔

اعتراض نمبر ۵:۔ تمہاری پیش کردہ حدیثیں سب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال ہیں نہ کہ نبی ﷺ کے فرمان ایک صحابی کے قول سے قرآنی آیت کے خلاف فتویٰ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ صحابہ کرام کے اقوال بھی حدیث ہیں جنہیں حدیث موقوف کہا جاتا ہے اور یہ حدیثیں اگر قیاسات کی نہ ہوں تو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قرآن شریف میں جمعہ کی نماز کے لئے شہر کی صراحتاً قید نہ لگائی گئی اور پھر آپ نے

فرمایا کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں معلوم ہوا کہ آپ نے اپنی رائے سے یہ کلام نہیں فرمایا بلکہ حضور ﷺ سے سن کر فرمایا اسی لئے صاحب ہدایہ نے یہ حدیث مرفوعاً نقل فرمائی کیونکہ ایسی حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہی ہوتی ہیں۔

اعتراض نمبر ۶:۔ جمعہ کی نماز نماز ظہر کے قائم مقام ہے اسی لئے جمعہ کے دن ظہر نہیں پڑھی جاتی صرف جمعہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ جب ظہر گاؤں وشہر ہر جگہ ہو جاتی ہے تو جمعہ بھی ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔

جواب:۔ یہ اعتراض تم پر بھی پڑسکتا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ظہر کی طرح جمعہ بھی اکیلے جماعت سے جنگل میں گھر میں مسجد میں ہر جگہ ہو جانا چاہیے۔ اللہ کے بندو جب جمعہ اور ظہر میں بہت سے فرق ہیں کہ ظہر کی رکعتیں چار جمعہ کی دو ظہر میں سنت مؤکدہ چھ چار تو فرضوں سے پہلے اور دو بعد میں جمعہ میں آٹھ چار فرض سے پہلے اور چار بعد ظہر میں جماعت شرط نہیں اور جمعہ میں شرط ہے۔ ظہر میں خطبہ شرط نہیں جمعہ میں شرط ظہر میں ایک اذان جمعہ میں دو ظہر گھر میں بھی جائز مگر جمعہ کے لئے اذان عام کی جگہ ہونا ضروری ظہر سارے مسلمانوں پر فرض مگر جمعہ عورت ومسافر پر فرض نہیں جب جمعہ اور ظہر میں اتنے فرض موجود ہیں تو اگر یہ فرق بھی ہو جائے کہ جمعہ کے لئے شہر شرط ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ جمعہ ہجرت سے پہلے ہی فرض ہوا تھا۔ مگر نبی ﷺ نے نہ تو ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں جمعہ پڑھا اور نہ ہجرت کے بعد قبا کے قیام کے دوران میں کیونکہ اس وقت مکہ معظمہ دارالاسلام نہ تھا۔ اور قبا شریف شہر نہ تھا جمعہ کے لئے دونوں چیزیں شرط ہیں۔

اعتراض نمبر ۷:۔ حنفی کہتے ہیں کہ موسم حج میں منیٰ میں جمعہ پڑھا جائے منیٰ تو گاؤں بھی نہیں محض جنگل ہے اگر جمعہ کے لئے شہر شرط تھا تو منیٰ میں جمعہ جائز کیوں ہو گیا۔

جواب:۔ حج کے زمانہ میں منیٰ شہر بن جاتا ہے کیونکہ وہاں ہر قسم کی عمارتیں گلی کوچے بازار تو پہلے ہی بنے ہوئے ہیں حج کے موسم میں وہ سب آباد ہو جاتے ہیں اور وہاں حاکم بھی موجود ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں جمعہ جائز ہے۔ اس زمانہ میں دہلی وکانپور کے مقابلہ کا شہر بن جاتا ہے عرفات محض میدان ہے چاہیے تو تھا کہ وہاں نماز عید بھی پڑھی جاتی مگر چونکہ اس دن حج کے مشاغل بہت زیادہ ہیں اس لئے حجاج پر عید معاف ہے۔ رمی، قربانی، حجامت، طواف زیارت یہ سب دسویں تاریخ کو کئے جاتے ہیں ان کی ادا میں شام ہو جاتی ہے۔ خیال رہے کہ مسافر پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عید واجب اور اکثر حجاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔

نوٹ ضروری:۔ جہاں مسلمان گاؤں میں جمعہ پڑھ لیتے ہوں وہاں ان کو ظہر احتیاطی پڑھنے کا تاکیدی حکم دیا جائے ورنہ ان کا فرض ادا نہ ہوگا نماز ظہر رہ جائے گی۔



پچیسواں باب

نماز جنازہ میں الحمد شریف کی تلاوت نہ کرو

احناف کے نزدیک نماز جنازہ میں تلاوت قرآن مطلقاً خلاف سنت ہے اس میں نہ تو سورہ فاتحہ پڑھی جاوے نہ کوئی اور سورت کہ اگر اس نماز میں صرف حمد الٰہی درود شریف اور دعا پڑھی جاوے ہاں اگر الحمد شریف یا کوئی دوسری سورت ثناء الٰہی یا دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے تلاوت کی نیت سے جائز نہیں تلاوت اور دعا کی نیتوں کے احکام مختلف ہیں دیکھو ناپاکی (جنابت) کی حالت میں آیۂ قرآنی تلاوت کی نیت سے پڑھنا حرام ہے دعا کی نیت سے پڑھنا درست کسی نے پوچھا آپ کا مزاج کیسا ہے۔ ہم نے کہا الحمد للہ رب العالمین۔ اگر ہم ناپاکی کی حالت میں ہوں تب بھی یہ کہہ دینا جائز ہے لیکن اگر تلاوت قرآنی کی نیت سے یہ آیت پڑھی تو سخت جرم ہے، مگر غیر مقلد وہابی کہتے ہیں کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن کی نیت سے سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے اس لئے ہم اس باب کی بھی دو فصلیں کرتے ہیں پہلی فصل میں اپنے دلائل دوسرے فصل میں اسی پر سوال و جواب۔

پہلی فصل......اس مسئلہ پر دلائل

نمبر1:۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

ولا تصل علی احدمنهم مات۔

ترجمہ: منافقین میں سے کوئی مر جائے تو آپ اس پر جنازہ نہ پڑھیں۔

(پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۸۴)

آیۂ کریمہ میں نماز جنازہ کو صلوۃ فرمایا مگر ساتھ میں علی ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے۔ عرفی نماز نہیں جیسے رب فرماتا ہے۔

صلوا علیه وسلموا تسلیماً۔

ترجمہ: اے مسلمانوں تم نبی پر درود و سلام پڑھو۔

(پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۵۶)

یہاں صلوا علیہ میں نماز مراد نہیں بلکہ درود دعا مراد ہے کیونکہ اس کے بعد علی ارشاد ہے جب صلوۃ کے بعد علی ہو تو وہ بمعنی دعا، رحمت ہوتی ہے نہ کہ عرفی نماز اور ظاہر ہے کہ سورہ فاتحہ و تلاوت قرآنی عرفی نماز کا رکن ہے نہ کہ دعا کا دعا کے لئے تو حمد الٰہی درود شریف چاہئے چونکہ جنازہ درحقیقت دعا ہے نہ کہ عرفی نماز لہٰذا اس میں تلاوت قرآن کیسی اس لئے اس میں رکوع سجدہ نہیں اور اس میں میت کو آگے رکھا جاتا ہے۔

حدیث نمبر 1:۔ موطا امام مالک میں بروایۃ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔

ان ابن عمر كان لا يقرء في الصلوة على الجنازة۔ (فتح القدير)

ترجمہ: سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

(مؤطاء امام مالک کتاب الجنائز باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ج ۱ ص ۲۲۸ رقم الحدیث ۵۳۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حدیث نمبر ۲:۔ اسی موطاء امام مالک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عمن سئل اباهريرة كيف يصلي على الجنازة فقال ابوهريرة انا لعمرك اخبرك اتبعها من عند اهلها فاذا وضعت كبرت وحمدت الله صليت على نبيه ثم اقول اللهم عبدك وابن عبدك وابن امتك كان يشهد الخ۔ (فتح)

ترجمہ: روایت ہے اس سے جس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وہ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں تو آپ نے فرمایا تمہاری عمر کی قسم میں بتاتا ہوں میں میت کے گھر سے اس کے ساتھ جاتا ہوں جب میت رکھی جاتی ہے تو تکبیریں کہتا ہوں اور اللہ کی حمد اس کے نبی ﷺ پر درود عرض کرتا ہوں۔ پھر یہ دعا پڑھتا ہوں الٰہی تیرا یہ بندہ تیرے فلانے بندے فلانی بندی کا لڑکا توحید و رسالت کی گواہی دیتا تھا۔ الخ۔

(مؤطاء امام مالک کتاب الجنائز باب مایقول المصلی علی الجنازۃ ج ۱ص ۲۲۸ رقم الحدیث ۵۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

غور کرو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بتائی ہوئی نماز میں حمد درود دعا کا ذکر تو ہے۔ مگر تلاوت قرآن کا بالکل ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے۔

حدیث نمبر ۴۳:۔ ابوداؤد و ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا۔

قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔

ترجمہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو اس کے لئے خاص دعا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ص ۴۸۰ رقم الحدیث ۱۴۹۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابی داؤد ج ۳ص ۲۱۰ رقم الحدیث ۳۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہم لوگ اس حدیث کے معنی کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھ لو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا مانگو اس سے دعا بعد نماز جنازہ کا ثبوت ہے مگر حضرات وہابی اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ جب تم میت پر نماز پڑھو تو نماز میں خالص دعا کرو۔

ان کے اس معنی سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہیں صرف دعا ہے کہ خالص اس کو کہا جاتا ہے کہ جس میں اور چیز کی ملاوٹ نہ ہو تو ان کے ہاں مطلب یہ ہے کہ جیسے نمازوں میں تلاوت، رکوع، سجدہ، التحیات و دعا وغیرہ سب کچھ ہوتی ہے اس جنازہ کی نماز میں بجز دعا کہ کچھ نہ ہو رہی حمد و درود یہ دعا کے توابع سے ہے کہ دعا کے اداب میں سے ہے۔ بہر حال یہ حدیث ان کے معنی سے ہی انہی کے خلاف ہے۔ اور احناف کی تائید کرتی ہے۔

حدیث نمبر ۱۶۵:۔ عینی شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۵۴ باب قراءۃ الفاتحہ علی الجنازۃ میں حسب ذیل احادیث ہیں۔

وممن کان لا یقرء فی الصلوۃ علی الجنازۃ و ینکر عمر ابن الخطاب وعلی ابن ابی طالب وابن عمر وابوھریرۃ ومن التابعین عطاء وطاء وس وسعید وابن المسیب وابن سیرین و سعید ابن جبیر والشعبی والحکم قال ابن المنذر وبہ قال مجاھد و حملد والثوری وقال مالک قراۃ الفاتحۃ لیست معمولا بھا فی بلدنا فی صلوۃ الجنازۃ۔

ترجمہ: اور جو حضرات نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ کرتے تھے اور اس کا انکار کرتے تھے ان میں حضرت عمر ابن خطاب، علی ابن ابی طالب، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم ہیں اور تابعین میں سے حضرت عطاء طاؤس۔ سعید ابن مسیب، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، امام شعبی اور حکم ہیں۔ ابن منذر کہتے ہیں کہ یہ ہی قول مجاہد اور حماد ثوری کا ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے کہ ہمارے شہر (مدینہ منورہ) میں نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھنے کا رواج نہیں۔

(عینی شرح بخاری باب قراءۃ الفاتحۃ علی الجنازۃ ج ۲ص ۱۵۴)

عقل کا تقاضا بھی یہ ہی ہے کہ نماز جنازہ میں تلاوت قرآن نہ ہو کیونکہ عام نمازوں میں جیسے تلاوت قرآن رکن ہے ویسے ہی انہیں رکوع، سجدہ التحیات میں بیٹھنا بھی رکن ہے اور ان نمازوں میں قبر یا میت یا کسی زندہ آدمی کا منہ اپنے سامنے ہونا حرام ہے نماز جنازہ میں نہ تو رکوع۔ سجود التحیات ہے اور یہ نماز میت کو آگے رکھ کر ادا کی جاتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نماز درحقیقت دعا ہے اور دعا میں حمد درود تو ہے مگر تلاوت قرآن نہیں لہذا نماز جنازہ میں تلاوت بھی نہیں وہابی حضرات کو چاہئے کہ جب نماز جنازہ میں تلاوت کرتے ہیں تو رکوع سجدہ بھی کیا کریں ہمارے ہاں پنجاب میں نماز جنازہ شروع ہوتے وقت پکار کر ایک آدمی نیت کی یوں تلقین کرتا ہے نماز جنازہ فرض کفایہ ثناء واسطے

اللہ تعالیٰ کے درود واسطے نبی کریم ﷺ کے دعا واسطے حاضر میت کے منہ طرف کعبہ شریف کے پیچھے اس امام کے اس سے معلوم ہوا کہ عام مسلمان نماز جنازہ کو حمد درود دعا کا مجموعہ ہی سمجھتے ہیں اسے مروجہ پنجگانہ نماز نہیں سمجھتے بہر حال نماز جنازہ میں تلاوت قرآن ممنوع ہے۔

دوسری فصل ......اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات

اب تک ہم کو جس قدر اعتراضات مل سکے ہیں ان کے جوابات عرض کرتے ہیں اگر بعد میں کوئی نیا اعتراض ملا تو انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں اس کا جواب دے دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۱:۔ مشکوۃ شریف باب نماز جنازہ میں بحوالہ بخاری شریف ہے۔

عن طلحة ابن عبدالله ابن عوف قال صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرء بفاتحة الكتاب وقال لتعلموا انها سنة۔

ترجمہ: روایت ہے طلحہ ابن عبداللہ ابن عوف سے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور فرمایا میں نے اس لئے پڑھی کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۲۱۰ رقم الحدیث ۳۱۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ سنت رسول اللہ ہے اور صحابہ کا عمل۔

جواب:۔ اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ اس روایت میں یہ نہیں آیا کہ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ کے اندر سورہ فاتحہ پڑھی بلکہ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بعد میت کو ایصال ثواب کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ فقرء کی ف سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ ف تعقیب کی ہے، دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جائے کہ نماز کے اندر ہی پڑھی تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ کس تکبیر کے بعد پڑھی، تیسرے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کوئی تکبیر بھی مقرر کرلو تو یہ پتہ نہیں لگتا کہ بنیت حمد وثناء پڑھی یا بنیت تلاوت بنیت دعاء وتلاوت پڑھنا ہم بھی جائز کہتے ہیں چوتھے یہ کہ آپ کے سورہ فاتحہ پڑھنے پر سارے حاضرین صحابہ وتابعین کو سخت تعجب ہوا تب ہی تو آپ نے معذرت کے طور پر کہا کہ میں نے یہ عمل اس لئے کیا تا کہ تم جان لو یہ سنت ہے۔ پتہ چلا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے سنت جانتے تھے اسی لئے آپ کو یہ معذرت کرنا پڑھی۔ پانچویں یہ کہ آپ نے یوں نہ فرمایا کہ یہ سنت رسول اللہ ہے۔ بلکہ لغوی معنی میں سنت فرمایا یعنی یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ بجائے دوسری ثناء اور دعا کے سورہ فاتحہ پڑھ لی جائے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ نبی کریم ﷺ سے کہیں ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھی ہو، ساتویں یہ کہ بجز سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کسی صحابی سے جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں بلکہ نہ پڑھنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم فصل اول میں عرض کر چکے ہیں۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے۔

نبی ﷺ سے جنازہ میں قرات ثابت نہیں بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ بالکل مجمل ہے جس میں بہت سے احتمالات ہیں۔

اعتراض نمبر ۲:۔ مشکوۃ شریف، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے۔

ان النبی ﷺ قرء على الجنازة بفاتحة الكتاب۔

ترجمہ: کہ نبی ﷺ نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

(سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت رسول اللہ ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کی اسناد میں ابراہیم ابن عثمان واسطی ہے جو محدثین کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

قال ابو عیسی حدیث ابن عباس حدیث لیس اسناده بذالك القوی ابراهیم ابن عثمان هو ابو شیبة منکر الحدیث۔

ترجمہ: ابوعیسیٰ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث اسناداً قوی نہیں ابراہیم ابن عثمان منکر حدیث ہیں۔
(سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۴۵ رقم الحدیث ۱۰۲۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

دوسرے یہ کہ ابوداؤد نے یہ حدیث نقل نہیں کی بلکہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث موقوف نقل فرمائی ہے صاحب مشکوۃ غلطی سے ابوداؤد کا نام لے گئے (مرقاۃ) تیسرے یہ کہ اگر حدیث صحیح بھی مان لو تو بھی اس سے نماز جنازہ کی اندر سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہوتا ہو سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز سے آگے یا پیچھے میت کے ایصال ثواب کے لئے سورہ فاتحہ پڑھی ہو۔ یہاں اس کا بیان ہے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است۔

ترجمہ: یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ نبی ﷺ نے نماز جنازہ سے پہلے یا بعد جنازہ پر برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ اب بھی رواج ہے۔
(اشعۃ اللمعات فارسی ج ۱ ص ۷۳۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

بہر حال اس حدیث سے جنازہ میں تلاوت فاتحہ کا ثبوت ہرگز نہیں ہوتا تعجب ہے کہ حضرات اہل حدیث ہم لوگوں سے جواز یا استحباب کرنے کے لئے نہایت کھری صحیح ٹکسالی حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور خود وجوب ثابت کرنے کے لئے ایسی مجمل اور منکر وضعیف حدیثیں پیش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انصاف کی توفیق دے۔

اعتراض نمبر ۲:۔ جب تم نماز جنازہ کو نماز کہتے ہو تو اس میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب مانو۔ حدیث شریف میں ہے۔ لا صلوۃ الا بفاتحة الکتاب (بغیر سورہ فاتحہ کوئی نماز نہیں ہوتی۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۷۲۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

نماز جنازہ بھی نماز ہے یہ بھی بغیر سورہ فاتحہ نہ ہونی چاہیے۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ نماز جنازہ میں رکوع سجدہ بھی کیا کریں کیونکہ نمازوں میں یہ بھی فرض ہے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ نماز جنازہ نہیں بلکہ دعا ہے اسے نماز کہنا صرف اس لئے ہے کہ اس میں نماز کی بعض شرطیں ملحوظ ہیں، جیسے وضو قبلہ کو رخ، اگر یہ نماز ہوتی تو اس میں میت کو بھی آگے نہ رکھا جاتا۔



خاتمہ

آخر کتاب میں ہم چند اہم ضروری مسائل عرض کرتے ہیں جن سے اہل سنت احناف کے دل باغ باغ ہو جاویں، گلشن تقلید کے ایسے پھول سنگھاتے ہیں، جن سے ان کے دماغ ایمان مہک جاویں کیونکہ وہابی غیر مقلدین کی خشک گفتگو سنتے سنتے دل گھبرا گیا۔

پہلا مسئلہ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب

غیر مقلد وہابی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن ہیں۔ ان کے مسائل پر پھبتیاں کستے اور مذاق اڑاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت سگ، اور تاریخ وفات بوکم جہاں پاک لکھی ہے نعوذ باللہ اسی کے جواب میں بعض احناف نے کہا وہابی اور گد کے عدد ایک ہی ہیں یعنی ۲۴ گد بھی مردار خور ہے اور یہ لوگ بھی گزرے ہوئے بزرگوں کے تبرائی غیبت کو قرآن کریم نے مرے بھائی کا گوشت کھانا قرار دیا ہے۔ خیال رہے کہ وہابی کے عدد چوبیس چوہے کے عدد چوبیس وہابی چوہے کی طرح دین کترتے ہیں گد کی طرح غیبت کر کے مراد کھاتے ہیں۔ مجھے اس سے صدمہ ہوا، دل نہ چاہا کہ اس عالی جناب کے کچھ حالات اور مناقب مسلمانوں کو سناؤں اور بتاؤں کہ حضرت امام کا اسلام میں کیا درجہ و منزلت ہے شائد رب تعالیٰ ان بزرگوں کی مداح خوانی کو میرے لئے کفارہ سیات بنادے اور مجھے ان بزرگوں کے غلاموں میں حشر نصیب فرماوے۔ مسلمان اپنے امام کے مناقب سنیں اور ایمان تازہ کریں۔

حاشیہ......☆

شان امام اعظم رضی اللہ عنہ

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

کہ آپ امام اعظم فقیہ عراق ہیں۔ نعمان آپ کا نام ہے ثابت آپ کے والد کا نام ہے۔ ۸۰ ہجری میں ولادت ہوئی۔ ۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی کئی بار آپ نے زیارت کی ہے۔ آپ حضرت عطاء نافع، عبدالرحمٰن بن ہرمز، عدی بن ثابت، سلمہ بن کھیل، ابوجعفر محمد بن علی، قتادہ، عمرو بن دینار اور ابو اسحاق وخلق کثیر کے آپ شاگرد ہیں۔

آپ کے شاگردوں میں امام زفر بن ہذیل، داؤد طائی، قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، اسد بن عمرو، حسن بن زیاد، نوح الجامع، ابو مطیع بلخی اور کئی لوگ شامل ہیں۔ آپ نے امام حماد بن ابی سلیمان سے فقہ حاصل کی اور آپ کے شاگردوں میں جو حدیث میں شاگرد ہیں۔ حضرت وکیع، یزید بن ہارون، سعد بن صلت، ابو عاصم، امام عبدالرزاق، عبیداللہ بن موسیٰ، ابو نعیم، اور عبدالرحمٰن المقری شامل

حاشیہ......☆

ہیں۔امام ذھبی کہتے ہیں کہ آپ:

کان اماما ورعا عالماعاملا متعبدا کبیر الشان۔

ترجمہ: کہ آپ امام متقی عالم عامل عبادت گزار اور بہت بڑی شان والے ہیں۔

سئل یزید بن ھارون ایما افقه الثوری او ابو حنیفة فقال ابو حنیفة افقة۔

ترجمہ: یزید بن ھارون سے پوچھا گیا کہ امام ثوری بڑے فقیہہ ہیں یا امام ابوحنیفہ۔تو آپ نے فرمایا امام ابو حنیفہ بڑے فقیہ ہیں۔

امام ابن المبارک نے فرمایا:

ابو حنیفة افقه الناس قال الشافعی الناس عیال فی الفقه علی ابی حنیفة۔

ترجمہ: کہ آپ سب لوگوں سے بڑے فقیہہ ہیں۔یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

یزید بن ہارون نے کہا۔

مارایت احدا ورع ولا اعقل من ابی حنیفة۔

ترجمہ: کہ میں نے آپ سے بڑا پرہیزگار اور عقلمند نہیں دیکھا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا:

رحم الله ان ابا حنیفة کان اماما۔

ترجمہ: آپ نے فرمایا اللہ رحمت کرے بے شک ابوحنیفہ امام ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۸۔۱۶۹ مطبوعہ دار الصمیعی الریاض)

خطیب بغدادی کے استاد امام محدث قاضی عبداللہ حسین بن علی لکھتے ہیں کہ امام علی بن عاصم فرماتے ہیں۔

لووزن علم ابی حنیفة بعلم اهل زمانه لرجع علیهم۔

ترجمہ: اگر امام ابوحنیفہ کا علم ان کے تمام اہل زمانہ کے مجموعی علم سے تولا جائے تو یقیناً آپ کا علم ان سب کے علم سے بڑا ہوگا۔

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۹ مطبوعہ بیروت)

یہی امام علی بن عاصم فرماتے ہیں۔

لووزن عقل ابی حنیفة لبنصف عقل اهل الارض لرجع بهم۔

ترجمہ: اگر روئے زمین کے آدھے لوگوں کی عقل سے امام ابوحنیفہ کی عقل تولی جائے تو آپ کی عقل کا پلہ بھاری رہے گا۔

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۳۰ مطبوعہ بیروت)، (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تبییض الصحیفہ امام سیوطی اردو ص ۳۴۔۳۵ مطبوعہ دار الکتب الحنفیہ کراچی)

امام شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

قال مسعر رایت ابا حنیفة قرأ القرآن فی رکعة۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام الطبقة الخامسة عشرة جدید ج ۴ ص ۱۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کان ابو حنیفة خلف من مضی وماخلف والله علی وجه الارض مثله۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسلاف کرام کے صحیح جانشین تھے اور قسم بخدا انہوں نے اپنے بعد روئے زمین پر اپنی مثل کوئی نہ چھوڑا۔

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۳۶ مطبوعہ بیروت)

حاشیہ......☆

امام محدث قاضی عبداللہ حسین بن علی اپنی سند کے ساتھ نصر بن علی سے روایت کرتے ہیں کہ امام المحدثین "شعبہ" کو جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی تو افسوس سے انا للہ وانا الیہ راجعون آیت پڑھی اور پھر فرمانے لگے۔

لقد طفئ عن اھل الکوفۃ ضوء نور العلم اما انھم لا یرون مثلہ ابدا۔

ترجمہ: بے شک اہل کوفہ سے نور علم کی روشنی بجھ گئی۔ سن لو اب لوگ ابوحنیفہ کی مثل کبھی نہیں دیکھیں گے۔

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص ۲۷ مطبوعہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اپنی سند متصل کے ساتھ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

من اراد ان یعرف الفقہ فلیلزم ابا حنیفۃ واصحابہ فان الناس کلھم عیال علیہ فی الفقہ۔

ترجمہ: جو شخص فقہ و شرائع میں مہارت حاصل کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کو لازم پکڑے کیونکہ لوگ سب کے سب فقہ میں ان کے محتاج ہیں۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہی امام ابوبکر خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

محمد بن بشیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا تو وہ مجھ سے پوچھتے کہ کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سے یہ سن کر وہ فرماتے۔

لقد جئت من عند افقہ اھل الارض۔

ترجمہ: تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو روئے زمین پر سب سے زیادہ فقیہ ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تبییض الصحیفہ امام سیوطی اردو ص ۲۰ مطبوعہ دار الکتب الحنفیہ کراچی)

یہی امام ابوبکر خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن داؤد سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا۔

یجب علی اھل الاسلام ان یدعوا اللہ لابی حنیفۃ فی صلاتھم قال وذکر حفظہ علیھم السنن والفقہ۔

ترجمہ: تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنی نمازوں میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کے لئے سنن وفقہ کی حفاظت فرمائی ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تبییض الصحیفہ امام سیوطی اردو ص ۲۱ مطبوعہ دار الکتب الحنفیہ کراچی)

امام ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی متوفی ۴۷۶ھ لکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قیل لمالک رضی اللہ عنہ ھل رایت اباحنیفۃ قال نعم رایت رجلا لو کلمک فی ھذہ الساریۃ ان یجعلھا ذھبا لقام بحجتہ۔

ترجمہ: کہ کسی نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا آپ نے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ اگر وہ تم سے کہے، یہ سواری سونے کی ہے، تو وہ دلائل قائم کر کے ثابت کر سکتا ہے کہ یہ سونے کی ہے۔

(طبقات الفقہاء ج ۱ ص ۸۸ مطبوعہ دار القلم بیروت)، (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۷۔۳۳۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تبییض الصحیفہ امام سیوطی اردو ص ۱۹ مطبوعہ دار الکتب الحنفیہ کراچی)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت پر تین اقوال ملتے ہیں پہلا قول کے مطابق ۸۰ھ میں ہوئی۔ دوسرا قول ۷۰ھ میں ہوئی۔ تیسرا قول کے مطابق ۶۱ھ میں ہوئی۔ جمہور ائمہ کے ہاں یہ قول مقبول معروف اور مختار قول یہ کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت ۸۰ھ

حاشیہ......☆

امام یوسف بن اسماعیل النبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں۔

وقد بلغنا ان الامام الشافعی لمادخل بغداد وزار قبر الامام ابی حنیفة رضی اللّٰہ عنہما حضرته

امام اعظم کا نام ونسب:۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا نام شریف نعمان ابن ثابت ابن زوطی رضی اللہ عنہ ہے۔ حضرت زوطی یعنی امام کے دادا فارسی النسل ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عاشق زار اور آپ کے خاص مقربین بارگاہ میں سے تھے آپ ہی کی محبت سے کوفہ میں قیام اختیار کیا جو حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا حضرت زوطی اپنے فرزند حضرت ثابت کو جب بچہ تھے حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس دعا کے لئے لے گئے۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے ثابت کے لئے دعا فرمائی اور بہت برکت کی بشارت دی۔ حضرت امام حضور علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی کرامت وبشارت ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں بغداد میں وفات پائی خیرزان قبرستان میں دفن ہوئے آپ کی قبر زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ ستر سال عمر شریف ہوئی۔

صلاة الصبح فترك القنوت مع انه يقول به، فقيل له في ذلك. فقال استحييت من الامام ان اقنت بحضرته، وهو لا يقول به، فرضي اللّٰہ تعالى عن اهل الادب۔

ترجمہ: ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جب امام شافعی بغداد پہنچے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما کی قبر شریف کی زیارت کی اور جب صبح کی نماز کا وقت ہو گیا تو باوجود یکہ وہ خود صلوۃ فجر میں قنوت کے قائل تھے مگر اس کو ترک کر دیا۔ جب سوال کیا گیا کہ آپ نے قنوت کو ترک کیوں کیا ہے تو فرمایا مجھے ان امام اعظم سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے سامنے نماز فجر میں قنوت کروں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ فرضی اللہ عن اهل الادب۔

(شواھد الحق ص ۴۲۱ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)، (میزان الکبری ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوبکر خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

حدثنا حماد بن قريش قال سمعت اسد بن عمر يقول صلى ابو حنيفة فيما حفظ عليه صلاة الفجر بوضوء صلاة العشاء اربعين سنة فكان عامة الليل يقرأ جميع القرآن في ركعة واحدة وكان يسمع بكاؤه بالليل حتى يرحمه جيرانه وحفظ عليه انه ختم القرآن في الموضع الذي توفى فيه سبعة آلاف مرة۔

ترجمہ: حماد بن قریش سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسد بن عمرو کو فرماتے سنا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حفظ قرآن کے بعد چالیس سال تک عشاء کے وضو سے نماز فجر پڑھی ہے، اور عام راتوں میں دستور تھا کہ نماز کی پہلی رکعت میں پورا قرآن تلاوت کرتے تھے اور اس میں ان کی گریہ وزاری ایسی سنائی دیتی تھی کہ ہمسائے ان پر ترس کھا جاتے تھے اور جس مقام پر انہوں نے انتقال فرمایا ہے اس جگہ ستر ہزار مرتبہ قرآن کریم حافظہ سے ختم فرمایا ہے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تبییض الصحیفہ امام سیوطی اردو ص ۲۲ مطبوعہ دار الکتب الحنفیہ کراچی)

زمانہ بھر نے زمانہ بھر میں بہت تجسس کیا ولیکن
ملا نہ تم سا امام کوئی امام اعظم ابوحنیفہ

ہجری میں ہوئی۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے پوتے اسماعیل بن حماد بیان کرتے ہیں۔

ولد جدی فی سنة ثمانین۔

ترجمہ: میرے دادا ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سیر اعلام النبلاء ج ۶ ص ۳۹۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حضرت امام نے بہت صحابہ کا زمانہ پایا جن میں سے چار صحابہ سے ملاقات کی، انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو بصرے میں تھے، عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں تھے، سہیل ابن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ میں تھے ابو طفیل عامر ابن واصلہ رضی اللہ عنہ جو مکہ معظمہ میں تھے اس کے متعلق اور بھی روایات ہیں۔ مگر یہ قول راجح ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حماد رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے تلمیذ خاص اور مخصوص صحبت یافتہ ہیں۔ دو سال تک امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی معیت نصیب ہوئی۔

حضرت امام کو منصور بادشاہ کوفہ سے بغداد لایا۔ پھر آپ سے قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کرنے کی درخواست کی آپ نے انکار کیا اس پر آپ کو قید کر دیا اور قید میں ہی یہ آفتاب عالم وعمل غروب ہو گیا۔ رضی اللہ عنہ۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مناقب

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب ہماری حد وعد سے باہر ہیں۔ حضرت امام حضور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ اور حضرت امیر المومنین علی مرتضی حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی نہ مٹنے والی کرامت ہیں۔ امت مصطفویہ کے چراغ دینی مشکلات کو حل فرمانے والے ہیں۔ الحمد للہ اہل سنت احناف بڑے خوش نصیب ہیں ہمارا رسول اعظم ﷺ ہمارا پیر غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہمارا امام اعظم عظمت وعزت ہمارے ہی نصیب میں ہے۔ بفضلہ تعالیٰ وکرمہ ہم تبرک کے لئے چند مناقب عرض کرتے ہیں حنفی سنیں اور باغ باغ ہوں (۱) حضور سید عالم ﷺ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پیشنگوئی اور فضیلت نہایت اہتمام سے بیان فرمائی چنانچہ مسلم و بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابو نعیم، شیرازی، طبرانی نے قیس ابن ثابت ابن عبادہ رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

حاشیہ......☆

امام حسین بن علی الصمیری متوفی ۴۳۶ھ فرماتے ہیں۔

وقد ادرك ابوحنيفة من الصحابة ايضا عبدالله ابن ابى اوفى وابا الطفيل عامر بن واثلة وهما صحابيان۔

ترجمہ: امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہما کو بھی پایا ہے۔

(اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ للصمیری ص ۴ مطبوعہ مطبعۃ المعارف الشرقیہ حیدر آباد ہند)

امام ابن ماکولا متوفی ۴۷۵ھ لکھتے ہیں۔

انه ادرك اربعة من الصحابة۔

ترجمہ: آپ نے چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا تھا۔

(الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف فی الاسماء والکنی ج ۶ ص ۳۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ان اباحنيفة راى انس بن مالك وعبدالله بن الحارث بن جزء۔

لو کان الایمان عند الثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس وفی روایتہ البخاری والمسلم والذی نفسی بیدہ لو کان الدین معلقا بالثریا لتناولہ رجل من فارس۔

ترجمہ: اگر ایمان ثریا تارے کے پاس ہوتا تو فارسی اولادمیں سے بعض لوگ وہاں سے لے آتے مسلم و بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر دین ثریا تارے میں لٹکا ہوتا تو فارس کا ایک آدمی اسے حاصل کر لیتا۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضل فارس ج ۴ ص ۱۹۷۲ رقم الحدیث ۲۵۴۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۴ ص ۱۸۵۸، رقم الحدیث ۴۶۱۵ مطبوعہ دار قلم بیروت)، (سنن الترمذی کتاب التفسیر ج ۵ ص ۴۱۳ رقم الحدیث ۳۳۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۶ ص ۶۳ رقم الحدیث ۷۱۲۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مستدرک تفسیر سورۃ محمد ﷺ ج ۲ ص ۴۹۸ رقم الحدیث ۳۷۰۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شعب الایمان ج ۴ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۵۳۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۱۸ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۹۰۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

بتاؤ فارسی النسل میں اس شان کا امام اعظم نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کے سوا کون ہوا؟

(۲) علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ہے۔ خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ اس میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ترفع زینت الدنیا سنۃ خمسین ومائۃ۔

ترجمہ: سنہ ڈیڑھ سو میں دنیا کی زینت اٹھالی جاوے گی۔

(فتاوی شامی ج ۱ ص ۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)، (خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ ص مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سنہ ڈیڑھ سو میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات شریف ہے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ دنیائے شریعت کی زینت شریعت کی رونق علم و عمل کی زیبائش تھے امام کردری نے فرمایا کہ اس حدیث سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہی اشارہ ہے۔

(۳) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ دنیائے اسلام میں پہلے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے فقہ اور اجتہاد کی بنیاد رکھ کر ساری امت رسول پر احسان عظیم فرمایا باقی تمام ائمہ جیسے امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل وغیرہم رضی اللہ عنہم نے اسی بنیاد پر عمارت قائم کی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسلام میں جو اچھا و نیک طریقہ ایجاد کرے اسے اپنا بھی ثواب ملے گا اور تمام عمل کرنے والوں کا بھی۔

(۴) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ تمام فقہاء و محدثین کے بلا واسطہ یا بالواسطہ استاد ہیں یہ تمام حضرات امام اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سوتیلے بیٹے اور ان کے شاگرد ہیں ایسے ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام کی تصنیفات سے فیض حاصل کیا نیز امام بخاری محدثین کے استاد ہیں اور امام بخاری کے بہت استاذ و شیخ حنفی ہیں۔ گویا آسمان علم کے سورج امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں باقی علماء تارے۔

حاشیہ......☆ ••

ترجمہ: یقیناً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کی دیکھا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۱ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوسعید عبدالکریم بن محمد سمعانی متوفی ۵۶۲ھ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رای انس بن مالک۔

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی زیارت کی۔

(تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۵) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بلاواسطہ شاگرد ایک لاکھ سے زیادہ ہیں جن میں سے اکثر مجتہد ہیں جیسے امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر، امام ابن مبارک رحمہم اللہ جو دنیائے علم کے چمکتے ہوئے تارے ہیں حضرت امام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نوسونوے دینی شاندار کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں سے چھ کتابیں بڑے پائے کی ہیں۔ جنہیں کتب ظاہر الروایۃ کہا جاتا ہے۔ اور یہ تمام کتب فقہ کی اصل مانی جاتی ہیں۔

(۶) تمام نبیوں کے سردار چار نبی ہیں آسمانی صحیفوں کی سردار چار کتب فرشتوں کے سردار چار فرشتے صحابہ میں افضل واعلیٰ چار یار، علمائے مجتہدین میں افضل چار امام پھر ان چار نبیوں میں حضور افضل چار کتابوں میں قرآن افضل چار فرشتوں میں حضرت جبریل افضل چار یار میں ابوبکر صدیق افضل چار اماموں میں امام اعظم افضل اسی لئے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فقہاء ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں وہ ان سب کے والد۔

(۷) امام اعظم رضی اللہ عنہ جیسے آسمان علم کے سورج ہیں ویسے ہی میدان عمل کے شہسوار چنانچہ آپ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی چالیس سال ایسے روزے رکھے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی گھر سے کھانا لائے باہر طلباء کو کھلا دیا۔ گھر والا سمجھے کہ باہر جا کر کھایا باہر والے سمجھے کہ گھر میں کھا کر تشریف لائے۔ ہمیشہ ماہ رمضان میں اکسٹھ قرآن کریم ختم کرتے تھے۔ ایک قرآن دن میں ایک رات میں اور ایک سارے مہینہ میں تراویح میں مقتدیوں کے ساتھ پچپن حج کئے۔

(۸) امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مزار پر انوار قبول دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے چنانچہ حضرت امام شافعی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے۔ تو میں بغداد شریف امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار شریف پر حاضر ہوتا ہوں دو رکعت نفل پڑھ کر امام اعظم قدس سرہ کی قبر انور پر حاضر ہوتے۔ تو حنفی نماز پڑھتے تھے کہ قنوت نازلہ نہ پڑھتے تھے۔ کسی نے پوچھا اس کی وجہ کیا ہے فرمایا کہ اس قبر والے کا احترام وادب کرتا ہوں۔ شامی۔ خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد شریف میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مزار کے ادب میں سنت ترک فرما دیتے تھے مطلب یہ ہے کہ کوئی امام یا مقلد یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میں برحق ہوں، دوسرے آئمہ غلطی پر بلکہ اپنے حق ہونے کا ظن غالب کرتا ہے یہ بھی کہتا ہے کہ شائد دوسرے امام کا قول حق ہو عقائد میں یقین ہے اور آئمہ کے اختلافی مسائل میں ہر ایک کو ظن غالب ہے۔ تو گویا حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حاضر ہو کر اس پر عمل کیا جسے امام اعظم رضی اللہ عنہ سنت سمجھتے ہیں اس میں ایک سنت کا ترک دوسری سنت پر عمل ہے لہذا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۹) امام اعظم رضی اللہ عنہ نے سو بار رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ آخری بار جو دعا رب سے پوچھی اور رب نے جو جواب دیا، ردالمحتار میں تفصیل وار درج ہے۔

(۱۰) امت محمدیہ کے بڑے بڑے اولیاء اللہ غوث وقطب ابدال اوتاد حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں اور آپ کے مقلد ہیں جس قدر اولیاء مذہب حنفی میں ہیں دوسرے مذہب میں نہیں چنانچہ حضرت ابراہیم ابن ادھم شفیق بلخی معروف کرخی حضرت بایزید بسطامی فضیل ابن عیاض خراسانی داؤد ابن نصر، ابن نصیر ابن سلیمان طائی، ابو حامد لفاف خزردی بلخی خلف ابن ایوب، عبداللہ ابن مبارک ولی، فقیہ، محدث، وکیع ابن جراح شیخ الاسلام ابوبکر ابن وراق ترمذی جیسے سرداران اولیاء حنفی ہی ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے دامن سے وابستہ ہیں غرضیکہ مذہب حنفی مذہب اولیاء ہے آج بھی تقریباً سارے اولیاء اللہ حنفی ہی ہیں فخر پاک وہند حضرت داتا گنج بخش ہجویری رضی اللہ عنہ جن کا آستانہ مرجع خلائق ہے۔ حنفی تھے آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بڑے فضائل کشف سے بیان فرمائے اسی طرح تمام چشتی قادری نقشبندی سہروردی مشائخ سب حنفی ہیں۔

(۱۱) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب حنفی عالم میں اتنا شائع ہوا، اتنا پھیلا کہ جہاں اسلام ہے وہاں مذہب حنفی ہے اکثر

مسلمان حنفی ہیں حرمین طیبین میں اکثر حنفی بلکہ دنیائے اسلام کے بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں صرف حنفی مذہب ہی ہے دوسرے مذہب کو عوام جانتے بھی نہیں جیسے بلخ بخارا کابل قندھار اور تقریباً سارا ہندوستان اور پاکستان کہ یہاں شافعی حنبلی مالکی دیکھنے میں نہیں آئے کچھ غیر مقلد وہابی جو کہیں کے نہیں وہ دیکھے جاتے ہیں مگر یہ مٹھی بھر جماعت ایسی گم ہے کہ اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اس مقبولیت عام سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اور مذہب حنفی عند اللہ محبوب ہے۔

(۱۲) امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مخالفین نے بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب میں بہت عظیم الشان کتابیں لکھیں چنانچہ علامہ ابن حجر مکی نے خیرات الحسان فی ترجمۃ ابی النعمان لکھی اور سبط ابن جوزی نے کتاب الانتصار الامام آئمۃ الامصار دو جلدوں میں لکھی، امام جلال الدین سیوطی شافعی نے تبییض الصحیفہ فی المناقب ابی حنیفہ لکھی۔ علامہ یوسف ابن عبد الہادی حنبلی نے تنویر الصحیفہ فی ترجمۃ ابی حنیفہ تحریر فرمائی، جس میں ابن عبد اللہ کا قول نقل فرمایا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا عالم فقیہ متقی بہترین نہ دیکھا۔

غرضکہ امت مرحومہ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے فضل وکمال کے گواہ ہیں۔ اگر مٹھی بھر وہابی ان کی شان میں بکواس کریں تو کیا اعتبار اگر چمگادڑ سورج کو برا کہے تو سورج سیاہ نہیں ہو جاتا جیسے آج روافض حضرات صحابہ پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ ایسے ہی وہابی غیر مقلد حضرات امام رضی اللہ عنہ پر۔

(۱۳) تمام آئمہ مجتہدین میں حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ حضور ﷺ سے نہایت قریب ہے کہ آپ کی ولادت پاک سنہ ۸۰ ہجری میں ہے آپ تابعی ہیں آپ نے چار صحابہ سے ملاقات وروایت کی۔ جنہوں نے آپ کی تابعیت کا انکار کیا محض تعصب سے کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ جیسے صحابی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوفہ میں ہوں اور حضرت امام رضی اللہ عنہ ان سے نہ ملیں آج بزرگوں سے ملنے دنیا کھنچی آتی ہے۔ صحابہ کی شان کا کیا پوچھنا۔ بہر حال آپ تابعی ہیں۔ اور آپ کو صحیح حدیثیں حضور ﷺ سے ملیں خیر القرون میں ہوئے۔

خیال رہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت سنہ ۸۰ ہجری میں ہے۔ وفات سنہ ۱۵۰ ہجری میں عمر شریف ستر سال مزار شریف بغداد میں امام مالک کی ولادت سنہ ۹۰ ہجری میں وفات سنہ ۱۷۹ھ میں عمر شریف ۸۹ سال، مزار شریف مدینہ منورہ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کی ولادت شریف سنہ ۱۵۰ ہجری میں وفات سنہ ۲۰۴ ہجری عمر شریف ۵۴ سال، آپ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کے دن پیدا ہوئے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ کی ولادت شریف سنہ ۱۶۴ھ میں وفات سنہ ۲۴۱ھ میں، عمر شریف ۷۷ سال۔

(۱۴) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل بیت نبوت سے خاص فیوض وبرکات حاصل کئے جو دوسرے آئمہ کو حاصل نہ ہوئے۔ کیونکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی مجلس پاک میں دو سال حاضر رہے خود فرماتے ہیں۔ لولا السنتان للهلك النعمان اگر وہ دو سال نہ ملتے تو نعمان یعنی میں ہلاک ہو جاتا۔

(۱۵) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مظہر اتم ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اول ہیں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی امت کے مجتہد اول صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جامع قرآن ہیں امام اعظم رضی اللہ عنہ جامع مسائل فقہ اور قواعد دینیہ ہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے بعد پہلے عدل وانصاف کے قوانین خلافت کی بنیاد رکھی امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اجتہاد اور تفقہ کی بنیاد رکھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت مصطفوی کی بروقت مدد واعانت کی کہ انہیں اختلاف سے بچالیا شیرازہ بکھرنے نہ دیا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی اتنی بڑی مدد کی انہیں کفر والحاد زندقہ کی آندھیوں سے بچالیا۔ آج ان کے اجتہاد علمی کی برکت سے امت مسلمہ کفار ومرتدین کے فتنوں سے محفوظ ہے۔

(۱۶) جیسے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ سب کی گردن پر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا قدم ہے۔ آپ طریقت کے امام اول ہیں کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر

غوث اعظم درمیان اولیاء
چوں جناب مصطفی در انبیاء

ایسے ہی امام اعظم رضی اللہ عنہ تمام علماء کے سردار ہیں کہ تمام علماء شریف آپ کے زیر سایہ ہیں اسی لئے طریقت کے امام اول کا لقب غوث اعظم رضی اللہ عنہ ہوا اور شریعت کے امام اول کا لقب امام اعظم رضی اللہ عنہ بغداد شریف مجمع بحرین ہے کہ دونوں امام وہاں آرام فرما ہیں۔



دوسرا مسئلہ

تقلید کی اھمیت

ہم نے رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے جاء الحق حصہ اول میں مسئلہ تقلید بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے جس کا جواب آج تک وہابی غیر مقلدین سے نہ بن سکا اگر شوق ہو تو وہاں مطالعہ فرمادیں اس جگہ کتاب کی تکمیل کے لئے کچھ بطور اختصار تقلید کی ضرورت تقلید کے فوائد تقلید نہ کرنے کے نقصانات عرض کئے جاتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرماوے آمین۔

خیال رہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واکمل التحیۃ میں بعض وہ خوش نصیب لوگ ہیں۔ جنہیں حضور سید عالم ﷺ کی صحبت میسر ہوئی اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیدار یار کیا وہ حضرات آسمان نبوت کے تارے ساری امت کے ہادی وامام ہیں ان کے حق میں خود حضور انور ﷺ نے بشارت دی۔

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

ترجمہ: میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۳۷۷ برقم ۵۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مشکوۃ ص ۵۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مسند عبد بن حمید ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۷۸۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (الاعتقاد للبیہقی ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)

رب تعالیٰ نے انہیں اپنے حبیب ﷺ کی صحبت پاک کی برکت سے گمراہی بدعقیدگی فسق وفجور سے محفوظ ومامون رکھا خود ارشاد فرماتا ہے۔

والزمھم کلمۃ التقوی وکانوا احق بھا و اھلھا۔

ترجمہ: رب تعالیٰ نے ان صحابہ پر پرہیزگاری کا کلمہ لازم فرمایا اور وہ اس کے مستحق ہیں۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۲۶)

دوسری جگہ صحابہ کرام کو مخاطب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔

ترجمہ: اے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رب نے کفر وفسق اور گناہوں سے تمہارے دلوں میں نفرت ڈالدی۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت نمبر ۷)

اور تمام صحابہ سے رب نے جنتی ہونے کا وعدہ فرمالیا کہ ارشاد فرمایا۔

وکلا وعد اللہ الحسنی۔

ترجمہ: رب نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۹۵)

بلکہ رب تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو تمام جہان کے ایمان کا معیار بتایا جس کا ایمان ان کی طرح ہو وہ مومن ہے جس کا ایمان ان کے خلاف ہو وہ بے دین ہے کہ فرمایا۔

فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا۔

ترجمہ: اگر یہ لوگ تمہارے ایمان کی طرح ایمان لاویں تو ہدایت پر ہوں گے۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۳۷)

اگر صحابہ کرام کے فضائل ومراتب دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ بہر حال حضور ﷺ کی صحبت شریف کی برکت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل روشن سینے نورانی تھے وہ حضرات فرش پر قدسی صفات کے حامل تھے۔ نہ ان میں دینی جھگڑے تھے نہ بہت سے فرقے نہ مذہبی اختلاف نہ فتنے وفساد لہٰذا اس خیر القرون کو با قاعدہ تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ وہ تمام جہان کے امام تھے وہ کس کو تقلید کرتے۔

بعد میں مسلمانوں میں مذاہب کا اختلاف خیالات انتشار مسائل کی فراوانی فلسفہ ومنطق کا الحاق پیدا ہوا تب علماء ملت نے قرآن و حدیث سے مسائل استنباط فرمائے دین محمدی کے جزئیات کو آئینہ کی طرح صاف فرمادیا امت نے محسوس کیا کہ اب تقلید آئمہ کے بغیر چارہ نہیں غرضکہ بعد کے مسلمان تین قسم کے ہوگئے عوام علماء مجتہدین عوام نے علماء کی پیروی اور علماء نے آئمہ مجتہدین کی تقلید کو لازم وضروری سمجھا یہ تقلید واجتہاد ضروریات زمانہ کے لحاظ سے لازم ہوئی۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ اولاً جب تک ضرورت پیش نہ آئی صحابہ کرام نے قرآن کریم بھی کتابی شکل میں جمع نہ فرمایا عہد عثمانی میں جب ضرورت پڑی تو قرآن کتابی شکل میں جمع ہوا۔ پھر بہت عرصہ کے بعد قرآن میں زیر زبر لگائے گئے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد اس میں رکوع سیپارے مرتب کئے گئے کسی صحابی نے جمع حدیث اور حدیث کے اقسام واحکام بنانے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی بخاری مسلم وغیرہ عہد صحابہ کے بہت بعد کی کتابیں ہیں غرضکہ دینی ضرورتیں بڑھتی گئیں یہ چیزیں بنتی گئیں یہ ہی حال آئمہ کی تقلید کا ہے جیسے آج یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن کا جمع اعراب سیپارے بنانا۔ علم حدیث اور کتب حدیث بدعت ہیں عہد نبوی یا عہد صحابہ میں نہ تھے ایسے ہی یہ بھی) کہنا حماقت ہے کہ تقلید آئمہ اور علم فقہ بدعت ہے عہد صحابہ میں اس کا رواج نہ تھا۔ آج اگر جمع شدہ قرآن اور مسلم بخاری ضروری ہیں۔ تو اماموں کی تقلید بھی لازم ہے۔ ہم اس جگہ نہایت اختصار سے تقلید کی اہمیت قرآن۔ حدیث عمل امت۔ عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ سنیئے اور ایمان تازہ کیجئے رب فرماتا ہے۔

(۱) فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون۔

ترجمہ: پھر اگر تم نہ جانتے ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

(پارہ ۱۴ سورہ ۱۶ آیت نمبر ۴۳)

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ دینی بات میں اپنی اٹکل نہ لگائے ناواقف کو ضروری ہے کہ واقف سے پوچھے جاہل عالم سے پوچھے غیر مجتہد عالم مجتہد علماء سے دریافت کریں اس ہی کا نام تقلید ہے۔

(۲) يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے امر والے علماء کی۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۵۹)

قرآن کریم پر عمل اللہ کی اطاعت ہے حدیث شریف پر عمل حضور ﷺ کی فرمانبرداری اور فقہ پر عمل اولی الامر کی اطاعت ہے، یہ تینوں اطاعتیں ضروری ہیں امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ یہاں اولوالامر سے مراد علماء دین ہیں نہ کہ سلاطین کیوں کہ بادشاہوں پر علماء کی اطاعت بہر حال ضروری ہے۔ مگر علماء پر بادشاہوں کی اطاعت ہر حال میں واجب نہیں صرف انہی احکام میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہوں ایسے ہی حکام وسلاطین علماء سے احکام حاصل کریں گے۔

(۳) والسابقون الاولون من المهاجرين و الانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضو عنه۔

ترجمہ: اول سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اللہ ان سے راضی ہوا یہ اللہ سے راضی۔
(پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۰۰)

اس سے پتہ لگا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی تین جماعتوں سے راضی ہے۔ مہاجرین انصار اور تا قیامت ان کی اتباع وتقلید کرنے والے مسلمان غیر مقلدان تینوں جماعتوں سے خارج کیونکہ نہ تو وہ مہاجر صحابی ہیں نہ انصاری اور نہ ان کے مقلد ان کے نزدیک تقلید شرک ہے۔

(۴) واتبع سبیل من اناب الی۔

ترجمہ: اس کی راہ چلو جو میری طرف رجوع لایا۔

(پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت نمبر ۱۵)

اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اللہ کے مقبول بندوں کا راستہ اختیار کرے چاروں امام خود بھی اللہ کے مقبول بندے ہیں اور تمام اولیاء علماء صالحین مومنین ان کے مقلد لہذا تقلید مقبولوں کا راستہ ہے غیر مقلدین وہابیت مردودوں کا راستہ ہے۔

(۵) یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

(پارہ ۱۱ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۱۹)

معلوم ہوا کہ صرف ہمارا تقوی و پرہیزگاری بخشش کے لئے کافی نہیں پرہیزگاری کے ساتھ اچھوں کی سنگت بھی لازم ہے ورنہ راستہ میں ڈکیتی کا اندیشہ ہے چاروں امام اچھے ہیں اور امت کے سارے اچھوں نے تقلید کی سارے اولیاء علماء محدثین مفسرین مقلد گزرے، غیر مقلدوں میں اگر کوئی ولی گزرا ہو تو دکھادو، جس شاخ میں پھل پھول پتے نہ لگیں وہ چولھے کے لائق ہوتی ہے کیونکہ اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا ہے ایسے ہی جس فرقہ میں اولیاء اللہ نہ ہوں وہ دوزخ کے قابل ہے کیونکہ اس کا تعلق حضور ﷺ سے ٹوٹ چکا ہے۔

(۶) اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

ترجمہ: ہم کو ہدایت دے سیدھے راستہ کی ان کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔

(پارہ ۱ سورہ ۱ آیت نمبر ۵)

اس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ اس پر اولیاء اللہ علماء صالحین ہوں دیکھ لو سارے اولیاء صالحین مقلد ہیں حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ خواجہ اجمیری رضی اللہ عنہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ عنہ امام ترمذی وغیرہ جیسے پایہ کے بزرگ مقلدین گزرے لہذا تقلید سیدھا جنت کا راستہ ہے۔ اور وہابیت غیر مقلدیت ٹیڑھا راستہ جو دوزخ تک پہنچائے گا۔

(۷) ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصله جھنم۔

ترجمہ: جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے علاوہ دوسرا راستہ اختیار کرے جدھر وہ پھرے گا ہم ادھر ہی پھیر دینگے اور اسے دوزخ میں پہونچائینگے۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۱۱۵)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو سزا حضور ﷺ کی مخالفت کرنے والے کفار کی ہے، وہ ہی سزا ان کلمہ گو بے دینوں کی بھی ہے جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائیں تقلید عام مسلمانوں کا راستہ ہے غیر مقلدان سب سے علیحدہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔

(۸) و کذالك جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا۔

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور نبی تمہارے گواہ۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۴۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان رب تعالیٰ کے دنیا وآخرت میں گواہ ہیں جس آدمی یا جس راستہ یا جس مسئلہ کو عام مسلمان اچھا کہیں واقعی اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ واقعہ میں برا عام دیکھ لو۔ مسلمان تقلید کو اچھا کہتے ہیں مقلد ہیں اور غیر مقلدوں کو برا جانتے ہیں لہذا تقلید ہی اچھا راستہ ہے اور مقلدین اچھی جماعت۔

احادیث شریفہ

اس بارے میں احادیث بہت ہیں کچھ بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

حدیث نمبر ۱:۔ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذشذ فی النار۔ (مشکوۃ)۔

ترجمہ: بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں علیحدہ ہی جاوے گا۔

(ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج۴ص۴۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ مومن کو مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ رہنا چاہیئے جماعت سے علیحدگی دوزخ میں جانے کا راستہ ہے، عام المسلمین مقلد ہیں، غیر مقلد اپنا انجام سوچ لیں۔

حدیث نمبر ۲ تا ۴:۔ مسلم، ترمذی، احمد نے حضرت حارث اشعری سے روایت کی۔

من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔

ترجمہ: جو شخص بالشت برابر جماعت سے نکل گیا۔ اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الامارۃ الفصل الثانی ص۳۲۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

حدیث نمبر ۵:۔ مسلم و بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول الله ﷺ ان الایمان لیارز الی المدینة کما تار زالحیة الی جحرها۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ ایمان مدینہ منورہ کی طرف ایسا سمٹ آوے گا۔ جیسے سانپ اپنے سوراخ کی طرف۔

(مشکوۃ باب الاعتصام الفصل الاول ص۲۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے اسلام کا مرکز ہے۔ اور رہے گا۔ وہاں انشاء اللہ کبھی شرک نہ ہوگا الحمد للہ کہ سارے حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ میں سارے مسلمان متقلد تھے اور مقلد ہیں وہاں غیر مقلد ایک بھی نہیں نذیر حسین دہلوی شریف حسین کے زمانہ میں حرمین شریفین گئے غیر مقلدیت کی وجہ سے گرفتار کر لئے گئے وہاں تقیہ کر کے مقلد بن کر جان چھڑائی۔ پھر ہندوستان آکر غیر مقلد بن گئے نذیر حسین غیر مقلدوں کے سرگروہ گزرے ہیں۔ اب اگر چہ وہاں نجدیوں کی سلطنت ہے مگر نجدی بھی اپنے کو غیر مقلد کہتے ہوئے ڈرتے ہیں اپنے کو حنبلی کہتے ہیں۔ اگر تقلید شرک ہوتی تو حرمین طیبین اس سے پاک وصاف رہتے۔

حدیث نمبر ۶:۔ امام احمد نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

قال رسول الله ﷺ ان الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذ الشاة و القاصية و الناحية و اياكم و الشعاب وعليكم بالجماعة و العامة۔

ترجمہ: فرمایا نبی ﷺ نے کہ شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ جیسے بھیڑ یا ریوڑ سے علیحدہ رہنے والی یا کنارہ والی یا پچھڑ جانے والی کا شکار کرتا ہے ایسے ہی شیطان جماعت مسلمین سے الگ رہنے والے کا شکار کرتا ہے تم گھاٹیوں سے بچو جماعت اور عامۃ المسلمین کے ساتھ رہو۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ص۳۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

لا یجتمع امتی علی الضلالۃ وید اللہ علی الجماعۃ فان من شذ شذ فی النار۔

ترجمہ: میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہوگی، جماعت پر اللہ کی رحمت ہے جو جماعت سے الگ رہا وہ دوزخ میں الگ ہوکر جاوے گا۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنہ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۴۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی ج ۷ ص ۹۲ رقم الحدیث ۴۰۲۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے نجات کی طرف یہ صورت ہے کہ اپنے عقائد عامۃ المسلمین کے سے رکھے جو جماعت مسلمین سے الگ رہا شیطان کے شکار میں آگیا عام جماعت مسلمین مقلد ہے۔لہٰذا غیر مقلد رہنا جماعت مسلمین سے علیحدگی ہے۔

عمل مسلمین:۔ ہمیشہ سے ہر طبقہ کے مسلمان مقلد ہوئے محدثین مفسرین فقہاء اولیاء اللہ ان میں کوئی غیر مقلد وہابی نہیں چنانچہ امام قسطلانی اور تاج الدین سبکی نے صراحتاً امام نووی نے اشارۃً فرمایا کہ امام بخاری شافعی ہیں، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارقطنی وغیرہ تمام محدثین شافعی ہیں طحاوی، وامام زیلعی، عینی شارح بخاری، طیبی، علی قاری، عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم تمام محدثین حنفی ہیں۔

تفسیر کبیر، تفسیر خازن، بیضاوی، جلالین، تنویر المقیاس والے سارے مفسرین شافعی ہیں۔ تفسیر مدارک، تفسیر صاوی والے سارے مفسرین حنفی فقہاء اور اولیاء اللہ سارے کے سارے مقلد ہیں اور عام اولیاء حنفی ہیں جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، غیر مقلد وہابی سوچیں، کہ ان میں کتنے محدث، کتنے مفسر، کتنے فقہاء کتنے اولیاء ہیں ان کی جڑ کس زمین پر قائم ہے اور وہ کس درخت کی شاخ یا کس شاخ کا پھل ہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہ ہے کہ تقلید اشد ضروری فریضہ ہے اور غیر مقلدیت نجدیت زہر قاتل ہے ایمان کے لئے سخت خطرناک ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ قرآن وحدیث مسائل نکالنے کے لئے آسان نہیں ان سے مسائل کا استنباط سخت دشوار ہے اس ہی لئے رب تعالیٰ نے قرآن سکھانے کے لئے اتنے بڑے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا اگر اسے سمجھنے کے لئے صرف عقل انسانی کافی ہوتی تو اس کی تعلیم کے لئے حضور سید الانبیاء نہ بھیجے جاتے فرماتا ہے۔

یعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

ترجمہ: وہ رسول مسلمانوں کو قرآن وحکمت سکھاتے ہیں۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۲۹)

جیسے قرآن سمجھانے کے لئے حضور ﷺ بھیجے گئے ایسے ہی حدیث سمجھانے کے لئے آئمہ مجتہدین پیدا فرمائے گئے جو لوگ آج تقلید سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ وہ قرآن وحدیث میں ایسی ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ خدا کی پناہ میں نے بڑے بڑے غیر مقلد وہابیوں کو بارہا اعلان کیا کہ حدیث سمجھنا تو کیا تم صرف یہ ہی بتادو کہ حدیث اور سنت میں فرق کیا ہے۔ حدیث کسے کہتے ہیں اور سنت کسے تم اپنے کو اہل حدیث کہتے ہو۔ ہم اہل سنت ہیں بتاؤ تم میں ہم میں فرق کیا ہے۔ مگر یہ فرق حدیث سے ثابت کیا جاوے آج تک نہ بتا سکے اور انشاء اللہ قیامت تک نہ بتا سکیں گے۔ ہمارا اعلان عام ہے کہ آج بھی کوئی وہابی صاحب تکلیف کر کے جواب دیں حدیث سمجھنا اس سے مسائل نکالنا تو ان بیچاروں کو نصیب ہی کہاں صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کی چار حدیثیں بے سمجھے رٹ لیں، اور اہل حدیث بن گئے حدیث سمجھنا تو خدا کے فضل سے مقلدوں کا ہی کام ہے اگر فہم حدیث کا لطف اٹھانا ہے۔ تو ہمارے حاشیہ بخاری عربی یعنی نعیم الباری کا مطالعہ فرماؤ جس میں بفضلہ تعالیٰ ایک ایک حدیث سے آٹھ آٹھ دس دس مسائل کا استنباط کیا ہے کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ بطور مثال ایک عام مشہور مختصر سی حدیث پیش کرتا ہوں۔

احد جبل یحبنا ونحبہ۔

ترجمہ: احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱۱ رقم الحدیث ۱۳۹۳_۱۳۹۴_۱۳۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہم نے حسب ذیل مسائل شریعت وطریقت کے مستنبط کئے۔

(۱)......حضور ﷺ کی محبوبیت صرف انسانوں سے خاص نہیں بے عقل جانور بے جان لکڑی پتھر بھی حضور ﷺ کے چاہنے والے ہیں۔ حسن یوسف لاکھوں نے دیکھا، مگر عاشق صرف زلیخا حسن محمدی آج کسی نے نہ دیکھا مگر عاشق کروڑوں حضور ﷺ ساری مخلوق کے محبوب ہیں کیوں نہ ہوں کہ خالق کے محبوب ہیں۔

(۲)......جس انسان کو حضور ﷺ سے محبت نہ ہو وہ پتھروں سے زیادہ سخت اور جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے۔

(۳)...... جب حضور ﷺ پتھر کے دل کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں احد ہم سے محبت کرتا ہے تو انسانوں کے دل کے راز کیوں نہ جانیں ان سے کوئی غیب چھپا نہیں۔

(۴)......حضور ﷺ کی بارگاہ میں عشق ومحبت اور دلی کیفیت زبان سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ دل کی گہرائیوں کو جانتے ہیں احد نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر اس کے دل کا حال حضور ﷺ پر روشن تھا اگر حضور ﷺ انسانوں کے دلی حالات نہ جانیں تو کل قیامت میں شفاعت کیسے کریں گے۔ جو بھی حضور ﷺ سے شفاعت کی درخواست کرے تو حضور ﷺ فرماویں کہ مجھے خبر نہیں تو مومن تھا یا کافر شفاعت کیسے کروں کیونکہ بعض وہ بھی ہوں گے جو بغیر وضو کئے فوت ہوئے ان کے چہروں پر آثار وضو کی چمک نہ ہوگی۔

(۵)......تمام عبادتوں کا بدلہ جنت ہے مگر محبت مصطفوی کا نتیجہ محبت ہے کہ فرمایا احد ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں لہذا عشق رسول عبادات سے اعلیٰ ہے کہ اس کا بدلہ جنت والا محبوب ہے۔ بخاری شریف کی ایک اور حدیث سنو اور اس سے ایمانی وعرفانی مسائل کا استنباط ملاحظہ کرو ایمان تازہ کرو۔

حدیث:۔ حضور ﷺ دراز گوش پر سوار جارہے ہیں سامنے دو قبریں نمودار ہوئیں دراز گوش دو پاؤں سے کھڑا ہو گیا حضور ﷺ اتر پڑے اور فرمایا کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے جسے دیکھ کر خچر گھبرا گیا۔ ان میں سے ایک تو اونٹوں کا چرواہا تھا، جو اونٹوں کے پیشاب کے چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ دوسرا چغل خور تھا اس لئے عذاب قبر میں گرفتار ہوئے یہ فرما کر کھجور کی شاخ کی دو چیزیں فرمایا کر دونوں قبروں پر گاڑ دیں اور فرمایا کہ جب تک یہ تر ہیں، عذاب قبر میں تخفیف ہوگی۔

(صحیح البخاری ج ۱ص ۶۱۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم ج ۱ص ۱۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن ابی داؤد باب الاستبراء من البول ج ۱ص ۶ رقم الحدیث ۲۰۔۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی باب التنزہ عن البول ج ۱ص ۲۸۔۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۳۱ مطبوعہ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبری امام بیہقی باب التوقی عن البول ج ۱ص ۱۰۴ رقم الحدیث ۵۱۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۳۲۔۳۳ رقم الحدیث ۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ فی التوقی من البول ج ۱ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۱۳۰۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند ابی یعلی ج ۴ص ۴۳ رقم الحدیث ۲۰۵۰ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)، (مسند اسحاق بن راھویہ ج ۱ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۰۷ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)، (مسند احمد ج ۱ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۹۸۰ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (طبرانی الاوسط عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ج ۴ص ۱۱۳ رقم الحدیث ۳۷۴۷ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ص ۱۵۴ رقم الحدیث ۴۰۴ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۲ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۲ص ۴۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۳ص ۵۸۸ رقم الحدیث ۶۷۵۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (خصائص الکبری باب ما وقع فی غزوۃ ذات الرقاع من الآیات والمعجزات ج ۱ص ۳۷۱۔۳۷۲ ج ۲ص ۱۴۸۔۱۴۹ باب فیما اطلع علیہ من احوال البرزخ والجنۃ والنار غیر ما تقدم مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المنتقی لابن الجارود باب التنزہ فی الابدان والثیاب عن النجاسات ج ۱ص ۴۲ رقم الحدیث ۱۳۰ مطبوعہ مؤسسۃ الکتاب الثقافیہ بیروت)، (معجم الصحابہ ج ۳ص ۱۴۲۔۱۴۳ برقم ۱۱۱۷ مطبوعہ مکتبۃ الغرباء الاثریۃ المدینۃ المنورۃ)، (سنن الدارمی باب الاتقاء من البول ج ۱ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۷۳۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ باب التشدید فی البول ج ۱ص ۱۲۵ رقم الحدیث ۳۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فوائد:۔ اس حدیث سے چند فوائد حاصل ہوئے۔

(۱) حضور ﷺ کی چشم مبارک کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں آپ پس پردہ بھی دیکھتے ہیں دیکھو عذاب ہزاروں من مٹی کے نیچے یعنی قبر کے اندر

ہو رہا ہے مگر نگاہ پاک مصطفیٰ ﷺ قبر کے اوپر سے ملاحظہ فرما رہی ہے۔

(۲) جس جانور پر حضور ﷺ سوار ہو جاویں اس جانور کی آنکھ سے بھی حجاب اٹھا دیئے جاتے ہیں کہ خچر نے حضور ﷺ کی برکت سے قبر کا عذاب دیکھ لیا اور بھڑک گیا ورنہ ہمارے خچر دن رات قبرستان سے گزرتے ہیں نہیں بھڑکتے لہذا اگر حضور ﷺ کسی ولی پر نظر کرم فرما دیں تو اس کی نگاہ سے بھی غیبی حجاب اٹھا جائیں گے۔

(۳) حضور ﷺ ہر شخص کے ظاہر و خفیہ اگلے پچھلے تمام اعمال جانتے ہیں کہ فرما دیا کہ ایک چغل خور تھا دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا حالانکہ ان دونوں نے یہ اعمال حضور ﷺ کے سامنے نہ کئے تھے لہذا حضور ﷺ ہمارے ہر عمل سے خبردار ہیں۔

(۴) حضور ﷺ عذاب الٰہی سے بچانا عذاب دور کرانا بھی جانتے ہیں۔ گویا روحانی بیماریوں اور ان کے علاج سے خبردار ہیں کہ ان قبر والوں کا عذاب دفع کرنے کے لئے تر شاخیں قبروں پر گاڑھ کر فرمایا کہ اس سے عذاب ہلکا ہوگا۔

(۵) تر سبزہ کی تسبیح کی برکت سے مومن کا عذاب قبر ہلکا ہوتا ہے۔ لہذا اگر قبر پر تلاوت قرآن یا ذکر اللہ کیا جاوے تو میت کو فائدہ ہوگا۔ کیونکہ مومن کی تسبیح و تہلیل سے تر سبزہ کی تسبیح سے اعلیٰ ہے۔

(۶) اگرچہ خشک چیزیں بھی تسبیح پڑھتی ہیں وان من شیئی الا یسبح بحمدہ (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۴۴) مگر ان کی تسبیح سے عذاب قبر دفع نہیں ہوتا ذکر کی تاثیر کے لئے زبان بھی تاثیر والی چاہیئے لہذا وہابی وغیرہ خشکوں کی تلاوت قرآن وغیرہ بے فائدہ ہے مومن جس کے دل میں محبت مصطفیٰ کی تری و سبزی ہے اس کا ذکر تاثیر والا ہے۔

(۷) مومن کی قبر پر سبزہ پھول وغیرہ ڈالنا مفید ہے کہ اس سے قبر والے کو فائدہ ہے حضور ﷺ نے سبز شاخ قبر پر لگائی اور فرمایا جب تک کہ یہ تر رہے گی تب تک عذاب میں تخفیف ہوگی۔

(۸) حلال جانور کا پیشاب نجس ہے اس سے پرہیز ضروری ہے اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہیں دیکھو اونٹ حلال ہے مگر اس کی چھینٹیں عذاب قبر کا باعث ہوئیں۔

یہاں تک تو ہم نے آپ کو اپنے حاشیہ بخاری کی کچھ سیر کرائی اب ہمارے حاشیہ القرآن کی بھی کچھ سیر کر لو، صرف ایک آیت کے فوائد عرض کرتا ہوں۔

فماد لهم على موته الا دابة الارض تاكل منساته۔

ترجمہ: جنات کو حضرت سلیمان کی وفات نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے جو آپ کا عصا کھاتی تھی۔

(پارہ ۲۲ سورہ ۳۴ آیت نمبر ۱۴)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات بحالت نماز ہوئی بیت المقدس کی تعمیر ہو رہی تھی آپ اسی طرح لکڑی کے سہارے کھڑے رہے چھ ماہ کے بعد دیمک نے لاٹھی کھالی لاٹھی کرنے کی وجہ سے آپ کا جسم شریف زمین پر آ رہا۔ تب جنات جو بیت المقدس کی تعمیر کر رہے تھے۔ کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔

فائدے:۔ اس آیت اور واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

(۱) انبیاء کرام کے اجسام وفات کے بعد گلنے یا بگڑنے سے محفوظ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسم شریف چھ ماہ تک قائم رہا مگر کوئی فرق نہ آیا۔

(۲) انبیاء کرام کے اجسام شریفہ کو کیڑا نہیں کھا سکتا۔ دیکھو دیمک نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کھائی پاؤں شریف نہ کھایا لہذا

یعقوب علیہ السلام کو یقین تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیئے نے نہ کھایا یہ فرزند غلط کہہ رہے ہیں۔

(۳) پیغمبر کا کفن بھی گلنے میلا ہونیسے محفوظ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لباس شریف ان چھ ماہ میں نہ گلا میلا ہوا اور نہ جنابت کو آپ کی وفات کا پتہ چل جاتا۔

(۴) انبیاء کرام بعد وفات بھی دنیاوی و دینی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بعد وفات مسجد بیت المقدس کی تکمیل کرادی۔

(۵) دینی ضرورت کی وجہ سے پیغمبر کے دفن وکفن میں دیر لگا دینا سنت الٰہیہ ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے تکمیل مسجد کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بعد وفات چھ ماہ تک بغیر کفن دفن رکھا لہٰذا صحابہ کرام کا تکمیل خلافت کے لئے حضور ﷺ کے کفن و دفن میں تاخیر کرنا بالکل صحیح تھا کیونکہ تکمیل خلافت تکمیل مسجد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔

(۶) ہارٹ فیل یعنی اچانک موت اللہ کے نیک بندوں کے لئے عتاب نہیں بلکہ رحمت ہے دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی مگر رحمت تھی ہاں غافل کے لئے عذاب ہے کہ اسے توبہ کا وقت نہیں ملتا۔ لہٰذا حدیث شریف واضح ہے۔

ایک اور آیۂ کریمہ کے فوائد و مسائل سنو جو ہم نے اپنے اس حاشیہ القرآن میں بیان کئے۔ **اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربك** (پارہ ۳۰ سورہ ۱۱۰ آیت نمبر ۱۔۲۔۳) آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے اپنی دو خاص نعمتوں کا ذکر فرمایا اور ان کے شکریہ میں رب کی تسبیح وحمد کا حکم دیا ایک تو فتح مکہ دوسرے فتح کے دن اور اس کے بعد لوگوں کا جوق در جوق فوج در فوج اسلام قبول کرنا۔ اس آیت سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔

(۱) صحابہ کرام کی تعداد دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزار رہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں افواج یعنی فوجیں فرمایا دو چار آدمیوں کی فوجیں نہیں ہوتیں جیسے حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ رسول ہیں اور چار مرسل ایسے ہی صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں تین سو تیرہ بدر والے اور چار خلفاء راشدین جو کہے کہ مومن صحابہ کل چار پانچ تھے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔

(۲) فتح مکہ کے دن اور اس کے بعد ایمان لانے والوں کا ایمان رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہوا کہ انہیں رب نے فرمایا کہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہوگئے، ان کا داخل فی الدین ہو جانا قرآن سے ثابت ہوا لہٰذا ابوسفیان، ہند، عکرمہ، امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سچے پکے، مخلص مومن ہیں، جو ان کے ایمان کا انکار کرے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔

(۳) فتح مکہ کے دن ایمان لانے والوں میں سے کوئی مرتد نہ ہوا یہ حضرات ایمان پر قائم رہے ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا کیونکہ ان کے ایمان میں داخل ہونے کی یہ صریحی آیت موجود ہے اسلام سے نکل جانے کی کوئی آیت نہیں نیز رب تعالیٰ بجائے تسبیح وتحمید کے حکم کے یوں فرماتا کہ محبوب ان کے ایمان کا اعتبار نہ کریں یہ لوگ پھر جائیں گے اب جو تاریخی واقعہ ان کا کفر ثابت کرے وہ جھوٹا ہے کہ قرآن شریف کے خلاف ہے۔

وھابیو! بولو آج تک قرآن وحدیث کے ایسے ایمان افروز عارفانہ مسائل کسی وہابی صاحب کے ذہن شریف میں بھی آئے یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ نے مقلدوں کو ہی بخشی ہے۔ تم نے صرف غلط صلط ترجمے کرنا ہی سیکھے ہیں حنفی بھائیو! اگر تمہیں اس جیسے صدہا عارفانہ عاشقانہ ایمانی مسائل دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارا حاشیہ القرآن اردو اور حاشیہ بخاری انشراح بخاری عربی کا مطالعہ کرو۔

دوسرے یہ کہ قرآن وحدیث طلب ایمانی کی دوائیں ہیں جب طب یونانی کی دوائیں ہر شخص اپنی رائے سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو جان سے ہاتھ دھوئے گا۔ ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلہ نہیں نکال سکتا اگر نکالے گا تو وہابیوں کی طرح ایمان سے ہاتھ دھوئے گا۔

تیسرے یہ کہ قرآن وحدیث سمندر ہیں، جیسے سمندر سے ہر شخص موتی نہیں نکال سکتا، ایسے ہی قرآن وحدیث سے ہر شخص مسئلے نہیں،

نکال سکتا، تمہیں موتی سمندر سے نہ ملیں گے بلکہ جوہری کی دوکان سے ایسے ہی تمہیں مسائل قرآن وحدیث سے نہ ملیں گے، بلکہ امام ابوحنیفہ وشافعی وغیرہم رضی اللہ عنہم کی دوکانوں سے ملیں گے۔

چوتھے یہ کہ دنیا میں ہر شخص کسی پیشوا کا مقلد ہوتا ہے۔ کھانا پکانا، کپڑا سینا، پہننا، غرضکہ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں جس میں اس کے ماہروں کی تقلید نہ کی جاوے، دین تو دنیا سے کہیں اہم ہے اگر اس میں ہر شخص بے نکیلے اونٹ کی طرح بے قید ہو کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا ادھر چل دیا تو دین تباہ ہو جائے گا غیر مقلد وہابیوں کو چاہیئے کہ پاؤں میں ٹوپی، سر پر جوتا ٹانگوں میں کرتہ اور کندھے پر پائجامہ پہنا کریں کیونکہ عام لوگوں کی طرح لباس پہننے میں تقلید ہے، غیر مقلد یہ کیا بات ہے کہ آپ ہر کام میں ہر طرح مقلد اور صرف تین چار مسئلے۔ قرات خلف الامام رفع یدین وغیرہ ہیں۔ غیر مقلد اگر غیر مقلد ہو تو پورے بنو ہر کام انوکھا کرو، ہر بات نرالی کہو۔

پانچویں یہ کہ بظاہر احادیث میں اتنا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ ایک مسئلہ کے متعلق جب احادیث دیکھی جاویں تو چکرآ جاتا ہے اگر تقلید نہ کی جاوے صرف حدیثیں دیکھی جاویں، تو حیرانی ہوتی ہے کہ یا اللہ کیا کریں کدھر جائیں کوئی وہابی صاحب دو رکعت نماز ایسی پڑھ کر دکھادیں، جس میں ساری حدیثوں پر عمل ہو، ایک ایک مسئلہ پر دس دس قسم کی روائتیں موجود ہیں حضور ﷺ وتر ایک رکعت پڑھتے تھے تین یا پانچ پڑھتے تھے، سات پڑھتے تھے، نو گیارہ، تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اب غیر مقلد ایسی وتر پڑھ کر دکھادیں، کہ سب حدیثوں پر عمل ہو جاوے ایک وہابی صاحب نے آمین بالجہر کی ایک حدیث پڑھی میں نے آمین بالاخفاء کی پانچ پڑھ دیں بیچارے منہ تکتے رہ گئے یہ کام مجتہد کا ہے کہ دیکھے کون حدیث ناسخ ہے کون منسوخ کون حدیث ظاہری معنی پر ہے کون واجب التاویل، حدیث پر وہ عمل کرے جو مزاج شناس رسول ہو۔ اور راز دار پیغمبر یہ مزاج شناسی راز داری ہر ایرے غیرے کا کام نہیں۔

وھابی اور حدیث

غیر مقلدوں کا اصلی نام وہابی ہے لقب نجدی کیونکہ ان کا مورث اعلیٰ محمد ابن عبد الوہاب ہے جو نجد کا رہنے والا تھا، اگر نہیں مورث اعلیٰ کی طرف نسبت کیا جاوے تو وہابی کہا جاتا ہے اور اگر جائے پیدائش کی طرف نسبت دی جاوے تو نجدی جیسے مرزا غلام احمد قادیانی کی امت کو مرزائی بھی کہتے ہیں اور قادیانی بھی پہلی نسب مورث کی طرف ہے دوسری نسبت جائے پیدائش کی طرف اسی جماعت کی پیشین گوئی خود حضور انور ﷺ نے کی تھی کہ نجد کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔

هناك الزلازل والفتن ويخرج منها قرن الشيطان۔

ترجمہ: نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے، اور وہاں سے ایک شیطانی فرقہ نکلے گا۔

(صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ الفتنة من قبل المشرق ج ٦ ص ٢٥٩٨ رقم الحدیث ٦٦٨١ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن الترمذی کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ باب فی فضل الشام والیمن ج ٥ ص ٧٣٣ رقم الحدیث ٣٩٥٣ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ٢ ص ١١٨ رقم الحدیث ٥٩٨٧ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ١٦ ص ٢٩٠ رقم الحدیث ٧٣٠١ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ١٢ ص ٣٨٤ رقم الحدیث ١٣٤٢٢ مطبوعہ مطبعۃ الزہراء الحدیثہ عراق)، (الترغیب والترہیب ج ٤ ص ٢٩ رقم الحدیث ٤٦٦٦ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غرض کہ اس جماعت کا بانی محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہے اور اس کا ہندوستان میں پرورش کرنے والا اسماعیل دہلوی ہے، اس فرقہ کے حالات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہ لوگ عام مسلمانوں کو مشرک اور صرف اپنی جماعت کو موحد کہتے ہیں۔ مقلدوں کے جانی دشمن اور ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان اقدس میں تبرے کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث یا عامل بالحدیث کہتے ہیں یہ لوگ پہلے تو اپنے کو فخریہ طور پر وہابی

کہتے تھے، چنانچہ ان کی بہت کتب کے نام تحفہ وہابیہ وغیرہ ہیں مگر اب وہابی کے نام سے چڑتے ہیں ان کے عقائد و اعمال نہایت ہی گندے اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہیں ہم یہاں اہل حدیث نام پر مختصر سا تبصرہ کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نام بھی درست نہیں، مسلمانوں سے امید انصاف ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ سے امید قبول ہے۔

خیال رہے کہ دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہو سکتا ہی نہیں، کسی کا اہل حدیث یا عامل بالحدیث ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو نقیضین یا دو ضدیں کا جمع ہونا غیر ممکن کیونکہ حدیث کے لغوی معنی ہیں بات، گفتگو یا کلام رب فرماتا ہے۔

(۱) فبای حدیث بعدہ یومنون۔

ترجمہ: قرآن کے بعد کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔

(پارہ۲۹ سورہ۷۷ آیت نمبر۵۰)

(۲) اللہ نزل احسن الحدیث۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا۔

(پارہ۲۳ سورہ۳۹ آیت نمبر۲۳)

(۳) ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ۔

ترجمہ: بعض لوگ وہ ہیں، جو کھیل کی باتیں و ناول قصے خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکاویں۔

(پارہ۲۱ سورہ۳۱ آیت نمبر۶)

اس تیسری آیت میں ناول قصے کہانیوں کی حدیث فرمایا گیا ہے۔

اصطلاح شریعت میں حدیث اس کلام و عبارت کا نام ہے۔ جس میں حضور سید عالم ﷺ کے اقوال یا اعمال اسی طرح صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بیان کیے جاویں اس عامل بالحدیث فرقے سے سوال ہے کہ تم کونسی حدیث پر عامل ہو، لغوی پر یا اصطلاحی پر ہو اگر لغوی حدیث پر عامل ہو تو چاہیئے کہ ہر ناول گو قصہ خواں اہل حدیث ہو کہ وہ حدیث یعنی باتیں کرتا ہے ہر سچی جھوٹی بات پر عمل کرتا ہے اگر اصطلاحی حدیث پر عامل ہو تو پھر سوال یہ ہوگا کہ ہر حدیث پر عامل ہو یا بعض پر دوسری بات تو غلط ہے کیونکہ حضور ﷺ کے کسی نے کسی فرمان پر ہر شخص ہی عامل ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سچ نجات دیتا ہے جھوٹ ہلاک کرتا ہے ہر مشرک و کافر اس کا قائل ہے وہ سب ہی اہل حدیث ہو گئے تم حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمانوں کو اہل حدیث کیوں نہیں مانتے یہ تو ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں اگر اہل حدیث کے معنی ہیں حضور ﷺ کی ساری حدیثوں پر عمل کرنے والے تو یہ ناممکن ہے کیونکہ حضور ﷺ کی بعض حدیثیں منسوخ ہیں، بعض حدیثوں میں حضور ﷺ کے وہ خصوصی اعمال شریف بیان ہوئے جو حضور ﷺ کے لئے مباح یا فرض تھے ہمارے لئے حرام ہیں جیسے منبر پر نماز پڑھنا اونٹ پر طواف فرمانا۔ حضرت حسین سید الشہداء خاتم آل رضی اللہ عنہ کے لئے سجدہ دراز فرمانا۔ حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہ کو کندھے پر لے کر نماز پڑھنا نو بیویاں نکاح میں رکھنا، بغیر مہر نکاح ہونا ازواج میں عدل و مہر واجب نہ ہونا۔ بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کلمہ یوں پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ الخ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، یہ حضرات اسی حدیث پر عمل کر کے اس طرح کلمہ کا ورد نہیں کر سکتے، غرضکہ حدیث میں حضور ﷺ کے ایسے اقوال و اعمال بھی ذکر ہیں جو حضور ﷺ کے لئے کمال ہیں ہمارے لئے کفر۔

اسی طرح حضور ﷺ کے وہ افعال کریمہ جو نسیان یا اجتہادی خطاء سے سرزد ہوئے حدیث میں مذکور ہیں، عامل بالحدیث صاحبان کو چاہئے کہ ان پر بھی عمل کیا کریں۔ ہر حدیث پر جو عامل ہوئے بہر حال کوئی شخص ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتا جو اس معنی سے اپنے کو اہل

حدیث یا عامل بالحدیث کہے وہ غلط کہتا ہے جب نام ہی جھوٹ ہے تو اللہ کے فضل سے کام بھی سارے کھوٹے ہی ہوں گے، اسی لئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین۔

ترجمہ: لازم پکڑو میری اور خلفاء راشدین کی سنت کو۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنہ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

یہ نہ فرمایا کہ میری حدیث کو لازم پکڑو کیونکہ ہر حدیث لائق عمل نہیں ہر سنت لائق عمل ہے حضور ﷺ کے وہ اعمال طیبہ جو منسوخ بھی نہ ہوئے ہوں، حضور ﷺ سے خاص بھی نہ ہوں خطاء نسیانا بھی سرزد نہ ہوں بلکہ امت کے لئے لائق عمل ہوں، انہیں سنت کہا جاتا ہے۔ لہذا ہمارا نام اہل سنت بالکل حق و درست ہے کہ ہم بفضلہ تعالیٰ حضور ﷺ کی ہر سنت پر عامل ہیں مگر وہابیوں کا نام اہل حدیث بالکل غلط ہے۔ کہ ہر حدیث پر عمل ناممکن۔

اب حدیثوں کی یہ چھانٹ کہ کون سی حدیث منسوخ ہے کون محکم کون حدیث حضور ﷺ کی خصائص میں سے ہے، کون سب کی اتباع کے لئے کون فعل شریف اقتداء کے لئے ہے کون نہیں، کس فرمان کا کیا منشاء ہے۔ کس حدیث سے کیا مسئلہ صراحتاً ثابت ہے اور کون مسئلہ ارشارتاً کون دلالتاً کون اقتضاء یہ سب کچھ امام مجتہد ہی بتا سکتے ہیں۔ ہم جیسے عوام وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ جیسے قرآن پر عمل کرانا حدیث کا کام ہے ایسے ہی حدیث پر عمل کرانا امام مجتہد کا کام یوں سمجھو کہ حدیث شریف رب تک پہنچنے کا راستہ ہے اور امام مجتہد اس راستہ کا نور جیسے بغیر روشنی راہ طے نہیں ہوتا بغیر امام و مجتہد حضور ﷺ کی سنتوں پر عمل ناممکن ہے۔ اسی لئے علماء فرماتے ہیں۔

القرآن والحدیث یضلان الا بالمجتهد۔

ترجمہ: بغیر مجتہد قرآن و حدیث گمراہی کا باعث ہیں۔

رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے۔

یضل به کثیراً ویهدی به کثیراً۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قرآن کے ذریعہ بہت کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۶)

چکڑالوی اس ہی لئے گمراہ ہیں کہ وہ قرآن شریف بغیر حدیث کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے ہیں وہابی غیر مقلد اسی لئے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کہ یہ حدیث کو بغیر علم کی روشنی اور بغیر امام مجتہد کے نور کے سمجھنا چاہتے ہیں مقلدین اہل سنت کا انشاء اللہ بیڑا پار ہے کہ ان کے پاس کتاب اللہ بھی ہے سنت رسول اللہ بھی اور سراج امت امام مجتہد کا نور بھی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل حدیث بننا ناممکن اور جھوٹ ہے، اہل سنت بننا حق و درست ہے۔ اہل سنت وہ ہی ہو سکے گا جو کسی امام کا مقلد ہوگا۔ قیامت میں رب تعالیٰ بھی اپنے بندوں کو اماموں کے ساتھ پکارے گا۔ رب فرماتا ہے۔

یوم ندعوا کل اناس بامامهم۔

ترجمہ: اس دن ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۷۱)

خیال رکھو کہ قرآن و سنت کا سمندر ہم مقلد بھی عبور کرتے ہیں اور غیر مقلد وہابی بھی لیکن ہم تقلید کے جہاز کے ذریعہ جس کے ناخدا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی ذمہ داری پر سفر کر رہے ہیں، غیر مقلد وہابی خود اپنی ذمہ داری پر اس سمندر میں چھلانگ

لگارہے ہیں۔انشاءاللہ مقلدوں کا بیڑا پار ہے اور وہابیوں کا انجام غرقابی ہے۔

آخر میں ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کی پہلی عبادت نماز ہے، براہ مہربانی آپ احادیث صحیحہ کی روشنی میں بتادیں کہ فرض، واجب، سنت، مستحب، مکروہ تحریمی اور حرام میں کیا فرق ہے۔اور نماز میں کتنے فرض ہیں۔کتنے واجب، کتنی سنتیں، کتنے مستحبات کتنے مکروہ تنزیہی، کتنے مکروہ تحریمی اور کتنے حرام انشاءاللہ تا قیامت یہ تمام مسائل یہ حضرات حدیث سے نہیں بتا سکتے۔حالانکہ دن رات ان مسائل سے واسطہ ہوتا ہے تو دوستو ضد کیوں کرتے ہو، تقلید اختیار کرو۔جس میں دینی دونیا کی بھلائی ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ کتاب یکم رمضان سنہ ۱۳۷۶ھ اپریل سنہ ۱۹۵۷ء روز دوشنبہ کو شروع ہوکر ۳ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۶ھ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۷ھ بروز دوشنبہ یعنی دو ماہ دو دن میں اختتام کو پہنچی۔رب تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ اسے قبول فرمائے۔میرے لئے کفارہ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے۔مسلمانوں کے لئے اسے نافع بنائے جو کوئی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بے کس گنہگار کے لئے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے کہ اس ہی لالچ میں میں نے یہ محنت کی ہے۔

ولی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا محمد و آله واصحبه اجمعین امین برحمتك یا ارحم الراحمین۔

۲ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ یوم دوشنبہ مبارکہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء

احمد یار خاں اشرفی بدایونی

سرپرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات

اختتام حصہ دوم

حاشیہ......☆

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس کتاب مبارک کی تخریج ۱۱ رجب المرجب ۳ جولائی ۲۰۰۹ بروز ہفتہ رات اختتام کو پہنچی۔

دعا

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ یا اللہ! ہم تمام مسلمانوں کو مسلک اہل سنت و جماعت کے دامن سے وابستہ فرما۔اور عقیدہ اہل سنت و جماعت پر ہی ہماری حیات ووفات ہو۔اور ہر قسم کے فتنوں سے ہمیں محفوظ فرما۔

بحرمة الانبياء العظام و الاولياء الكرام أمين يا رب العالمين و صلى الله تعالى على سيدنا و محبوبنا و نبينا محمد و على اله و اصحابه و ازواجه و اتباعه الى يوم الدين۔

و اللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

سعید اللہ خان قادری

متعلم دارالعلوم غوثیہ پرانی سبزی منڈی

آستانہ عالیہ قادریہ غوثیہ پہاڑ گنج نارتھ ناظم آباد کراچی

حنفیوں کے لئے خوشخبری

گردن کا مسح کرنا بدعت نہیں
مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات
نفل پڑھنا مستحب نہیں

از

سعید اللہ خان قادری

گردن کا مسح کرنا بدعت نہیں

سوال:......کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ گردن کا مسح کرنا شرعاً کیسا ہے۔ایک غیر مقلد مولوی صاحب کہتے ہیں کہ گردن کا مسح جائز نہیں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے المجموع میں اس کو بدعت کہا ہے۔

جواب بعون الملک الوہاب

نحمده ونصلي ونسلم علی رسوله الکریم۔

گردن کا مسح کرنا بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

طلحة بن مصرف عن ابیه عن جده ثم ان رسول اللہ ﷺ توضا فمضمض ثلاثاً واستنشق ثلاثاً یاخذ لکل واحدة ماء جدیداً وغسل وجهه ثلاثاً فلما مسح رأسه حتی بلغ بهما الی اسفل عنقه من قبل قفاه۔

(طبرانی کبیر ج ۱۹ ص ۱۸۰ رقم الحدیث ۴۰۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن عبدالرحمن بن مهدی عن المسعودی عن القاسم بن عبدالرحمن عن موسی بن طلحة قال من مسح قفاه مع راسه وقی الغل یوم القیامة قلت فیحتمل ان یقال هذا وان کان موقوفا فله حکم الرفع لان هذا لا یقال من قبل الرأی فهو علی هذا مرسل۔

ترجمہ:......حضرت موسیٰ بن طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس نے گردن سمیت سر کا مسح کیا وہ قیامت کے دن گردن میں بیڑیاں پہنانے سے بچ گیا۔امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے چونکہ ظاہر ہے کہ ایسی بات اپنی طرف سے تو نہیں کہی جا سکتی۔

(تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۹۲ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں یہ الفاظ ہیں مسح رقبتہ آپ ﷺ نے اپنی گردن مبارک کا مسح کیا۔
(کشف الاستار ج ۱ ص ۱۴۰)

غیر مقلدوں کے امام شوکانی لکھتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

ان النبی ﷺ قال من توضا ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة وقال ان شآء اللہ هذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ:......حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کا مسح کیا قیامت کے دن گردن میں زنجیر سے بچ گیا۔اور ان شآء اللہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب مسح العنق ج ۱ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۹۲ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو بدعت کہنا غلط ہے اس لئے کہ جب احادیث مبارکہ میں اس کا ثبوت ہے تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے۔اور یہ بات خود امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ اگر چہ وہ احادیث ضعیف ہیں مگر فضائل میں ضعیف حدیث مقبول ہوتی ہے اور یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں:

امام یحییٰ بن شرف نواوی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں۔

انهم قديروون عنهم احاديث الترغيب والترهيب وفضائل الاعمال والقصص واحاديث الزهد ومكارم الاخلاق ونحو ذالك ممّا لا تتعلق بالحلال والحرام وسائر الاحكام وهذا الضرب من الحديث يجوز عنداهل الحديث وغيرهم التساهل فيه ورواية ماسوى الموضوع منه والعمليه لان اصول ذالك صحيحة مقررة في الشروع معروفة عند اهله۔

ترجمہ:......حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہداور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال وحرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت کرنا اوران پرعمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصول شریعت میں صحیح ومقرراور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔

(شرح مسلم نووی ص۲۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں۔

قال العلمآء من المحدثين والفقهآء وغيرهم يجوز ويستحب العمل في الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف مالم يكن موضوعا۔

ترجمہ:......محدثین، فقہاءاور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال، ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پرعمل کرنا جائز ومستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

(الاذکار ص۷ ناشر مکتبہ سلفیہ پشاور)

امام ابن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں۔

الذی اطبق علیه ائمتنا الفقهاء والاصوليون والحفاظ ان الحديث الضعيف حجة في المناقب كما انه لم باجماع من يعتدبه حجة في فضائل الاعمال۔

ترجمہ:......ہمارے ائمہ فقہاء اصولیین اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل شمار علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف حجت ہوتی ہے۔

(تطہیر الجنان واللسان ص۱۳ مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

و يجوز عند اهل الحديث و غيرهم التساهل في الاسانيد الضعيفة و رواية ما سوى الموضوع من الضعيف والعمل به۔

ترجمہ:......اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم حدیث کی روایت اور اس پرعمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔

(تدریب الروی ص۲۹۸ مطبوعہ مکتبۃ الریاض الحدیثۃ۔الریاض)

معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔اور جو گردن کا مسح کرے گا اس کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

سعید اللہ خان قادری

مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعات نفل نماز پڑھنا مستحب نہیں

سوال:......علامہ صاحب ہمارا آپ سے سوال ہے کہ ریاض (سعودی عرب) سے ہمارے پاس چند غیر مقلدین مہمان تشریف لائے تھے انہوں نے ہم پر یہ اعتراض کیا کہ آپ لوگ مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے پہلے دو رکعت نفل کیوں نہیں پڑھتے۔ یہ دو رکعت پڑھنا سنت ہیں اور آپ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ دو رکعت سنت نہیں تو ان صاحب نے فرمایا کہ منع کی دلیل پیش کرو۔ علامہ صاحب اگر واقعی یہ دو رکعت نفل سنت نہیں تو اس کی کونسی دلیل ہے برائے مہربانی اصل کتاب حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائیں۔

سائل میاں گل سید سواتی ضلع سوات گاؤں فرحت آباد

جواب بعون الملک الوہاب

نحمده ونصلي ونسلم على رسوله الكريم۔

اس مسئلہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مغرب کی اذان کے بعد جماعت سے پہلے دو رکعت پڑھنا نہ سنت ہے نہ مستحب ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لم يستحبهما ابوبكر و عمر و عثمان وعلي و آخرون من الصحابة ومالك واكثر الفقهاء۔

ترجمہ:......ان دو رکعتوں (یعنی مغرب کی اذان کے بعد اور جماعت سے پہلے) کو نہیں مستحب جانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ کئی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء کرام رحمہم اللہ بھی اسی کو مستحب نہیں مانتے۔

(شرح مسلم للنووی ج۶ ص۱۲۳ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح مسلم للنووی ج۱ ص۲۷۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی طرح سنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے:

عن منصور عن ابراهيم قال لم يصل ابوبكر و عمر ولا عثمان رضي الله عنهم قبل المغرب ركعتين۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۴۷۶ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس روایت کے شروع میں ہے کہ امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ بھی ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر عمل کرتے تھے۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب فقال ما رايت احدا على عهد رسول الله ﷺ يصليها۔

ترجمہ:......حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا مغرب کی نماز سے قبل دو رکعتوں کے متعلق تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں میں نے کسی کو بھی یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(سنن ابوداؤد ج۲ ص۲۶ رقم الحدیث ۱۲۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج۲ ص۴۷۶ رقم الحدیث ۴۲۸۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

امام ابوبکر ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن قتادة عن سعيد بن المسيب قال ما رايت فقيها يصلي قبل المغرب الا سعد بن ابی وقاص۔

ترجمہ:...... حضرت سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی فقیہ کو مغرب کی نماز سے قبل یہ دو رکعتیں پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا سوائے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۳۵۷ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن قتادة قال قلت لسعيد بن المسيب ان اباسعيد الخدری كان يصلي الركعتين قبل المغرب فقال كان ينهٰى عنها ولم ادرك احداً من اصحاب رسول الله ﷺ يصليها غير سعد بن مالك رضي الله عنه۔

ترجمہ:...... حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے سعید بن میسب رحمۃ اللہ علیہ کو عرض کی کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ مغرب سے قبل دو رکعت پڑھتے تھے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انہیں اس سے منع کر دیا گیا تھا اور میں نے اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی ایک ایسے صحابی کو بھی نہیں پایا جو یہ نماز پڑھتا ہو۔ سوائے سعد بن مالک رضی اللہ عنہ کے۔

(شرح مشکل الآثار ج ۲ ص ۱۷۶ مطبوعہ بیروت)

بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

بين كل آذانين صلاة۔

ترجمہ:...... ہر دو اذانوں (یعنی اذان اور اقامت) کے درمیان نماز ہے۔ (بخاری)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک منسوخ ہے اس حدیث مبارکہ سے ملاحظہ فرمائیں:

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

حدثنا علی بن محمد المصری ثنا الحسن بن غليب نا عبد الغفار بن داؤد نا حيان بن عبيدالله نا عبدالله بن بريدة عن ابيه قال قال رسول الله ﷺ ان عند كل اذانين ركعتين ما خلا صلاة المغرب۔

ترجمہ:...... حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک ہر دو اذانوں کے مابین دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کی نماز کے۔

(سنن الدارقطنی باب الحث علی الرکوع بین الاذانین فی کل صلاۃ والرکعتین قبل المغرب والاختلاف فیہ ج ۱ ص ۲۶۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (شرح مشکل الآثار للطحاوی ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ بیروت)

امام ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے یہ باب باندھا ہے حدیث آخر فی الرکعتین قبل المغرب کہ مغرب سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا۔ اس باب کے تحت وہ احادیث لائے جن میں ان دو رکعتوں کی رخصت ہے اس کے بعد باب باندھتے ہیں الخلاف فی ذلک کہ ان مذکورہ روایات کے خلاف جو روایت ہے۔ اس باب میں اپنی سند کے ساتھ یہی حدیث لائے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

(کتاب الناسخ والمنسوخ للامام ابن شاہین ص ۱۶۳۔۱۶۴ مطبوعہ بیروت لبنان)

معلوم ہوا کہ سنن الدارقطنی والی روایت ناسخ ہے اور رخصت والی روایت منسوخ ہیں۔ تو ناسخ پر عمل چاہئے نہ کہ منسوخ پر۔

واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلیٰ اعلم بالصواب

سعید اللہ خان قادری

حنفیوں کے لئے خوشخبری

امام المسلمین امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا مقام عطا فرمایا ہے بڑے سے بڑا محدث اور فقیہ ان کی شان کو نہ پہنچ سکا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ غیر مقلدین ان سے دشمنی کر کے اپنی عاقبت خراب کر رہے ہیں یہ لوگ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سخت دشمن ہیں اور ہر وقت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں نقص وعیوب تلاش کرتے ہیں۔ پہلے انہوں نے کتاب الرد علی ابی حنیفہ ہندوستان سے چھپوائی اب انہوں نے پاکستان میں اس کو چھپوایا تا کہ لوگوں کے دلوں سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت کو ختم کر سکے۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اگر چہ بہت بڑے محدث اور ثقہ امام ہیں لیکن انہوں نے جو مصنف میں جو کتاب الرد علی ابی حنیفہ لکھی ہے یہ ایک عجیب بات ہے اس لئے کہ مصنف احادیث و آثار صحابہ کا مجموعہ ہے لیکن اس میں انہوں نے پوری ایک کتاب امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف لکھ ماری اور یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ حضور ﷺ کا قول یہ ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے یعنی حضور ﷺ جو فرماتے ہیں امام اعظم رضی اللہ عنہ بالکل ان کے خلاف فرماتے ہیں بلکہ ان کے خلاف اپنی رائے اور قیاس پیش کرتے ہیں مگر یہ ان غیر مقلدوں اور امام ابن ابی شیبہ کا صرف نام کا دعویٰ ہے حقیقت کچھ اور ہے۔ اصل میں غیر مقلدین حدیث کے صرف ظاہری الفاظ کا علم رکھتے ہیں لیکن قربان جاؤ سراج الامہ رضی اللہ عنہ پر کہ وہ احادیث کے صرف ظاہری الفاظ کو نہیں بلکہ احادیث کے مغز کو جانتے ہیں ان غیر مقلدوں کو حدیث کیا علم دنیا میں سب بڑے حدیث اور فقہ میں اگر امام ہے تو وہ میرے امام اعظم رضی اللہ عنہ ہیں اس کی ایک مثال اسی ابن ابی شیبہ کی کتاب الرد علی ابی حنیفہ میں دیکھیے۔ ابن ابی شیبہ نے ۱۲۴ مسائل امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف لکھے ہیں ان میں مسئلہ نمبر چار ۴ میں احادیث نقل کرتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی دشمنوں کے ملک میں قرآن شریف نہ لے جائے۔ مبادا کہ دشمنوں کے ہاتھ لگ جائے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کوئی ڈر نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے اس لئے یہ حدیث شروع اسلام کی ہے جب کفار کا زور تھا جب صحابہ ان کے ملکوں میں جاتے تو کفار ان مصحف کو جلا دیتے تھے اس لئے حضور ﷺ نے منع فرمایا لیکن جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ عطا فرمایا اور ہر جگہ مسلمانوں کی طاقت ہو گئی تب یہ خوف نہ رہا اس لئے بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ساتھ کفار کے ملکوں میں مصحف کو لے جاتے تھے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔

وقد سافر النبی ﷺ واصحابه فی ارض العدووهم یعلمون القرآن۔

یعنی حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کافروں کے ملک میں جاتے تھے اور وہ قرآن جانتے تھے۔ بعض روایت میں یعلمون القرآن بالتشدید آیا ہے یعنی صحابہ کرام ملک کفار میں سفر کرتے اور وہ قرآن پڑھاتے تھے۔ سب کو حفظ تو نہ تھا ممکن ہے کہ بعض صحابہ کے پاس قرآن لکھا ہوا ہو اگر چہ بعض ہی ہو اور وہ اس صیغے سے پڑھاتے ہوں تو بخاری نے استدلال کیا ہے کہ جب لکھے ہوئے سے پڑھانا جائز ہے تو ظاہر ہے کہ اسے لے جانا بھی جائز ہے جب کہ لشکر مامون ہو۔

ابن ابی شیبہ نے بعض جگہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا اور غلط مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا ہے مثلاً اسی مسئلہ میں دیکھئے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب نہیں جو ابن ابی شیبہ نے ذکر کیا ہے امام اعظم رضی اللہ عنہ مطلقا لا باس بہ نہیں فرماتے بلکہ وہ اس میں تفصیل کرتے ہیں کہ اگر لشکر چھوٹا ہو تو منع ہے کوئی شخص قرآن شریف اپنے ہمراہ نہ لے اگر لشکر بڑا ہو جس میں کفار کے غلبہ کا ڈر نہ ہو تو قرآن شریف کے لے جانے میں کوئی ڈر نہیں۔ اس حدیث میں جو لفظ مخافۃ ان ینالہ العدو ہے یہ نہی کی علت ہے

حضور علیہ السلام نے ممانعت کی علت بھی بیان فرمادی کہ نہی اس خوف کے لیے ہے کہ قرآن شریف دشمنوں کے ہاتھ نہ آجائے کہ وہ اس کی توہین کریں تو لشکر عظیم ہو تو کوئی ڈر نہیں ہدایہ شریف میں ہے۔

لاباس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کان عسکرا عظیما یومن علیه لان الغالب هو السلامة والغالب کالمتحقق ویکره اخراج ذلك فی سریة لایومن علیها۔

درمختار میں ہے۔

ونهینا عن اخراج ما یجب تعظیمه و یحرم الاستخفاف به کمصحف و کتب فقه و حدیث وامراة و لو عجوز المداواة وهو الاصح۔ آگے فرمایا **الا فی جیش یومن علیه فلا کراهة۔**

حاصل ترجمہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ قرآن مجید ہمراہ لے کر کافروں کے ملک میں سفر کرنا منع ہے البتہ اگر لشکر بڑا ہو جس پر کفار کی طرف سے سلامتی وامن کا ظن غالب ہو تو کوئی ڈر نہیں۔

اور دوم یہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب نہیں امام بخاری اور شافعیوں کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فیه النهی عن المسافرة بالمصحف الی ارض الکفار للعلة المذکورة فی الحدیث وهی خوف ان ینالوه فینتهکو احرمة فان امنت هذه العلة بان یدخل فی جیش المسلمین الظاهرین علیهم فلا کراهة ولا منع عنه حینئذ لعدم العلة هذا هو الصحیح وبه قال ابو حنیفة والبخاری واخرون۔

کہ جو علت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے اگر یہ نہ ہو یعنی مسلمانوں کا لشکر عظیم ہو جو کفار پر غالب ہوں تو کوئی ممانعت نہیں اور یہی صحیح ہے۔ امام ابوحنیفہ وامام بخاری ودیگر محدثین اسی کے قائل ہیں اس قول سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم رحمہ اللہ منفرد نہیں۔ بلکہ امام بخاری نووی شافعی ودیگر محدثین بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن ابن ابی شیبہ صرف امام اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو احادیث کے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ موقف نہ ہو۔ دیکھا قارئین امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان ومقام کی ایک جھلک جو کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف دلائل پیش کرتا ہے خدا کی قدرت اسی دلائل سے امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان ومقام ثابت ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا قول امام اعظم رضی اللہ عنہ نہ مانے بلکہ ان کے خلاف اپنی رائے اور قیاس پیش کرے امام اعظم رضی اللہ عنہ تو ضعیف کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقال ابن حزم جمیع اصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذهبه ان ضعیف الحدیث اولیٰ عنده من القیاس۔

ترجمہ:......ابن حزم فرماتے ہیں کہ تمام اصحاب امام ابی حنیفہ اس پر متفق ہیں کہ ضعیف حدیث امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نزدیک قیاس ورائے سے اولیٰ ہے۔

(الخیرات الحسان ص ۲۷)

غیر مقلد نواب حسن خان لکھتے ہیں۔

وذکر ابن حزم الاجماع علی ان مذهب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولیٰ عنده من الرائے و القیاس اذا لم یجد فی الباب غیره۔

ترجمہ:......ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع واقع ہو چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ ضعیف حدیث ان کے

نزدیک قیاس ورائے سے اولیٰ ہے جب کہ اس باب میں اس کے بغیر اور کچھ نہ مل سکے۔

(دلیل الطالب ص ۸۸۷)

بتائیے جو ضعیف حدیث کے سامنے قیاس کو نہیں مانتے تو کیا وہ صحیح احادیث کے خلاف اپنا قول پیش کرے گا؟

فقیر ناچیز حنفیوں کے غلام نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پیارے آقا ﷺ کی نظر عنایت سے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دعاؤں سے ابن ابی شیبہ کے تمام اعتراضات مفصل جوابات لکھے ہیں جو ایک ضخیم کتاب بن گئی ہے ان کے علاوہ اس کتاب میں غیر مقلدوں کے تمام اعتراضات اور جن علماء نے امام اعظم رضی اللہ عنہ پر جرح کی ہیں ان کے تمام اعتراضات کے مسکت جوابات لکھے ہیں ہر حنفی کو جاہئے کہ فقیر ناچیز کی تمام کتب کا مطالعہ فرمائیں اور اپنا ایمان اور مذہب ان ایمان اور مذہب کے لٹیروں سے بچائیں۔ اب یہاں پر ہم اہل احادیث کے چند عقائد اور مسائل ذکر کرتے ہیں تمام مسائل کو ذکر کرنے کے لئے الگ ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اس لیے طوالت کے خوف سے مختصراً چند عقائد اور مسائل ذکر کرتے ہیں۔

(1) انگریز سے ''وہابی'' نام کے بجائے اہل حدیث کی منظوری

اکابر وہابیہ سے انکے مقتدا محمد حسین بٹالوی نے انگریزوں سے ان کی خوشامد کر کے ان سے اعلان وفاداری کی بنا پر وہابیہ کا نام ''وہابی'' کے بجائے اہل حدیث منظور کروایا۔

وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں۔

چنانچہ یہ دعوی ارسال رسالہ مولوی محمد حسین بٹالوی کا سر ہنری وبونیس لفٹیننٹ گورنر بہادر ممالک پنجاب کے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا۔ بجواب درخواست مذکور لفٹیننٹ گورنر صاحب موصوف نے مولوی محمد حسین بٹالوی کا شکریہ خیر خواہی ادا کیا لیکن کسی مصلحت سے ایلچی کا روانہ کرنا پسند نہ کیا بعد اس کے فرقہ موحدین لاہور نے صاحب بہادر موصوف کی روبکاری میں استدعا پیش کی کہ موحدین جو لفظ بدنام وہابی سے پکارے جاتے ہیں اور اطلاق اس لفظ کا عامۃ موحدین پر کیا جاتا ہے سو بطور سرکاری اشتہار دیا جاوے کہ آئندہ فرقہ ہائے موحدین لفظ بدنام وہابی سے نہ مخاطب کئے جاویں چنانچہ لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ موحدین ہند پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ ہند عامۃ نہ ہو اور خصوص جو لوگ کہ وہابیان ملک ہزارہ سے نفرت ایمانی رکھتے ہیں اور گورنمنٹ ہند کے خیر خواہ ہیں ایسے فرقہ موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہو۔

وہابیہ کے مقتدا عبد المجید خادم سوہدروی لکھتے ہیں۔

(ترجمان وہابیہ ص ۶۲)

لفظ وہابی آپ (محمد حسین بٹالوی) ہی کی کوشش سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہل حدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔

(سیرت ثنائی حاشیہ ص ۳۵۲)

(2) وہابیوں کے امام ابن قیم لکھتے ہیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ عرش اور کرسی کے اوپر موجود ہے اللہ نے دونوں قدم کرسی پر رکھے ہیں۔

(قصیدہ نونیہ ص ۳۱)

غیر مقلدوں کے امام وحید الزماں لکھتے ہیں۔

وله (تعالى) وجه وعين ويد و كف وقبضة واصابع بمساحد وذراع و صدر وجنب وحقو وقدم ورجل وساق و كنف كما تليق بذاته المقدسة۔

اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی ذات مقدس کے لائق بلاتشبیہ یہ اعضاء ثابت ہیں۔ چہرہ، آنکھ، ہاتھ، مٹھی، کلائی، درمیانی انگلی کے وسط سے کہنی تک کا حصہ، سینہ، پہلو، کوکھ، پاؤں، ٹانگ، پنڈلی، دونوں بازو۔

(ہدیۃ المہدی ص۹)

(3) غیر مقلدوں کے نزدیک منی خون شراب پاک ہے۔

مولوی ابوالحسن لکھتے ہیں کہ مرد وعورت دونوں کی منی پاک ہے اور جب منی پاک ہے تو آیا اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اس میں دو قول ہیں۔

(فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۴۱)

غیر مقلدوں کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی لکھتے ہیں۔

وحدیث ولوغ کلب نجاست تمامہ کلب از لحم وعظم ودم وشعر وعرق نیست بلکہ ایں حکم فقط مختص بولوغ اوست الحاقش بقیاس ہر دلوغ سخت بعید است۔

(بدور الاہلۃ ص ۱۶)

مولوی نورالحسن بھوپالی لکھتے ہیں۔

پس دعوی نجس عین بودن سگ وخنزیر و پلید بودن خمر ودم مسفوح وحیوان مردار نا تمام ست۔

پس کتے خنزیر شراب وخون بہنے والا اور مردہ جانور کے ناپاک ہونے کا دعوی درست نہیں۔

(عرف الجادی ص ۱۰)

(4) کافر کا ذبیحہ حلال ہے۔

وكذالك ذبيحة الكافر ايضا حلال۔

(ہدیۃ المہدی ج ۳ ص ۷۸)

(5) کتے کا بول اور گوہ پاک ہے۔

وكذالك فى بول الكلب وخرءه و الحق انه لا دليل فى النجاسة۔

(نزل الابرار غیر مقلد وحید الزمان ج ۱ ص ۵۰)

(6) صحابہ میں فاسق بھی تھے۔

ومنه يعلم ان من الصحابة من هو فاسق كالوليد ومثله يقال فى حقه معاوية وعمرو مغيره وسمره۔

(نزل الابرار ج ۳ ص ۹۴)

(7) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایسی باتیں اور ایسے کام ہوئے جن سے ان کی عدالت میں خلل آ گیا۔

فاما معاوية فليس قوله و فعله لحجة حيث صدرت منه اقوال و افعال تخلل بعدالت و عدالت عمرو بن العاص وزيره ومشيره۔

(ہدیۃ المہدی ج ۵ ص ۲۷)

(8) عورتوں کا جمع ہو کر اللہ اللہ کرنا بدعت ہے۔

(فتاوی ستاریہ ج ۱ ص ۶۶)

(9) غیر مقلدوں کے امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔
حضور علیہ السلام کا انسانی شکل میں مدد کرنا شیطان کا مدد کرنا ہے۔
(کتاب الوسیلہ ص ۳۱ مکتبہ السلفیہ لاہور)

(10) نیز یہی ابن تیمیہ لکھتے ہیں۔
حضور ﷺ کی قبر انور سے جو آوازیں آئیں وہ شیطان کی چالیں تھیں۔
(کتاب الوسیلہ ص ۵۱ مکتبہ السلفیہ لاہور)

(11) حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نامرد تھے۔
(عیون زم زم عنایت اللہ اثری گجراتی ص ۱۶)

(12) قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔
حل جمیع حیوانات البحر حتی کلبه و خنزیره وثعبانه۔
سب دریائی جانور حلال ہیں یہاں تک کہ کتا خنزیر اور سانپ بھی حلال ہیں۔
(نیل الاوطار ج اص ۶۷ مطبوعہ لاہور)

ایسے بے شمار گندے عقائد ان وہابیوں کے کتب میں موجود ہے جن کو ہمارے علماء نے اپنی اپنی کتب میں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قارائین حضرات ان کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔ فقہ حنفی پر اعتراضات کرنے والوں کو صرف ان کے گھر کا مختصر نمونہ دکھلایا ہے اس لیے کہ فقہ حنفی کے خلاف جس طرح ان وہابیوں نے طوفان بدتمیزی برپا کیا ہوا ہے ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ اپنے وہابی اکابر کے ان اقوال وفقہ کو پڑھو اور ڈوب مرو۔



مصنف کی دیگر محققانہ کتب

(1) اقامت میں حی علی الفلاح پر کھڑے ہونے کا شرعی حکم (مطبوعہ مکتبہ غوثیہ

(2) جمعہ کی اذان ثانی کا زبان سے جواب دینا شرعاً جائز ہے (مطبوعہ مکتبہ مکتبہ غوثیہ کراچی

(3) نام اقدس ﷺ سن کر انگوٹھے چومنے کا مدلل ثبوت (مطبوعہ مکتبہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

(4) دعا بعد نماز جنازہ کا تحقیقی ثبوت (مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

(5) حیلہ اسقاط اور دوران قرآن کا مدلل ثبوت (غیر مطبوعہ)

(6) بارہ ربیع الاول ولادت یا وفات (مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

(7) عمامہ شریف کے فضائل اور شرعی حکم (غیر مطبوعہ)

(8) دیدار الٰہی "بہترین تحقیق" (غیر مطبوعہ)

(9) مدلل فقہ حنفی اور احادیث و آثار صحابہ (حنفیوں کے لئے نایاب تحفہ) (مکمل ۱۰ جلدیں) (غیر مطبوعہ)

(10) شرح مسند الامام الاعظم (غیر مطبوعہ)

(11) ایک اہم سوال (غیر مطبوعہ)

(12) امام اعظم رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کے جوابات (غیر مطبوعہ)

(13) مسئلہ طلاق (غیر مطبوعہ)

(14) چاروں سلاسل حق مگر قادریوں کی شان الگ (غیر مطبوعہ)

(15) مشرک و بدعتی کون؟ (غیر مطبوعہ)

(16) یا رسول اللہ ﷺ مدد (غیر مطبوعہ)

(17) دعا بعد السنن (غیر مطبوعہ)

(18) تاریخ اسلام (دو جلدیں) (غیر مطبوعہ)

(19) فتاویٰ سعید اللہ (غیر مطبوعہ)

(20) غیب کی خبریں دینے والا نبی (غیر مطبوعہ)